هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾ (آل عمران)

حصّہ دوم

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

سورۃ آل عمران تا سورۃ المائدۃ

ڈاکٹر اسرار احمد

انجمن خُدّام القُرآن
خیبر پختونخوا پشاور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

بیان القرآن

حصّہ دوم

ترجمہ و مختصر تفسیر

سورة آل عمران تا سورة المائدة

از

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مُرتّب

''بیان القرآن'' کے قارئین اس امر سے واقف ہیں کہ یہ تفسیری کاوش محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تصنیف یا تالیف نہیں ہے' بلکہ آنجناب کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن کو ترتیب وتسوید کے مراحل سے گزار کر جزءًا جزءًا کتابی صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔ نومبر ۲۰۰۸ء میں بیان القرآن (حصہ اوّل) طبع ہوکر آئی تو اسے علمی حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اوراس کے تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئے۔ حصہ اوّل کے منظرِ عام پر آنے کے ساتھ ہی حصہ دوم کی اشاعت کا تقاضا اور مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ انہی دنوں ڈسٹرکٹ جناح پبلک سکول منڈی بہاؤالدین کے پرنسپل لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین صاحب (ایجوکیشن کور) نے محترم ڈاکٹر صاحبؒ سے ملاقات کرکے ''بیان القرآن'' کی ترتیب وتسوید کے کام میں معاونت کی پیشکش کی۔ اس پیشکش کی حیثیت بلاشبہ تائید غیبی کی تھی۔ محترم کرنل صاحب نے خالصتاً رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر دعوتِ قرآنی کی نشرواشاعت کے اس کام میں کماحقہٗ معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا وآخرت میں اس کی بھرپور جزا عطا فرمائے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی شدید خواہش تھی کہ یہ کتاب جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو' چنانچہ راقم الحروف سے گاہے بگاہے اس کی پیش رفت کے بارے میں استفسار فرماتے رہتے۔ انتقال سے ایک روز قبل بھی اس کے پریس بھجوائے جانے کا دریافت فرمایا۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں' لیکن آپؒ انتہائی خوش قسمت ہیں کہ اپنی حیاتِ مستعار قرآن حکیم کے علوم ومعارف کی نشرواشاعت میں گزار گئے۔ آپؒ کے ہاتھوں دعوت رجوع اِلی القرآن کا لگایا ہوا پودا آپؒ کی زندگی ہی میں ایک تناور درخت بن چکا تھا' جو اَب صدقۂ جاریہ کی صورت اختیار کرچکا ہے اوراس کے برگ وبار سے ایک عالم مستفید ومستفیض ہورہا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ یقیناً اپنے حصے کا کام مکمل کرگئے' لیکن اس ضمن میں ہمیں اپنے حصے کا کام کرتے رہنا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے بیان القرآن (حصہ اوّل) کے طبع ثانی کے موقع پر اپنی ''تقدیم'' میں تحریر فرمایا تھا:

> ''اس جلد میں ابھی صرف سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی ترجمانی ہوئی ہے' گویا کہ ابھی پہاڑ ایسا بھاری کام باقی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے توقع ہے کہ جیسے اُس نے' میرے کسی ارادے یا منصوبہ بندی کے بغیر اور میری خالص لاعلمی میں پیش نظر جلد شائع کرادی' ویسے ہی باقی بھی شائع کرادے گا — خواہ خود میری اس دنیا سے دارِ آخرت کی جانب روانگی کے بعد ہی سہی —''

بیان القرآن (حصہ دوم) سورۃ آل عمران' سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمتِ قرآنی کو شرفِ قبول عطا فرما کر اسے ہمارے لیے دُنیوی واُخروی فوز وفلاح کا باعث بنائے اور ہمیں وہ ہمت و استقامت عطا فرمائے جو اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے درکار ہے۔ آمین!

حافظ خالد محمود خضر

مدیر شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی لاہور

۱۸/ مئی ۲۰۱۰ء

سُورۃُ آلِ عِمران

تمہیدی کلمات

قرآن حکیم کے آغاز میں واقع مکیّ اور مدنی سورتوں کے پہلے گروپ میں مدنی سورتوں کے جو دو جوڑے آئے ہیں' ان میں سے پہلے جوڑے کی پہلی سورت ''سورۃ البقرۃ'' کے ترجمے اور مختصر تشریح کی ہم تکمیل کر چکے ہیں' اور اب ہمیں اس جوڑے کی دوسری سورت ''آل عمران'' کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ دو چیزوں کے مابین جوڑا ہونے کی نسبت یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں گہری مشابہت بھی ہو لیکن کچھ فرق بھی ہو' اور یہ فرق ایسا ہو جو ایک دوسرے کے لیے تکمیلی (complementary) نوعیت کا ہو' یعنی ایک دوسرے سے مل کر کسی مقصد کی تکمیل ہوتی ہو۔ یہ نسبتِ زوجیت کی حقیقت ہے۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران میں مشابہت کے نمایاں پہلو یہ ہیں کہ دونوں حروفِ مقطعات ''الٓمّٓ'' سے شروع ہوتی ہیں۔ دونوں کے آغاز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے' اگرچہ سورۂ آل عمران میں اس کے ساتھ ہی تورات اور انجیل کا بیان بھی ہے۔ پھر یہ کہ دونوں کے اختتام پر بڑی عظیم آیات آئی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے اختتام پر وارد آیات ہم پڑھ چکے ہیں۔ اس کی آخری آیت کو قرآن حکیم کی عظیم ترین دعاؤں میں سے شمار کیا جا سکتا ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ج ......﴾ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں بھی ایک نہایت جامع دعا آئی ہے جو تین چار آیتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ پھر جیسے میں نے آپ کو بتایا' سورۃ البقرۃ بھی سُوۡرَۃُ الۡاُمَّتَیۡن ہے' دو اُمتوںؔ سے خطاب اور گفتگو کر رہی ہے' اور یہی معاملہ سورۂ آل عمران کا بھی ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں زیادہ گفتگو یہود کے بارے میں ہے اور سورۃ آل عمران میں نصاریٰ کے بارے میں۔ تو گویا اس طرح اہل کتاب سے گفتگو کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اہل کتاب میں سے ''یہود'' اہم تر طبقہ تھا اور دینی اعتبار سے ان کی اہمیت زیادہ تھی' خواہ تعداد میں وہ کم تھے اور کم ہیں۔ دوسرا طبقہ عیسائیوں کا ہے' جن کا تذکرہ سورۃ البقرۃ میں بہت کم آیا ہے' لیکن سورۂ آل عمران میں زیادہ خطاب اُن سے ہے۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ کے دو تقریباً مساوی حصے ہیں' پہلا نصف اٹھارہ رکوعوں اور ۱۵۲ آیات پر مشتمل ہے اور نصفِ ثانی ۲۲ رکوعوں لیکن ۱۳۴ آیات پر مشتمل ہے' وہی کیفیت سورۃ آل عمران میں بتمام وکمال ملتی ہے۔ سورۂ آل عمران کے بھی دو حصے ہیں' جو بہت مساوی ہیں۔ اس کے کل ۲۰ رکوع ہیں' ۱۰ رکوع نصفِ اوّل میں ہیں اور ۱۰ رکوع ہی نصفِ ثانی میں۔ پہلے دس رکوعوں میں ۱۰۱ آیات اور دوسرے دس رکوعوں میں ۹۹ آیات ہیں۔ یعنی صرف ایک آیت کا فرق ہے۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ میں نصفِ اوّل کے تین حصے ہیں ویسے ہی یہاں بھی نصفِ اوّل کے تین حصے ہیں' لیکن یہاں تقسیم رکوعوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ آیات کے اعتبار سے ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی ۳۲ آیات اسی طرح تمہیدی کلام پر مشتمل ہیں جیسے سورۃ البقرۃ کے ابتدائی چار رکوع ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں روئے سخن ابتدا ہی سے یہود کی طرف ہو گیا ہے' جبکہ یہاں روئے سخن ابتدا ہی سے نصاریٰ کی طرف ہے۔

ابتدائی ۳۲ آیات کے بعد ۳۱ آیات میں خاص طور پر نصاریٰ سے براہِ راست خطاب ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کن حالات میں ہوئی' اُن کا مقام اور مرتبہ کیا تھا' ان کی اصل حیثیت کیا تھی' اور پھر یہ کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا' اِس حصے میں یہ مضامین شامل ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کا اکثر و بیشترؔ حصہ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوا ہے' لیکن ۳۱ آیات پر مشتمل یہ حصہ ۹ ہجری میں نازل ہوا۔ ''نجران'' عرب کے جنوب میں یمن کی جانب ایک بستی تھی اور وہاں عیسائی آباد تھے۔ وہاں کے عیسائیوں کے سردار اور پادری کوئی سترؔ آدمیوں کا ایک وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ بات سمجھنے سمجھانے کے لیے کہ آپؐ کس بات کی دعوت دے رہے ہیں' مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہ لوگ کئی دن وہاں مقیم رہے۔ انہوں نے بات پوری طرح سمجھ بھی لی اور خاموش بھی ہو گئے' لیکن پھر بھی بات نہیں مانی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مباہلے کی دعوت دی' لیکن وہ اس چیلنج کو قبول کیے بغیر وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی شدت کے ساتھ تردید نہیں کی اور اسے قبول بھی نہیں کیا۔ سورۂ آل عمران کی یہ ۳۱ آیات نجران کے عیسائیوں سے خطاب کے طور پر نازل ہوئیں۔ سورۃ البقرۃ کے بارے میں ایک بات بیان ہونے سے رہ گئی تھی کہ اس کے رکوع ۳۸ کی آیات جن میں سود سے متعلق آخری احکام ہیں' یہ بھی تقریباً ۹ ہجری میں نازل ہوئی ہیں۔ گویا مشابہت کا یہ پہلو بھی دونوں سورتوں میں موجود ہے۔ سورۃ البقرۃ کا اکثر و بیشتر حصہ ؔاگرچہ غزوۂ بدر سے قبل نازل ہوا' لیکن اس کی کچھ آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کا اکثر و بیشتر حصہ اگرچہ غزوۂ اُحد کے بعد ۳ھ میں نازل ہوا' لیکن نجران کے عیسائیوں سے خطاب کے ضمن میں آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے آخری حصے (رکوع ۱۵' ۱۶' ۱۷' ۱۸) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر تھا اس طرح سے یہ بات آپ کو یہاں بھی ملے گی۔ یہاں بھی اہل کتاب کو اسی انداز میں دعوت دی گئی ہے جیسے سورۃ البقرۃ کے ۱۶ویں رکوع میں دی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کا یہ تیسرا حصہ ۳۸ آیات پر مشتمل ہے' جو بہت اہم اور جامع آیات ہیں۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران دونوں کے نصفِ ثانی کا آغاز ''یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع سے نصفِ ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۵۳﴾﴾ اسی طرح سورۂ آل عمران کے گیارہویں رکوع سے اس کے نصفِ ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَ لَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ سورۂ آل عمران کا نصف ثانی دس رکوعوں پر مشتمل ہے اور ان کی تقسیم عمودی ہے' اُفقی نہیں ہے۔ پہلے دو رکوعوں میں خطاب زیادہ تر مسلمانوں سے ہے' پھر اگرچہ روئے سخن اہلِ کتاب کی طرف بھی ہے۔ اس کے بعد مسلسل چھ رکوع غزوۂ اُحد کے حالات پر مشتمل ہیں۔ یعنی اس ضمن میں جو مسائل سامنے آئے ان پر تبصرہ' مسلمانوں سے جو غلطیاں ہوئیں ان پر گرفت اور آئندہ کے لیے ہدایات۔ یہ تقریباً ۶۰ آیات ہیں جو چھ رکوعوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ گویا ''غزوۂ اُحد'' کے عنوان سے قرآن مجید کا ایک مستقل باب (chapter) ہے۔ لیکن قرآن میں

اس طرح سے ابواب نہیں بنائے گئے ہیں' بلکہ اس کی سورتیں ہیں۔ جیسا کہ ابتدا میں ''تعارفِ قرآن'' کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے' قرآن خطباتِ الٰہیہ کا مجموعہ ہے۔ ایک خطبہ نازل ہو رہا ہے اور اس کے اندر مختلف مضامین بیان ہو رہے ہیں' لیکن ان میں ایک ربط اور ترتیب ہے۔ اب تک اس ربط اور ترتیب پر توجہ کم ہوئی ہے' لیکن اِس دور میں قرآن حکیم کے علم و معرفت کا یہ پہلو زیادہ نمایاں ہوا ہے کہ اس میں بڑا نظم ہے' اس کے اندر تنظیم ہے' اس میں آیات کا آپس میں ربط ہے' سورتوں کا سورتوں سے ربط ہے۔ یہ ایسے ہی بے ربط اور الل ٹپ کلام نہیں ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے آخری دو رکوع بہت اہم ہیں۔ ان میں سے بھی آخری رکوع تو بہت ہی جامع ہے۔ اس میں وہ عظیم دعا بھی آئی ہے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا' اور فلسفۂ ایمان کے بارے میں اہم ترین بحث بھی اس مقام پر آئی ہے۔ اور اس سے پہلے کا رکوع یعنی انیسواں رکوع بھی بڑے جامع مضامین پر مشتمل ہے اور اس میں درحقیقت پوری سورۂ مبارکہ کے مضامین کو sum-up کیا گیا ہے۔

ان دونوں سورتوں کے مابین نسبتِ زوجیت کے حوالے سے آپ دیکھیں گے کہ بعض مقامات پر تو الفاظ بھی وہی آ رہے ہیں' وہی انداز ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۶ میں فرمایا گیا: ''(اے مسلمانو!) تم کہو ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب پر نازل کیا گیا......''۔ بالکل یہی مضمون سورۂ آل عمران کی آیت ۸۴ میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی دونوں سورتوں میں ملتا ہے۔ یہود کے بارے میں ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ......﴾ والی آیت سورۂ آل عمران میں بھی ہے' ذرا ترتیب کا فرق ہے۔ [قرآن مجید میں ایسے مقامات ''متشابہ'' کہلاتے ہیں اور یہ حفاظ کے لیے مشکل ترین مقام ہوتے ہیں کہ تیزی اور روانی میں وہ اس سے مشابہ دوسرے مقام پر منتقل ہو جاتے ہیں۔] ان دونوں سورتوں کے مضامین کے اندر آپ کو اتنی گہری مناسبت نظر آئے گی جس کو میں نے زوجیت سے تشبیہہ دی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہر حیوان کا جوڑا جو ہوتا ہے وہ تقریباً نوے فیصد تو ایک دوسرے سے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی دس فیصد کا فرق بھی ہوتا ہے' اور وہ فرق بھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں کے جمع ہونے سے کسی مقصد کی تکمیل ہو رہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' مرد اور عورت ایک دوسرے سے مشابہ ہیں' لیکن جنس کے اعتبار سے مرد اور عورت کے جسم میں فرق ہے۔ البتہ دونوں کے ملاپ سے مقصدِ تناسل یعنی پیدائش اولاد اور افزائش نسل حاصل ہو رہا ہے' جو یک طرفہ طور پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ نسبتِ زوجیت قرآن مجید کی سورتوں میں اکثر و بیشتر بتمام و کمال موجود ہے۔ البتہ اس ضمن میں گہرے تدبّر کی ضرورت ہے۔ قرآن میں غور و فکر کیا جائے' سوچ بچار کیا جائے تو پھر اس نظم قرآن کے حوالے سے اضافی معانی' اضافی علم' اضافی معرفت اور اضافی حکمت کے خزانے کھلتے ہیں۔ میں سورۃ البقرۃ کی تمہید میں یہ بتا چکا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ''الزَّهْرَاوَيْن'' کا نام دیا ہے' یعنی دو نہایت تابناک اور روشن سورتیں۔ جیسے قرآن مجید کی آخری دو سورتوں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو ''الْمُعَوِّذَتَيْن'' کا نام دیا گیا ہے اسی طرح قرآن حکیم کے آغاز میں وارد ان دونوں سورتوں کو ''الزَّهْرَاوَيْن'' کا نام دیا گیا ہے۔

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

آیات ۱ تا ۹

﴿الٓمّٓ ۝١ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝٢ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝٣ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝٤ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝٥ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٦ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝٧ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٨ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝٩﴾

آیت ۱ ﴿الٓمّٓ ۝١﴾ ''ا۔ ل۔ م۔''

یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کے بارے میں اجمالی گفتگو ہم سورۃ البقرۃ کے آغاز میں کر چکے ہیں۔

آیت ۲ ﴿اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝٢﴾ ''اللہ وہ معبودِ برحق ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں' وہ زندہ ہے' سب کا قائم رکھنے والا ہے۔''

یہ الفاظ سورۃ البقرۃ میں آیت الکرسی کے آغاز میں آ چکے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اسمِ اعظم ہے جس کے حوالے سے اگر اللہ سے کوئی دعا مانگی جائے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ یہ تین سورتوں البقرۃ' آل عمران اور طٰـہٰ میں ہے۔(۱)

آنحضور ﷺ نے تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ اسمِ اعظم کون سا ہے' البتہ کچھ اشارے کیے ہیں۔ جیسے رمضان المبارک کی ایک شب ''لیلۃ القدر'' جو ہزار مہینوں سے افضل ہے' اس کے بارے میں تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ کون سی ہے' بلکہ فرمایا: ((فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ))(۲) ''اسے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو''۔ تاکہ زیادہ ذوق و شوق کا معاملہ ہو۔ اسی طرح اسمِ اعظم کے بارے میں آپؐ نے اشارات فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تین سورتوں سورۃ البقرۃ' سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ ان تین سورتوں میں جو الفاظ مشترک ہیں وہ ''اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ'' ہیں۔ سورۃ

البقرۃ میں یہ الفاظ آیت الکرسی میں آئے ہیں' سورۂ آل عمران میں یہاں دوسری آیت میں اور سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۱۱ میں موجود ہیں۔

آیت ۳ ﴿نَزَّلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ﴾ ''اُس نے نازل فرمائی ہے آپ پر (اے نبیؐ) یہ کتاب حق کے ساتھ''
اُس اللہ نے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو الۡحَیُّ ہے' الۡقَیُّوۡمُ ہے۔ اس میں اس کلام کی عظمت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ جان لو یہ کلام کس کا ہے' کس نے اتارا ہے۔ اور یہاں نوٹ کیجیے' لفظ نَزَّلَ آیا ہے' اَنۡزَلَ نہیں آیا۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ﴾ ''یہ تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے''
یعنی تورات اور انجیل کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ قرآن حکیم سابقہ کُتبِ سماویہ کی دو اعتبارات سے تصدیق کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی کتابیں تھیں جن میں تحریف ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ قرآن اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ ان پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آئے ہیں جو اُن کتابوں میں موجود تھیں۔

﴿وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ ③﴾ ''اور اُس نے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں۔''

آیت ۴ ﴿مِنۡ قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے''
﴿وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ط﴾ ''اور اللہ نے فرقان اتارا''۔
''فرقان'' کا مصداق قرآن مجید بھی ہے' تورات بھی ہے اور معجزات بھی ہیں۔ سورۃ الانفال میں ''یوم الفرقان'' غزوۂ بدر کے دن کو کہا گیا ہے۔ ہر وہ شے جو حق کو بالکل مبرہن کر دے اور حق و باطل کے مابین امتیاز پیدا کر دے وہ فرقان ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ط﴾ ''بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے۔''
یہاں اب تہدید اور دھمکی کا انداز ہے کہ اس قرآن کا معاملہ دنیا کی دوسری کتابوں کی طرح نہ سمجھو کہ مان لیا تب بھی کوئی حرج نہیں' نہ مانا تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر پڑھنے پر طبیعت راغب ہوئی تو بھی کوئی بات نہیں' طبیعت راغب نہیں ہے تو مت پڑھو' کوئی الزام نہیں۔ یہ کتاب ویسی نہیں ہے' بلکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے تو ان کے لیے بہت سخت سزا ہو گی۔

﴿وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ④﴾ ''اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے' انتقام لینے والا ہے۔''
یہ لفظ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ بے شک رؤف ہے' رحیم ہے' شفیق ہے' غفور ہے' ستار ہے' لیکن ساتھ ہی ''عزیز ذوانتقام'' بھی ہے' ''شدیدُ العقاب'' بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں شانیں قلب و ذہن میں رہنی چاہئیں۔

آیت ۵ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخۡفٰى عَلَيۡهِ شَىۡءٌ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ⑤﴾ ''یقیناً اللہ پر کوئی شے بھی مخفی نہیں ہے' نہ آسمان میں نہ زمین میں۔''

آیت ۶ ﴿هُوَ الَّذِىۡ يُصَوِّرُكُمۡ فِى الۡاَرۡحَامِ كَيۡفَ يَشَآءُ ط﴾ ''وہی ہے جو تمہاری صورت گری کرتا ہے (تمہاری ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے۔''
پہلی چیز اللہ کے علم سے متعلق تھی اور یہ اللہ کی قدرت سے متعلق ہے۔ وہی ہے جو تمہاری نقشہ کشی کر دیتا ہے' صورت بنا دیتا ہے تمہاری ماؤں کے رحموں میں جیسے چاہتا ہے۔ کسی کے پاس کوئی اختیار (choice) نہیں ہے کہ وہ اپنا نقشہ خود بنائے۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ⑥﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ غالب اور حکیم ہے۔''

آیت ۷ ﴿هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ﴾ ''وہی ہے جس نے آپؐ پر یہ کتاب نازل فرمائی''
کسی کسی جگہ نَزَّلَ کے بجائے اَنۡزَلَ کا لفظ بھی آ جاتا ہے' اور یہ آہنگ (rhythm) کے اعتبار سے ہوتا ہے' کیونکہ قرآن مجید کا اپنا ایک ملکوتی غنا (Divine Music) ہے' اس میں اگر آہنگ کے حوالے سے ضرورت ہو تو یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ آ جاتے ہیں۔

﴿مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ﴾ ''اس میں محکم آیات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں''
''محکم'' اور پختہ آیات وہ ہیں جن کا مفہوم بالکل واضح ہو اور جنہیں اِدھر سے اُدھر کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اس کتاب کی جڑ' بنیاد اور اساس وہی ہیں۔

﴿وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ط﴾ ''اور کچھ دوسری آیتیں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں۔''
جن کا حقیقی اور صحیح صحیح مفہوم معین کرنا بہت مشکل بلکہ عام حالات میں ناممکن ہے۔ اس کی تفصیل تعارفِ قرآن کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے۔ آیاتُ الاحکام جتنی بھی ہیں وہ سب محکم ہیں' کہ یہ کرو یہ نہ کرو' یہ حلال ہے یہ حرام! جیسا کہ ہم نے سورۃ البقرۃ میں دیکھا کہ بار بار ''کُتِبَ عَلَيۡكُمۡ'' کے الفاظ آتے رہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ کتاب درحقیقت ہے ہی مجموعۂ احکام۔ لیکن جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی بحث ہے ان کا فہم آسان نہیں ہے۔ اللہ کی ذات و صفات کا ہم کیا تصور کر سکتے ہیں؟ اللہ کا ہاتھ' اللہ کا چہرہ' اللہ کی کرسی' اللہ کا عرش' ان کا ہم کیا تصور کریں گے؟ اسی طرح فرشتے عالمِ غیب کی شے ہیں۔ عالمِ برزخ کی کیا کیفیت ہے؟ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ عالمِ آخرت' جنت اور دوزخ کی اصل حقیقتیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ چنانچہ ہماری ذہنی سطح کے قریب لا کر کچھ باتیں ہمیں بتا دی گئی ہیں کہ مَا لَا يُدۡرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتۡرَكُ كُلُّهٗ. چنانچہ ان کا ایک اجمالی تصور قائم ہو جانا چاہیے' اس کے بغیر آدمی کا راستہ سیدھا نہیں رہے گا۔ لیکن ان کی تفاصیل میں نہیں جانا چاہیے۔ دوسرے درجے میں مَیں نے آپ کو بتایا تھا کہ کچھ طبیعیاتی مظاہر (Physical Phenomena) بھی ایک وقت تک آیاتِ متشابہات میں سے رہے ہیں' لیکن جیسے جیسے سائنس کا علم بڑھتا چلا جا رہا ہے' رفتہ رفتہ ان کی حقیقت سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے اور اب بہت سی چیزیں محکم ہو کر ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ تاہم اب بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ جیسے ہم ابھی تک نہیں جانتے کہ سات آسمان سے مراد کیا ہے؟ ہمارا یقین ہے کہ اِن شاء اللہ وہ وقت آئے گا کہ انسان سمجھ لے گا کہ ہاں یہی بات صحیح تھی اور یہی تعبیر صحیح تھی جو قرآن نے بیان کی تھی۔

﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ﴾ ''تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ پیچھے لگتے ہیں ان آیات کے جو ان میں سے متشابہ ہیں''

﴿ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ﴾ ''فتنے کی تلاش میں''

وہ چاہتے ہیں کہ کوئی خاص نئی بات نکالی جائے تاکہ اپنی ذہانت اور فطانت کا ڈنکا بجایا جا سکے یا کوئی فتنہ اٹھایا جائے' کوئی فساد پیدا کیا جائے۔ جن کا اپنا ذہن ٹیڑھا ہو چکا ہے وہ اس ٹیڑھے ذہن کے لیے قرآن سے کوئی دلیل چاہتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے مفہوم کو اپنے من پسند مفہوم کی طرف موڑ سکیں۔ یہ اس سے فتنہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

﴿وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ ۚ﴾ ''اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کے لیے۔''

وہ تلاش کرتے ہیں کہ ان آیات کی اصل حقیقت' اصل منشا اور اصل مراد کیا ہے۔ یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کا علمی ذوق ہی ایسا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی فطرت میں کجی ہو۔

﴿وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ ؔ﴾ ''حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

﴿وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ﴾ ''اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر' یہ کل کا کل ہمارے ربّ کی طرف سے ہے۔''

جن لوگوں کو رسوخ فی العلم حاصل ہو گیا ہے' جن کی جڑیں علم میں گہری ہو چکی ہیں ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ جو بات صاف سمجھ میں آ گئی ہے اس پر عمل کریں گے اور جو بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اس کے لیے انتظار کریں گے' لیکن یہ اجمالی یقین رکھیں گے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

﴿وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۷﴾﴾ ''اور یہ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے مگر وہی جو ہوش مند ہیں۔''

اور سب سے بڑی ہوش مندی یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کی حدود (limitations) کو جان لے کہ میری عقل کہاں تک جا سکتی ہے۔ اگر انسان یہ نہیں جانتا تو پھر وہ اولوا الالباب میں سے نہیں ہے۔ بلاشبہ عقل بڑی شے ہے لیکن اس کی اپنی حدود ہیں۔ ایک حد سے آگے عقل تجاوز نہیں کر سکتی: ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے!

یعنی منزل تک پہنچانے والی شے عقل نہیں' بلکہ قلب ہے۔ لیکن عقل بہر حال ایک روشنی دیتی ہے' حقیقت کی طرف اشارے کرتی ہے۔

آیت ۸ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ہَدَیۡتَنَا﴾ ''(اور ان اولوا الالباب کا یہ قول ہوتا ہے) اے ربّ ہمارے! ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دیجیو اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے''

﴿وَہَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً ۚ﴾ ''اور ہمیں تو خاص اپنے خزانۂ فضل سے رحمت عطا فرما۔''

﴿اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ ﴿۸﴾﴾ ''یقیناً تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔''

ہمیں جو بھی ملے گا تیری ہی بارگاہ سے ملے گا۔ تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔

آیت ۹ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ﴾ ''اے ربّ ہمارے! یقیناً تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک ایسے دن کے لیے جس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ اس وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لہٰذا جو اس نے بتایا ہے وہ ہو کر رہے گا اور قیامت کا دن آ کر رہے گا۔

آیات ۱۰ تا ۲۰

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمۡ وَقُوۡدُ
النَّارِ ﴿۱۰﴾ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ
شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِہَادُ ﴿۱۲﴾ قَدۡ
کَانَ لَکُمۡ اٰیَۃٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَاُخۡرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوۡنَہُمۡ مِّثۡلَیۡہِمۡ رَاۡیَ
الۡعَیۡنِ ؕ وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۱۳﴾ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ
الشَّہَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِیۡنَ وَالۡقَنَاطِیۡرِ الۡمُقَنۡطَرَۃِ مِنَ الذَّہَبِ وَالۡفِضَّۃِ وَالۡخَیۡلِ الۡمُسَوَّمَۃِ
وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَاللّٰہُ عِنۡدَہٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلۡ اَؤُنَبِّئُکُمۡ
بِخَیۡرٍ مِّنۡ ذٰلِکُمۡ ؕ لِلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا عِنۡدَ رَبِّہِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَاَزۡوَاجٌ
مُّطَہَّرَۃٌ وَّرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا
ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ
بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾ شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ
اِلَّا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ وَمَا اخۡتَلَفَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا
مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنۡ

حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

آیت ۱۰ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا ؕ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ سے کچھ بھی۔''

اب یہ ذرا تحدی اور چیلنج کا انداز ہے۔ زمانۂ نزول کے اعتبار سے آپ نے نوٹ کر لیا کہ یہ سورۂ مبارکہ ۳ھ میں غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہو رہی ہے' لیکن یہ رکوع جو زیر مطالعہ ہے اس کے بارے میں گمانِ غالب ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو بڑی زبردست فتح حاصل ہوئی تھی تو مسلمانوں کا morale بہت بلند تھا۔ لیکن ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ جب مسلمان بدر سے غازی بن کر' فتح یاب ہو کر واپس آئے تو مدینہ منورہ میں جو یہودی قبیلے تھے ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسلمانو! اتنا نہ اِتراؤ۔ یہ تو قریش کے کچھ ناتجربہ کار چھوکرے تھے جن سے تمہارا مقابلہ پیش آیا ہے' اگر کبھی ہم سے مقابلہ پیش آیا تو دن میں تارے نظر آ جائیں گے' وغیرہ وغیرہ۔ تو اس پس منظر میں یہ الفاظ کہے جا رہے ہیں کہ صرف مشرکین مکہ پر موقوف نہیں' آخر کار تمام کفار اسی طرح سے زیر ہوں گے اور اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ وَلٰـکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (یوسف)

﴿وَاُولٰٓئِکَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾﴾ ''اور وہ تو سب کے سب آگ کا ایندھن بنیں گے۔''

آیت ۱۱ ﴿کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ ''(ان کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ ہو گا) جیسا کہ آلِ فرعون اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا جو اُن سے پہلے گزرے۔''

تمہاری تو حیثیت ہی کیا ہے! کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ آلِ فرعون کا معاملہ یاد کرو' ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ فرعون بہت بڑا شہنشاہ اور بڑے لاؤ لشکر والا تھا' لیکن اس کا کیا حال ہوا؟ اور اس سے پہلے عاد و ثمود جیسی زبردست قومیں اسی جزیرہ نمائے عرب میں رہی ہیں۔

﴿کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ﴾ ''انہوں نے بھی ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔''

﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ﴾ ''تو اللہ نے پکڑا ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں۔''

﴿وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ ؕ﴾ ''(اے نبیﷺ!) کہہ دیجیے ان لوگوں سے جو کفر کی روش اختیار کر رہے ہیں کہ تم سب کے سب (دُنیا میں) مغلوب ہو کر رہو گے اور (پھر آخرت میں) جہنم کی طرف گھیر کر لے جائے جاؤ گے۔''

﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾﴾ ''اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔''

آیت ۱۳ ﴿قَدْ کَانَ لَکُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ﴾ ''تمہارے لیے ایک نشانی آ چکی ہے ان دو گروہوں میں جنہوں نے آپس میں جنگ کی۔''

یعنی بدر کی جنگ میں ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف مشرکین مکہ تھے۔ اس میں تمہارے لیے نشانی موجود ہے۔

﴿فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰی کَافِرَةٌ﴾ ''ایک گروہ اللہ کی راہ میں جنگ کر رہا تھا اور دوسرا کافر تھا''

﴿یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ﴾ ''وہ انہیں دیکھ رہے تھے اپنی آنکھوں سے کہ ان سے دوگنے ہیں۔''

اس کے کئی معانی کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو تو کھلم کھلا نظر آ رہا تھا کہ ہمارے مقابل ہم سے دوگنی فوج ہے' جبکہ وہ تگنی تھی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں کفار پر ایسا رُعب طاری کر دیا تھا کہ انہیں نظر آ رہا تھا کہ مسلمان ہم سے دُگنے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تائید فرماتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے۔''

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾﴾ ''اس میں یقیناً ایک عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لیے۔''

یہ عبرت اور سبق آموزی صرف ان کے لیے ہوتی ہے جو آنکھیں رکھتے ہوں' جن کے اندر دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو۔

اگلی آیت فطرتِ انسانی کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ بعض لوگوں میں خاص طور پر دنیا اور علائق دُنیوی کی محبت زیادہ شدید ہوتی ہے۔ یہاں اس کا اصل سبب بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً یہ شے فطرتِ انسانی میں رکھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو قیامت تک آباد رکھنا ہے اور اس کی رونقیں بحال رکھنی ہیں۔ چنانچہ مرد اور عورت کی ایک دوسرے کے لیے کشش ہو گی تو اولاد پیدا ہو گی اور دنیا کی آبادی میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اس طرح دنیا قائم رہے گی۔ دولت کی کوئی طلب ہو گی تو آدمی محنت و مشقت کرے گا اور دولت کمائے گا۔ اس لیے یہ چیزیں فطرتِ انسانی میں basic animal instincts کے طور پر رکھ دی گئی ہیں۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ان جبلی تقاضوں کو دبا کر رکھا جائے' اللہ کی محبت اور اللہ کی شریعت کو اس سے بالاتر رکھا جائے۔ یہ مطلوب نہیں ہے کہ ان کو ختم کر دیا جائے۔ تعذیبِ نفس اور نفس کشی (self annihilation) اسلام میں نہیں ہے۔ یہ تو رہبانیت ہے کہ اپنے نفس کو کچل دو' ختم کر دو۔ جبکہ اسلام تزکیۂ نفس اور self control کا درس دیتا ہے کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ نفسِ انسانی ایک منہ زور گھوڑا ہے۔ گھوڑا جتنا طاقتور ہوتا ہے اتنا ہی سوار کے لیے تیز دوڑنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن منہ زور اور طاقتور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی ضرورت بھی ہے۔ ورنہ سوار اگر اس کے رحم و کرم پر آ گیا تو وہ جہاں چاہے گا اسے پٹخنی دے دے گا۔

آیت ۱۴ ﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ﴾ ''مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا

کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے‘‘

مرغوباتِ دنیا میں سے پہلی محبت عورتوں کی گنوائی گئی ہے۔ فرائیڈ کے نزدیک بھی انسانی محرکات میں سب سے قوی اور زبردست محرک (potent motive) جنسی جذبہ ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے بھی سب سے پہلے اُسی کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کے لیے پیٹ کا مسئلہ فوقیت اختیار کر جاتا ہے اور معاشی ضرورت جنسی جذبے سے بھی شدید تر ہو جاتی ہے‘ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مرد و عورت کے مابین کشش انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہﷺ نے بھی فرمایا ہے:

((مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ)) (۱)

’’میں نے اپنے بعد مَردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ ضرر رساں فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا۔‘‘

ان کی محبت انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ بلعام بن باعورہ یہود میں سے ایک بہت بڑا عالم اور فاضل شخص تھا‘ مگر ایک عورت کے چکر میں آ کر وہ شیطان کا پیرو بن گیا۔ اس کا قصہ سورۃ الاعراف میں بیان ہوا ہے۔ بہرحال عورتوں کی محبت انسانی فطرت کے اندر رکھ دی گئی ہے۔ پھر انسان کو بیٹے بہت پسند ہیں کہ اس کی نسل اور اس کا نام چلتا رہے‘ وہ بڑھاپے کا سہارا بنیں۔

﴿وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ﴾ ’’اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے کے اور چاندی کے‘‘

﴿وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ ’’اور نشان زدہ گھوڑے‘‘

عمدہ نسل کے گھوڑے جنہیں چن کر ان پر نشان لگائے جاتے ہیں۔

﴿وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط﴾ ’’اور مال مویشی اور کھیتی۔‘‘

پنجاب اور سرائیکی علاقہ میں چوپاؤں کو مال کہا جاتا ہے۔ یہ جانور ان کے مالکوں کے لیے مال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

﴿ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ج﴾ ’’یہ سب دُنیوی زندگی کا سروسامان ہے۔‘‘

بس نقطۂ اعتدال یہ ہے کہ جان لو یہ ساری چیزیں اس دنیا کی چند روزہ زندگی کا ساز و سامان ہیں۔ اس زندگی کے لیے ضروریات کی حد تک ان سے فائدہ اٹھانا کوئی بُری بات نہیں ہے۔

﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾﴾ ’’لیکن اللہ کے پاس ہے اچھا لوٹنا۔‘‘

وہ جو اللہ کے پاس ہے اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر ایمان بالآخرت موجود ہے تو پھر انسان ان تمام مرغوبات کو‘ اپنے تمام جذبات اور میلانات کو ایک حد کے اندر رکھے گا‘ اس سے آگے نہیں بڑھنے دے گا۔ لیکن اگر ان میں سے کسی ایک شے کی محبت بھی اتنی زوردار ہو گئی کہ آپ کے دل کے اوپر اس کا قبضہ ہو گیا تو بس آپ اس کے غلام ہو گئے‘ اب وہی آپ کا معبود ہے‘ چاہے وہ دولت ہو یا کوئی اور شے ہو۔

آیت ۱۵ ﴿قُلْ اَؤُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ ط﴾ ’’ان سے کہیے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں ان تمام چیزوں سے بہتر شے کون سی ہے؟‘‘

﴿لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ’’جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی‘‘

تقویٰ یہی ہے کہ تم پر اپنے نفس کا بھی حق ہے جو تمہیں ادا کرنا ہے‘ لیکن ناجائز راستے سے نہیں۔ تمہارے پیٹ کا بھی حق ہے‘ وہ بھی ادا کرو‘ لیکن اکلِ حلال سے۔ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد کے بھی تم پر حقوق ہیں‘ جو تمہیں جائز طریقوں سے ادا کرنے ہیں۔ تمہارے جو ملاقاتی آنے والے ہیں ان کا بھی تم پر حق ہے۔ رسول اللہﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا تھا:

((فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا‘ وَاِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا‘ وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا‘ وَاِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَیْکَ حَقًّا)) (۱)

ان سب کے حقوق ادا کرو‘ لیکن اللہ سے اوپر کسی حق کو فائق نہ کر دینا۔ بس یہ ہے اصل بات ع ’’گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی!‘‘ اگر یہ حفظِ مراتب نہیں ہو گا تو گویا آپ کا دین بھی گیا اور دنیا بھی گئی۔

﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ’’ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے‘‘

﴿وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ’’اور ان کے لیے بڑی ہی پاک عورتیں ہوں گی‘‘

﴿وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ط﴾ ’’اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی ہو گی۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ م بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾﴾ ’’اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔‘‘

آیت ۱۶ ﴿اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا﴾ ’’جو یہ کہتے رہتے ہیں پروردگار! ہم ایمان لے آئے‘‘

﴿فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ ’’پس ہمارے گناہوں کو بخش دے‘‘

﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾﴾ ’’اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔‘‘

آگے ان کی مدح میں الفاظ استعمال ہو رہے ہیں کہ جو یہ دعائیں کرتے ہیں ان کے یہ اوصاف ہیں۔ اس میں گویا تلقین ہے کہ اگر اللہ سے یہ دعا کرنا چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں جہنم کے عذاب سے بچا لے تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرو۔

آیت ۱۷ ﴿اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ﴾ ’’صبر کرنے والے اور راست باز‘‘

راست بازی میں راست گوئی بھی شامل ہے اور راست کرداری بھی۔ یعنی آپ کا عمل بھی صحیح اور درست ہو اور قول بھی صحیح اور درست ہو۔

﴿وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ﴾ ’’اور فرماں بردار اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے‘‘

﴿وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾ ''اوراوقاتِ سحر میں مغفرت چاہنے والے۔''

وہ جوسحر کا وقت ہے(small hours of the morning) اُس وقت اللہ کے حضور استغفار کرنے والے۔ایک تو پنج وقتہ نمازیں ہیں' اور ایک خاص وقت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہر رات جب رات کا آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سمائے دنیا تک نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے:((هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهٗ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُلَهٗ؟))[1] ''ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ اسے معاف کر دیا جائے؟'' گویا:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہ روِ منزل ہی نہیں!

آیت ۱۸ ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''اللہ خود گواہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے''

سب سے بڑی گواہی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے' جو کتب سماویہ سے بھی ظاہر ہے اور مظاہر فطرت سے بھی۔

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''اور سارے فرشتے (گواہ ہیں)''

﴿وَاُولُوا الْعِلْمِ﴾ ''اور اہل علم بھی (اس پر گواہ ہیں)''

اولوالعلم وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن کہیں اولوالالباب قرار دیتا ہے اور کہیں ان کے لیے ''الَّذِيْنَ يَعْقِلُوْنَ'' جیسے الفاظ آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ آفاقی کے حوالے سے اللہ کو پہچان لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں کہ وہی معبودِ برحق ہے۔سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت ہم نے پڑھی تھی جسے میں ''آیت الآیات'' قرار دیتا ہوں۔اس میں بہت سے مظاہر فطرت بیان کرکے فرمایا گیا: ﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ ''(ان میں) یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔تو یہ جو ''قَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ'' ہیں' جو اولوالالباب ہیں' اولوالعلم ہیں' وہ بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

﴿قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ﴾ ''وہ عدل وقسط کا قائم کرنے والا ہے۔''

یہ اس آیت مبارکہ کے اہم ترین الفاظ ہیں۔قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ عدل قائم کرتا ہے اور عدل کرے گا' البتہ اہل سنت کے نزدیک یہ کہنا سوءِ ادب ہے کہ اللہ پر عدل کرنا واجب ہے۔اللہ پر کسی شے کا وجوب نہیں ہے۔ اللہ کو عدل پسند ہے اور وہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾﴾ (الحجرات) اور اللہ خود بھی عدل فرمائے گا۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زبردست ہے' کمال حکمت والا ہے''۔

آیت ۱۹ ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ ''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔''

اللہ کا پسندیدہ اور اللہ کے ہاں منظور شدہ دین ایک ہی ہے اور وہ ''اسلام'' ہے۔سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کی نسبت زوجیت کے حوالے سے یہ بات سمجھ لیجیے کہ سورۃ البقرۃ میں ایمان پر زیادہ زور ہے اور سورۂ آل عمران میں اسلام پر۔سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی ایمانیات کا تذکرہ ہے' درمیان میں آیت البر میں بھی ایمانیات کا بیان ہے اور آخری آیات میں بھی ایمانیات کا ذکر ہے: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ جبکہ اس سورۂ مبارکہ میں اسلام کو emphasize کیا گیا ہے۔یہاں فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ آگے جا کر آیت آئے گی: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول کرے گا وہ اس کی جانب سے اللہ کے ہاں منظور نہیں کیا جائے گا''۔

﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ﴾ ''اور اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا مگر باہمی ضدم ضدا کے سبب سے۔''

یہ گویا سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ (آیت الاختلاف) کا خلاصہ ہے۔دین اسلام تو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا' پگڈنڈیاں نکالیں اور غلط راستوں پر مڑ گئے' اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' ان کا اصلی روگ وہی ضدم ضدا کی روش اور غالب آنے کی اُمنگ (The urge to dominate) تھی۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾﴾ ''اور جو کوئی اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کو حساب لیتے دیر نہیں لگے گی' وہ بڑی تیزی کے ساتھ حساب لے لے گا۔

آیت ۲۰ ﴿فَاِنْ حَآجُّوْكَ﴾ ''پھر (اے نبی ﷺ) اگر وہ آپؐ سے حجت بازی کریں''

دلیل بازی اور مناظرے کی روش اختیار کریں۔

﴿فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾ ''تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تو اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے اور انہوں نے بھی جو میرا اتباع کر رہے ہیں۔''

آپؐ ان سے دوٹوک انداز میں یہ آخری بات کہہ دیں کہ ہم نے تو اللہ کے آگے سر اطاعت خم کر دیا ہے۔ہم نے ایک راستہ اختیار کر لیا ہے۔تم جدھر جانا چاہتے ہو جاؤ' جس پگڈنڈی پر مڑنا چاہتے ہو مڑ جاؤ' جس کھائی میں گرنا چاہتے ہو گر جاؤ۔ ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾﴾ (الکافرون)۔

﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے اُن سے بھی کہ

جنہیں کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود اور نصاریٰ) اور اُمّیّین سے بھی کہ کیا تم بھی اسی طرح اسلام لاتے ہو؟''
کیا تم بھی سرِتسلیم خم کرتے ہو یا نہیں؟ تابع ہوتے ہو یا نہیں؟ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتے ہو یا نہیں؟

﴿فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ﴾ ''پس اگر وہ بھی اسی طرح اسلام لے آئیں تو ہدایت پر ہو جائیں گے۔''

﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ ؕ﴾ ''اور اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے نبی ﷺ!) آپؐ پر ذمہ داری صرف پہنچا دینے کی ہے۔''

آپؐ نے ہمارا پیغام ان تک پہنچا دیا' ہماری دعوت اُن تک پہنچا دی' ہماری آیات انہیں پڑھ کر سنا دیں' اب قبول کرنا یا نہ کرنا ان کا اپنا اختیار (choice) ہے۔ آپؐ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے۔ سورۃ البقرۃ میں ہم یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ (۱۱۹)﴾۔

﴿وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ (۲۰)﴾ ''اور اللہ اپنے بندوں کے حال کو دیکھ رہا ہے۔''
وہ اُن سے حساب کتاب کر لے گا اور ان سے نمٹ لے گا۔ آپؐ کے ذمہ جو فرض ہے آپ اُس کو ادا کرتے رہیے۔

آیات ۲۱ تا ۳۲

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (۲۱) اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۫ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ (۲۲) اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ (۲۳) ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ (۲۴) فَکَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ ۣ وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (۲۵) قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِکَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۶) تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (۲۷) لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىۃً ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ (۲۸) قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْ تُبْدُوْہُ یَعْلَمْہُ اللّٰہُ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۹) یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَھَا وَبَیْنَہٗٓ اَمَدًاۢ بَعِیْدًا ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (۳۰) قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۳۱) قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ (۳۲)﴾

آیت ۲۱ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا کفر کرتے ہیں اور انبیاءؑ کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں''

﴿وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ﴾ ''اور ان لوگوں کو قتل کرتے رہے ہیں (یا قتل کرتے ہیں) جو انسانوں میں سے عدل وقسط کا حکم دیتے ہیں''

اس لیے کہ انصاف کی بات تو بالعموم کسی کو پسند نہیں ہوتی۔ ''اَلْحَقُّ مُرٌّ'' (حق بات کڑوی ہوتی ہے)۔ بہت سے مواقع پر کسی حق گو انسان کو حق گوئی کی پاداش میں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ یہاں پھر عدل وقسط کا معاملہ آیا ہے۔ اللہ خود ''قَآئِمًا بِالْقِسْطِ'' ہے اور اللہ کے محبوب بندے وہی ہیں جو عدل کا حکم دیں' انصاف کا ڈنکا بجانے کی کوشش کریں۔ تو فرمایا کہ جو ایسے لوگوں کو قتل کریں......

﴿فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (۲۱)﴾ ''تو (اے نبی ﷺ) انہیں بشارت سنا دیجیے دردناک عذاب کی۔''
لفظ ''بشارت'' یہاں طنز کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۫﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہو گئے۔''

قریش کو یہ زعم تھا کہ ہم خدامِ کعبہ ہیں اور ہمارے پاس جو یہ لوگ حج کرنے آتے ہیں ہم ان کو کھانا کھلاتے ہیں' پانی پلاتے ہیں' ہماری ان خدمات کے عوض ہمیں بخش دیا جائے گا۔ فرمایا وہ سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ اگر تو صحیح صحیح پورے دین کو اختیار کرو گے تو ٹھیک ہے' ورنہ چاہے خیرات اور بھلائی کے بڑے سے بڑے کام کیے ہوں' لوگوں کی فلاح و بہبود کے ادارے قائم کر دیے ہوں' اللہ کی نگاہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ (۲۲)﴾ ''اور ان کا پھر کوئی مددگار نہیں ہو گا۔''

آیت ۲۳ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ﴾ ''کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کی حالت پر جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا؟''

اُوْتُوْا مجہول کا صیغہ ہے اور یاد رہے کہ جہاں مذمت کا پہلو ہوتا ہے وہاں مجہول کا صیغہ آتا ہے۔

﴿یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ﴾ ''اب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے''

﴿ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ وَ ہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''پھر ان میں سے ایک گروہ پیٹھ پھیر لیتا ہے اعراض کرتے ہوئے۔''

یعنی کتاب کو مانتے بھی ہیں لیکن اس کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

آیت ۲۴ ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۪﴾ ''یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں آ چکا ہے۔ ان کی ڈھٹائی کا اصل سبب ان کے من گھڑت خیالات ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم کتاب پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر عمل کیوں نہیں کر رہے؟ اس میں تو لکھا ہے کہ سود حرام ہے اور تم سود خوری پر کمر بستہ ہو' اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام کیوں نہیں جانتے؟ تو اس کے جواب میں وہ اپنا یہ من گھڑت عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ ''ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن''۔ جب یہ عقیدہ ہے تو پھر انسان کاہے کو دنیا کا نقصان برداشت کرے ع بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ پھر تو حلال سے' حرام سے' جائز سے' ناجائز سے' جیسے بھی عیش دنیا حاصل کیا جا سکتا ہو حاصل کرنا چاہیے۔ یہ عقیدہ درحقیقت ایمان بالآخرۃ کی نفی کر دیتا ہے۔

﴿وَ غَرَّہُمۡ فِیۡ دِیۡنِہِمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''اور انہیں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے ان کے دین کے بارے میں ان چیزوں نے جو یہ گھڑتے رہے ہیں۔''

اس طرح کے جو عقائد و نظریات انہوں نے گھڑ لیے ہیں ان کے باعث یہ دین کے معاملے میں گمراہی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اللہ نے تو ایسی کوئی ضمانت نہیں دی تھی۔ تورات لاؤ' انجیل لاؤ' کہیں ایسی ضمانت نہیں ہے۔ یہ تو تمہارا من گھڑت عقیدہ ہے اور اسی کی وجہ سے اب تم دین کے اندر بددین یا بے دین ہو گئے ہو۔

آیت ۲۵ ﴿فَکَیۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰہُمۡ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ۟﴾ ''تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں!''

اِس وقت تو یہ بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں' زبان درازیاں کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم انہیں ایک ایسے دن میں جمع کریں گے جس کے آنے میں ذرا شک نہیں' تو اس دن ان کا کیا حال ہوگا!

﴿وَ وُفِّیَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ﴾ ''اور ہر جان کو پورا پورا دے دیا جائے گا جو کچھ اس نے کمائی کی ہوگی''

﴿وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''

اس کے بعد اب پھر ایک بہت عظیم دعا آ رہی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں بہت سی دعائیں ہیں۔ یہ بھی ایک عظیم دعا ہے جس کی باقاعدہ تلقین کر کے کہا گیا ہے کہ یوں کہا کرو۔

آیت ۲۶ ﴿قُلِ اللّٰہُمَّ مٰلِکَ الۡمُلۡکِ﴾ ''کہو اے اللہ! تمام بادشاہت کے مالک!'' کل ملک تیرے اختیار میں ہے۔

﴿تُؤۡتِی الۡمُلۡکَ مَنۡ تَشَآءُ﴾ ''تو حکومت اور اختیار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''

﴿وَ تَنۡزِعُ الۡمُلۡکَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۫﴾ ''اور سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے''

﴿وَ تُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ﴾ ''اور تو عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''

﴿وَ تُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ﴾ ''اور تو ذلیل کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

﴿بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ ؕ﴾ ''تیرے ہی ہاتھ میں سب خیر ہے۔''

اس کے دونوں معنی ہیں۔ ایک یہ کہ کل خیر و خوبی تیرے ہاتھ میں ہے اور دوسرے یہ کہ تیرے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے۔ بسا اوقات انسان جسے اپنے لیے شر سمجھ بیٹھتا ہے وہ بھی اس کے لیے خیر ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۶) میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَعَسٰٓی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡئًا وَّ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَ عَسٰٓی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّ ہُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ؕ﴾۔

﴿اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۶﴾﴾ ''یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿تُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ﴾ ''تو رات کو لے آتا ہے دن میں پرو کر''

﴿وَ تُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ ۫﴾ ''اور پھر دن کو نکال لاتا ہے رات میں سے پرو کر۔''

﴿وَ تُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ﴾ ''اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے''

﴿وَ تُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ ۫﴾ ''اور تو نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔''

اس کی بہترین مثال مرغی اور انڈا ہے۔ انڈے میں جان نہیں ہے لیکن اسی میں سے زندہ چوزہ برآمد ہوتا ہے اور مرغی سے انڈا برآمد ہوتا ہے۔

﴿وَ تَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾﴾ ''اور تو دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حد وحساب۔''

آیت ۲۸ ﴿لَا یَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ﴾ ''اہل ایمان نہ بنائیں کافروں کو اپنے دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر۔''

''اولیاء'' ایسے قلبی دوست ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے رازدار بھی بن جائیں اور ایک دوسرے کے پشت پناہ بھی ہوں۔ یہ تعلق کفار کے ساتھ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے ساتھ اچھا رویہ' ظاہری مدارات اور تہذیب و شائستگی سے بات چیت تو اور بات ہے' لیکن دلی محبت' قلبی رشتہ' جذباتی تعلق' باہمی نصرت و تعاون اور ایک دوسرے کے پشت پناہ ہونے کا رشتہ قائم کر لینے کی اجازت نہیں ہے۔ کفار کے ساتھ اس طرح کے تعلقات اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہیں۔

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ﴾ ”اور جو کوئی بھی یہ حرکت کرے گا تو پھر اللہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا“

اگر اللہ کے دشمنوں کے ساتھ تمہاری دوستی ہے تو ظاہر ہے پھر تمہارا اللہ کے ساتھ کوئی رشتہ و تعلق نہیں رہا ہے۔

﴿اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ﴾ ”سوائے یہ کہ تم ان سے بچنے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا چاہو“

بعض اوقات ایسے حالات ہوتے ہیں کہ کھلے مقابلے کا ابھی موقع نہیں ہوتا تو آپ دشمن کو طرح دیتے ہیں اور اس طرح گویا وقت حاصل کرتے ہیں (you are buying time) تو اس دوران اگر ظاہری خاطر مدارات کا معاملہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' لیکن مستقل طور پر کفار سے قلبی محبت قائم کر لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ قرآن کے انہی الفاظ کو ہمارے ہاں اہل تشیع نے تقیہ کی بنیاد بنا لیا ہے۔ لیکن انہوں نے اسے اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ جھوٹ بولنا اور اپنے عقائد کو چھپا لینا بھی روا سمجھتے ہیں اور اس کے لیے دلیل یہاں سے لاتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بالکل دوسری شکل ہے اور یہ صرف ظاہری مدارات کی حد تک ہے۔ جیسے کہ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ اگرچہ تمہارے خلاف یہود کے دلوں میں حسد کی آگ بھری ہوئی ہے لیکن ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾ (آیت ۱۰۹) ابھی ذرا درگزر کرتے رہو اور چشم پوشی سے کام لو۔ ابھی فوری طور پر ان کے ساتھ مقابلہ شروع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس حد تک مصلحت بینی تو صحیح ہے' لیکن یہ نہیں کہ جھوٹ بولا جائے' معاذ اللہ!

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ﴾ ”اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے اپنے آپ سے۔“

اللہ سے ڈرو۔ یعنی کسی اور سے خواہ مخواہ ڈر کر صرف خاطر مدارات کر لینا بھی صحیح نہیں ہے۔ کسی وقت مصلحت کا تقاضا ہو تو ایسا کر لو' لیکن تمہارے دل میں خوف صرف اللہ کا رہنا چاہیے۔

﴿وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۲۸﴾ ”اور اللہ ہی کی طرف (تمہیں) لوٹ کر جانا ہے۔“

آیت ۲۹ ﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ﴾ ”کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ!) کہ اگر تم چھپاؤ جو کچھ کہ تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کر دو اللہ اسے جانتا ہے۔“

تم اپنے سینوں میں مخفی باتیں ایک دوسرے سے تو چھپا سکتے ہو' اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ﴾ ”اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے ظاہر کرو خواہ چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا محاسبہ کر لے گا“۔

﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ”اور وہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔“

﴿وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۹﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

آیت ۳۰ ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ﴾ ”(اُس دن کا تصور کرو) جس دن ہر جان اپنے سامنے موجود پائے گی ہر نیکی جو اُس نے کی ہو گی“

﴿وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚ﴾ ”اور ہر برائی جو اُس نے کمائی ہو گی۔“

اس کا نقشہ سورۃ الزلزال میں بایں الفاظ کھینچا گیا ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸﴾ ”تو جس نے ایک ذرے کے ہم وزن نیکی کی ہو گی وہ اس کو (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ایک ذرے کے ہم وزن برائی کی ہو گی وہ اُس کو (بچشم خود) دیکھ لے گا“۔

﴿تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ﴾ ”اور (ہر جان) یہ چاہے گی کہ کاش اس کے اور اُس (کے نامۂ اعمال) کے درمیان ایک زمانہ دراز حائل ہوتا۔“

اُس وقت ہر انسان یہ چاہے گا کہ کاش میرے اور میرے اعمال نامے کے درمیان بڑا فاصلہ آ جائے اور میری نگاہ بھی اس پر نہ پڑے۔

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ﴾ ”اور اللہ ڈرا رہا ہے تمہیں اپنے آپ سے۔“

یعنی تقویٰ اختیار کرنا ہے تو اس کا کرو' ڈرنا ہے تو اس سے ڈرو' خوف کھانا ہے تو اس سے کھاؤ!

﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۳۰﴾ ”اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں بہت شفیق ہے۔“

یہ تنبیہات (warnings) وہ تمہیں بار بار اسی لیے دے رہا ہے تاکہ تمہاری عاقبت خراب نہ ہو۔

آیت ۳۱ ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو“

یہ آیت بہت معروف ہے اور مسلمانوں کو بہت پسند بھی ہے۔ ہمارے ہاں مواعظ و خطابات میں یہ بہت کثرت سے بیان ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' میرا اتباع کرو! اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

﴿يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ ”اللہ تم سے محبت کرے گا“

﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ﴾ ”اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱﴾ ”اور اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔“

آیت ۳۲ ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ﴾ ”کہہ دیجیے اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی۔“

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲﴾ ”پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو (یاد رکھیں کہ) اللہ کو ایسے کافر پسند

نہیں ہیں۔‘‘

یہ دو آیتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کے لیے دو الفاظ آئے ہیں ’’اطاعت‘‘ اور ’’اتباع‘‘۔ اطاعت اگر نہیں ہے تو یہ کفر ہے۔ چنانچہ اطاعت تو لازم ہے اور وہ بھی دلی آمادگی سے‘ مارے باندھے کی اطاعت نہیں۔ لیکن اطاعت کس چیز میں ہوتی ہے؟ جو حکم دیا گیا ہے کہ یہ کرو وہ آپ کو کرنا ہے۔ اتباع اس سے بلند تر شے ہے۔ انسان خود تلاش کرے کہ آنحضور ﷺ کے اعمال کیا تھے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے‘ خواہ آپ ﷺ نے ان کا حکم نہ دیا ہو۔ گویا اتباع کا دائرہ اطاعت سے وسیع تر ہے۔ انسان کو جس کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اُس سے ہر طرح سے ایک مناسبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے لباس جیسا لباس پہننا پسند کرتا ہے‘ جو چیزیں اس کو کھانے میں پسند ہیں وہی چیزیں خود بھی کھانا پسند کرتا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا حکم نہیں دیا گیا لیکن ان کا التزام پسندیدہ ہے۔ ایک صحابیؓ کا واقعہ آتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کرتے کے بٹن نہیں لگے ہوئے تھے اور آپؐ کا گریبان کھلا تھا۔ اس کے بعد ان صحابیؓ نے پھر ساری عمر اپنے کُرتے کے بٹن نہیں لگائے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے تو انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ صحابیؓ کہیں دور دراز سے آئے ہوں گے اور ایک ہی مرتبہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے‘ لیکن انہوں نے اُس وقت محمدٌ رسول اللہ ﷺ کو جس شان میں دیکھا اس کو پھر اپنے اوپر لازم کر لیا۔

اتباع کے ضمن میں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ اگرچہ دین کے کچھ تقاضے ایسے ہیں کہ انہیں جس درجے میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے پورا فرمایا اس درجے میں پورا کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے‘ پھر بھی اس کی کوشش کرتے رہنا اتباع کا تقاضا ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے کوئی مکان نہیں بنایا‘ کوئی جائیداد نہیں بنائی‘ جیسے ہی وحی کا آغاز ہوا‘ اس کے بعد آپؐ نے کوئی دُنیوی کام نہیں کیا‘ کوئی تجارت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ اور اپنی توانائی کی ایک ایک رمق اللہ کے دین کی دعوت اور اس کی اقامت میں لگا دی۔ سب کے لیے تو اس مقام تک پہنچنا یقیناً مشکل ہے‘ لیکن بہرحال بندۂ مؤمن کا آئیڈیل یہ رہے اور وہ اسی کی طرف چلنے کی کوشش کرتا رہے‘ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اور زیادہ سے زیادہ وسائل فارغ کرے اور اس کام کے اندر لگائے تو ’’اتباع‘‘ کا کم سے کم تقاضا پورا ہو گا۔ البتہ جہاں تک ’’اطاعت‘‘ کا تعلق ہے اس میں کوتاہی قابل قبول نہیں۔ جہاں حکم دے دیا گیا کہ یہ حلال ہے‘ یہ حرام ہے‘ یہ فرض ہے یہ واجب ہے‘ وہاں حکم عدولی کی گنجائش نہیں۔ اگر اطاعت ہی سے انکار ہے تو اسے قرآن کفر قرار دے رہا ہے۔

اتباع کا معاملہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اتباع کرنے والا اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو‘ میری پیروی کرو۔ دیکھو‘ میرے شب و روز کیا ہیں؟ میری توانائیاں کن کاموں پر لگ رہی ہیں؟ دنیا کے اندر میری دلچسپیاں کیا ہیں؟ ان معاملات میں تم میری پیروی کرو۔ اس کے نتیجے میں تم اللہ تعالیٰ کے ’’محبّ‘‘ سے بڑھ کر ’’محبوب‘‘ بن جاؤ گے اور اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ وہ یقیناً غفور اور رحیم ہے۔ باقی اطاعت تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی بہرصورت کرنی ہے۔ اگر یہ اس اطاعت سے بھی منہ موڑیں تو اللہ تعالیٰ کو ایسے کافر پسند نہیں ہیں۔ کیونکہ اطاعت رسول ﷺ کا انکار تو کفر ہو گیا۔ یہاں سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کا ثلث اوّل مکمل ہو گیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی ۳۲ آیات تمہیدی اور عمومی نوعیت کی ہیں۔ ان میں دین کے بڑے گہرے اصول بیان ہوئے ہیں‘ نہایت جامع دعائیں تلقین کی گئی ہیں اور محکمات اور متشابہات کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

آیات ۳۳ تا ۴۱

﴿اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۙ۳۳﴾ ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿ۚ۳۴﴾ اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتۡہَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُہَاۤ اُنۡثٰی ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَ لَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی ۚ وَ اِنِّیۡ سَمَّیۡتُہَا مَرۡیَمَ وَ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُہَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَہَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَہَا رَبُّہَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّ اَنۡۢبَتَہَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ کَفَّلَہَا زَکَرِیَّا ؕ کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیۡہَا زَکَرِیَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَہَا رِزۡقًا ۚ قَالَ یٰمَرۡیَمُ اَنّٰی لَکِ ہٰذَا ؕ قَالَتۡ ہُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ ہُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ ۚ قَالَ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۚ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتۡہُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ ہُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیۡ فِی الۡمِحۡرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحۡیٰی مُصَدِّقًۢا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ سَیِّدًا وَّ حَصُوۡرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّ قَدۡ بَلَغَنِیَ الۡکِبَرُ وَ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَۃً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ کَثِیۡرًا وَّ سَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِبۡکَارِ ﴿۴۱﴾﴾

سورۂ آل عمران کے نصف اوّل کا دوسرا حصہ ۳۱ آیات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں خطاب براہِ راست نصاریٰ سے ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ یہ جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا لیا ہے اور تثلیث (Trinity) کا عقیدہ گھڑ لیا ہے یہ سب باطل ہے۔ عیسائیوں کے ہاں دو طرح کی تثلیث رائج رہی ہے —— i) خدا‘ مریم اور عیسیٰؑ —— اور ii) خدا‘ روح القدس اور عیسیٰؑ۔ یہاں پر واضح کر دیا گیا کہ یہ جو تثلیثیں تم نے ایجاد کر لی ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے‘ یہ تمہاری کج روی ہے۔ تم نے غلط شکل اختیار کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ہاں اُن کی ولادت معجزانہ طریقے پر ہوئی ہے۔ لیکن ان سے متصلاً قبل حضرت یحییٰؑ کی ولادت بھی تو معجزانہ ہوئی تھی۔ وہ بھی کوئی کم معجزہ نہیں ہے۔ اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت بھی تو بہت بڑا معجزہ ہے۔ اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا اور ان سے نسل انسانی کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اگر کسی کی معجزانہ ولادت الوہیت کی دلیل ہے تو کیا حضرت آدمؑ اور حضرت یحییٰؑ بھی الٰہ ہیں؟ تو یہ ساری بحث اسی موضوع پر ہو رہی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۳﴾﴾ ’’یقیناً اللہ نے چن لیا

آدمؑ کو‘ نوحؑ کو‘ آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو تمام جہان والوں پر۔‘‘

اِصطفاء کے معنی منتخب کرنے یا چن لینے (selection) کے ہیں۔ زیرِ مطالعہ آیت سے متبادر ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی ’’اِصطفاء‘‘ ہوا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک دلیل موجود ہے جو تخلیق آدم کے ضمن میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ پہلے ایک نوع (species) وجود میں آئی تھی اور اللہ نے اس نوع کے ایک فرد کو چن کر اس میں اپنی روح پھونکی تو وہ آدمؑ بن گئے۔ چنانچہ وہ بھی چنیدہ (selected) تھے۔ اِصطفاء کے ایک عام معنی بھی ہوتے ہیں‘ یعنی پسند کر لینا۔ ان معنوں میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو تمام جہان والوں پر ترجیح دے کر پسند کر لیا۔ تاریخ بنی اسرائیل میں ’’عمران‘‘ دو عظیم شخصیتوں کے نام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام بھی عمران تھا۔ یہاں پر غالباً حضرت موسیٰؑ کے والد مراد ہیں۔ لیکن آگے چونکہ حضرت مریمؑ اور عیسیٰؑ کا تذکرہ آ رہا ہے‘ لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہاں پر حضرت مریمؑ کے والد کی طرف اشارہ ہو۔

آیت ۳۴ ﴿ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۭ﴾ ’’یہ ایک دوسرے کی اولاد سے ہیں۔‘‘

حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوحؑ کی اولاد سے ہیں‘ اور پھر حضرت ابراہیمؑ کا پورا خاندان بنی اسماعیل‘ بنی اسرائیل اور آلِ عمران ان کی اولاد میں سے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۴﴾ ’’اور اللہ سننے والا‘ جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا﴾ ’’جب کہا عمران کی بیوی نے کہ اے میرے ربّ! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں تیری ہی نذر کرتی ہوں‘ ہر ذمہ داری سے چھڑا کر‘‘

عمران کی بیوی یعنی حضرت مریمؑ کی والدہ بہت ہی نیک‘ متقی اور زاہدہ تھیں۔ جب ان کو حمل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کیا کہ پروردگار! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے‘ جسے تو پیدا فرما رہا ہے‘ اسے میں تیری ہی نذر کرتی ہوں۔ ہم اس پر دُنیوی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اس کو خالصتاً ہیکل کی خدمت کے لیے‘ دین کی خدمت کے لیے‘ تورات کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گے۔ ہم اپنا بھی کوئی بوجھ اس پر نہیں ڈالیں گے۔ انہیں یہ توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے گا۔ مُحَرَّرًا کے معنی ہیں ’’اسے آزاد کرتے ہوئے‘‘۔ یعنی ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور اسے ہم تیرے لیے خالص کر دیں گے۔

﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ﴾ ’’پس تو اس کو میری طرف سے قبول فرما!‘‘

اے اللہ تو میری اس نذر کو شرفِ قبول عطا فرما۔

﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۵﴾ ’’یقیناً تو سب کچھ سننے والا‘ سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۳۶ ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ﴾ ’’تو جب اسے وضع حمل ہوا تو اس نے کہا اے میرے ربّ! یہ تو میں ایک لڑکی جن گئی ہوں۔‘‘

یعنی میرے ہاں تو بیٹی پیدا ہو گئی ہے۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا تو میں اس کو وقف کر دوں گی۔ اُس وقت تک ہیکل کے خادموں میں کسی لڑکی کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۭ﴾ ’’اور اللہ بہتر جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے۔‘‘

اسے کیا پتا تھا کہ اس نے کیسی بیٹی جنی ہے!

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ﴾ ’’اور نہیں ہوگا کوئی بیٹا اس بیٹی جیسا!‘‘

اس جملے کے دونوں معنی کیے گئے۔ اوّلاً: اگر یہ قول مانا جائے حضرت مریمؑ کی والدہ کا تو ترجمہ یوں ہوگا: ’’اور لڑکا لڑکی کی مانند تو نہیں ہوتا‘‘۔ اگر لڑکا ہوتا تو میں اُسے خدمت کے لیے وقف کر دیتی‘ یہ تو لڑکی ہو گئی ہے۔ ثانیاً: اگر اس قول کو اللہ کی طرف سے مانا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ کوئی بیٹا ایسا ہو ہی نہیں سکتا جیسی بیٹی تو نے جنم دی ہے۔ اور اب مریمؑ کی والدہ کا کلام شروع ہوا:

﴿وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ ’’اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے‘‘

﴿وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝۳۶﴾ ’’اور (اے پروردگار!) میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطانِ مردود (کے حملوں) سے۔‘‘

اے اللہ! تو اس لڑکی (مریمؑ) کو بھی اور اس کی آنے والی اولاد کو بھی شیطان کے شر سے اپنی حفاظت میں رکھیو!

آیت ۳۷ ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ ’’تو قبول فرما لیا اُس کو (یعنی حضرت مریمؑ کو) اس کے ربّ نے بڑی ہی عمدگی کے ساتھ‘‘

شرفِ قبول عطا فرمایا بڑے ہی خوبصورت انداز میں۔

﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ﴾ ’’اور اس کو پروان چڑھایا بہت اعلیٰ طریقے پر‘‘

﴿وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۭ﴾ ’’اور اس کو زکریاؑ کی کفالت میں دے دیا۔‘‘

حضرت زکریا علیہ السلام ان کے سرپرست مقرر ہوئے اور انہوں نے حضرت مریمؑ کی کفالت و تربیت کی ذمہ داری اٹھائی۔ وہ حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ آپؑ وقت کے نبی تھے اور اسرائیلی اصطلاح میں ہیکل سلیمانی کے کاہن اعظم (Chief Priest) بھی تھے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ﴾ ’’جب کبھی بھی زکریاؑ ان کے پاس جاتے تھے محراب میں‘‘

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ﴾ ’’تو ان کے پاس رزق پاتے۔‘‘

’’محراب‘‘ سے مراد وہ گوشہ یا حجرہ ہے جو حضرت مریمؑ کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ حضرت زکریاؑ اُن کی دیکھ بھال

کے لیے اکثر ان کے حجرے میں جاتے تھے۔ آپؑ جب بھی حجرے میں جاتے تو دیکھتے کہ حضرت مریمؑ کے پاس کھانے پینے کی چیزیں اور بغیر موسم کے پھل موجود ہوتے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ بھی ہے کہ یہاں رزق سے مراد مادی کھانا نہیں' بلکہ علم و حکمت ہے کہ جب حضرت زکریاؑ ان سے بات کرتے تھے تو حیران رہ جاتے تھے کہ اس لڑکی کو اس قدر حکمت اور اتنی معرفت کہاں سے حاصل ہوگئی ہے؟

﴿قَالَ یٰمَرۡیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا ؕ﴾ ''وہ پوچھتے اے مریمؑ! تمہیں یہ چیزیں کہاں سے ملتی ہیں؟''

یہ انواع و اقسام کے کھانے اور بے موسمی پھل تمہارے پاس کہاں سے آ جاتے ہیں؟ یا یہ علم و حکمت اور معرفت کی باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہوتی ہیں؟

﴿قَالَتۡ ھُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''وہ کہتی تھیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

یہ سب اس کا فضل اور اس کا کرم ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب عطا کرتا ہے۔''

آیت ۳۸ ﴿ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّهٗ ۚ﴾ ''(حضرت زکریاؑ کو یہ مشاہدہ ہوا تو انہوں نے) اُسی وقت اپنے پروردگار سے ایک دعا کی۔''

﴿قَالَ رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ﴾ ''انہوں نے کہا: اے میرے ربّ! تو مجھے بھی اپنی جناب سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا فرما دے۔''

حضرت زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے ہو چکے تھے' ان کی اہلیہ بھی بہت بوڑھی ہو چکی تھیں اور ساری عمر بانجھ رہی تھیں اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہ مضامین سورۂ مریم میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ مکی دور میں جبکہ مسلمان ہجرتِ حبشہ کے لیے گئے تھے' تو وہاں جا کر نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائی تھیں۔ اس مناسبت سے یہ مضامین سورۂ مریم میں بھی ملتے ہیں۔ حضرت زکریاؑ ساری عمر بے اولاد رہے تھے' لیکن حضرت مریمؑ کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اولاد کی جو خواہش ان کے اندر دبی ہوئی تھی وہ چنگاری دفعۃً بھڑک اٹھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ! تو اس بچی کو یہ سب کچھ دے سکتا ہے تو اپنی قدرت سے مجھے بھی پاکیزہ اولاد عطا فرما دے!

﴿اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾﴾ ''یقیناً تو دعا کا سننے والا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ وَھُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیۡ فِی الۡمِحۡرَابِ ۙ﴾ ''تو فرشتوں نے انہیں ندا دی جبکہ وہ اپنے حجرے میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے''

﴿اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکَ بِیَحۡیٰی﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے یحیٰیؑ کی''

﴿مُصَدِّقًۢا بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''جو تصدیق کرے گا اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی''

اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں' جن کے لیے آیت ۴۴ میں ''بِکَلِمَةٍ مِّنۡهُ'' کا لفظ آ رہا ہے۔

﴿وَسَیِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور سردار ہوگا اور تجرد کی زندگی گزارے گا اور نبی ہوگا صالحین میں سے۔''

یہاں نوٹ کر لیجیے کہ آخری لفظ جو حضرت یحیٰیؑ کی مدح کے لیے آیا ہے وہ ''نبی'' ہے۔

آیت ۴۰ ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ﴾ ''(زکریاؑ نے) کہا: پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو جائے گا؟''

ابھی خود دعا کر رہے تھے' لیکن اللہ کی طرف سے بیٹے کی بشارت ملنے پر غالباً اس کی توثیق اور re-assurance چاہ رہے ہیں کہ میرے ہاں کیسے بیٹا ہو جائے گا؟

﴿وَّقَدۡ بَلَغَنِیَ الۡکِبَرُ﴾ ''جبکہ میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں''

﴿وَامۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ﴾ ''اور میری بیوی بانجھ رہی ہے۔''

﴿قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰهُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اسے اسباب کی احتیاج نہیں ہے۔ اسباب اس کے محتاج ہیں' اللہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

آیت ۴۱ ﴿قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَةً ؕ﴾ ''انہوں نے عرض کیا: پروردگار! میرے (اطمینان کے) لیے کوئی نشانی مقرر کر دیں۔''

مجھے معلوم ہو جائے کہ واقعی ایسا ہونا ہے اور یہ کلام جو میں سن رہا ہوں واقعتاً تیری طرف سے ہے۔

﴿قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ اب تم تین دن تک لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکو گے سوائے اشارے کنائے کے۔''

یعنی ان کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی اور اب وہ تین دن کسی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔

﴿وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ کَثِیۡرًا﴾ ''اور (اپنے دل میں) اپنے ربّ کو کثرت سے یاد کرتے رہو''

﴿وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِبۡکَارِ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور تسبیح کیا کرو شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی۔''

آیات ۴۲ تا ۵۴

﴿وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰکِ وَطَهَّرَکِ وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّکِ وَاسۡجُدِیۡ وَارۡکَعِیۡ مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ

نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ
يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ڰ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا
يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ
الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔــةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ
الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ
حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ
هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ
الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ بیان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو شدید ضعیفی کی عمر میں ایک بانجھ اور بوڑھی عورت سے حضرت یحییٰؑ جیسا بیٹا دے دیا۔ تو کیا یہ عام قانون کے مطابق ہے؟ ظاہر ہے یہ بھی تو معجزہ تھا۔ اسی طرح اس سے ذرا بڑھ کر ایک معجزہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش ہے کہ انہیں بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔ اب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ کہا فرشتوں نے اے مریمؑ''

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''یقیناً اللہ نے تمہیں چن لیا ہے اور تمہیں خوب پاک کر دیا ہے اور تمہیں تمام جہان کی خواتین پر ترجیح دی ہے۔''

آیت ۴۳ ﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ﴾ ''اے مریمؑ! اپنے ربّ کی فرماں برداری کرتی رہو''

﴿وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرتی رہو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔''

یعنی نماز باجماعت کے اندر شریک ہو جایا کرو۔

آیت ۴۴ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ﴾ ''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو (اے محمدﷺ!) ہم آپ کو وحی کر رہے ہیں۔''

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠﴾ ''اور آپ تو ان کے پاس موجود نہیں تھے جبکہ وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے (یہ طے کرنے کے لیے) کہ ان میں سے کون مریم کا کفیل ہو گا۔''

جب حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی والدہ نے ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کیا تو ہیکل کے کاہنوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ یہ بچی میری تحویل میں ہو' اس کی تربیت اور پرورش کی سعادت مجھے حاصل ہو جائے جسے اللہ کے نام پر وقف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے وہ اپنے قلم پھینک کر کسی طرح قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ اس میں اللہ نے حضرت زکریاؑ کا نام نکال دیا۔ یہاں اثنائے کلام میں نبی اکرمﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ تو اُس وقت وہاں نہیں تھے جب وہ قرعہ اندازی سے یہ معاملہ طے کر رہے تھے۔

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''اور نہ آپ اُس وقت ان کے پاس موجود تھے جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔''

آیت ۴۵ ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ڰ﴾ ''یاد کرو جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریمؑ! یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی''

تمہیں اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہستی کی ولادت کی خوشخبری دے رہا ہے جو اُس کی جانب سے ایک خاص کلمہ ہو گا۔

﴿اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ''اس کا نام ہو گا مسیح' عیسیٰ' مریم کا بیٹا''

﴿وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ''مرتبے والا ہو گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ کے بہت ہی مقربین بارگاہ میں سے ہو گا۔''

آیت ۴۶ ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ ''اور وہ لوگوں سے گفتگو کرے گا گود میں بھی اور پوری عمر کا ہو کر بھی''

کہولت چالیس برس کے بعد آتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا رفعِ سماوی ۳۳ برس کی عمر میں ہو گیا تھا۔ گویا اس آیت کا تقاضا ابھی پورا نہیں ہوا ہے۔ اور اس سے اندازہ کر لیجیے کہ یہ بات کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ پوری عمر کو پہنچ کر تو سبھی بولتے ہیں' یہاں اس کا اشارہ کیوں کیا گیا؟ اس لیے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیحؑ پر موت ابھی وارد نہیں ہوئی' بلکہ وہ واپس آئیں گے' دنیا میں دوبارہ اتریں گے' پھر ان کی کہولت کی عمر بھی ہو گی۔ وہ شادی بھی کریں گے' ان کی اولاد بھی ہو گی اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو پوری دنیا میں قائم کرے گا۔

﴿وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾﴾ ''اور وہ ہمارے نیکوکار بندوں میں سے ہو گا۔''

آیت ۴۷ ﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ﴾ ''(حضرت مریمؑ نے یہ بات سن کر تو تعجب

سے) بولی: اے اللہ! میرے اولاد کیسے ہو جائے گی جبکہ مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا!''

﴿قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ﴾ ''فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ تخلیق فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔''

وہ اپنے بنائے ہوئے قوانینِ فطرت کا پابند نہیں ہے۔ اگرچہ عام ولادت اسی طرح ہوتی ہے کہ اس میں باپ کا بھی حصہ ہوتا ہے اور ماں کا بھی' لیکن اللہ تعالیٰ ان اسباب اور وسائل و ذرائع کا محتاج نہیں ہے' وہ جیسے چاہے پیدا کرتا ہے۔

﴿اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾﴾ ''وہ تو جب کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

آیت ۴۸ ﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس کو سکھائے گا کتاب اور حکمت بھی اور تورات اور انجیل بھی۔''

یہاں پر چار چیزوں کا ذکر آیا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو تعلیم دی: کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل۔ ان چار چیزوں کے مابین جو تین ''وٗ'' آئے ہیں ان میں سے دو واوِ عطف ہیں' جبکہ درمیانی ''وٗ'' واوِ تفسیر ہے۔ اس طرح آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ''اللہ ان کو سکھائے گا کتاب اور حکمت یعنی تورات اور انجیل''۔ اس لیے کہ تورات میں صرف احکام تھے' حکمت نہیں تھی اور انجیل میں صرف حکمت ہے' احکام نہیں ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کو سمجھ لینے سے یہ گتھی حل ہوتی ہے اور اسے سمجھے بغیر لوگوں کے ذہنوں میں اُلجھنیں رہتی ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ﴾ ''اور اُس کو رسول بنا کر بھیجے گا بنی اسرائیل کی طرف''

اب یہ جو دو بیک وقت آنے والی (contemporary) اصطلاحات ہیں ان کو نوٹ کر لیجیے۔ حضرت یحییٰؑ کے بارے میں تمام توصیفی کلمات کے بعد آخری بات یہ فرمائی: ﴿نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''نبی ہوں گے صالحین میں سے''۔ جبکہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ﴾ یعنی بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آئیں گے۔ نبی اور رسول میں یہ فرق نوٹ کر لیجیے کہ حضرت یحییٰؑ صرف نبی تھے اس لیے وہ قتل بھی کر دیے گئے' جبکہ حضرت عیسیٰؑ رسول تھے اور رسول قتل نہیں ہو سکتے' اس لیے انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ یہ بہت اہم مضمون ہے۔ مطالعۂ قرآن حکیم کے دوران اس کے اور بھی حوالے آئیں گے۔

﴿اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ﴾ ''(چنانچہ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو دعوت دی) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں''

ابھی تک گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ساری خوشخبریاں دی گئیں۔ اب یوں سمجھئے کہ قصہ مختصر' ان کی ولادت ہوئی' وہ پلے بڑھے' یہ ساری تاریخ بیچ میں سے حذف کر کے نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ اب حضرت مسیحؑ نے اپنی دعوت کا آغاز کر دیا۔ آپؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔

﴿اَنِّىْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ﴾ ''کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی مانند صورت بناتا ہوں''

﴿فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ بن جاتا ہے اڑتا ہوا پرندہ اللہ کے حکم سے۔''

یہاں آپ نوٹ کرتے جائیے کہ ہر معجزے کے بعد ''بِاِذْنِ اللّٰهِ'' فرمایا۔ یعنی یہ میرا کوئی دعویٰ نہیں ہے' میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ کے حکم سے ہے۔

﴿وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ﴾ ''اور میں شفا دے دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو بھی اور کوڑھی کو بھی' اور میں مردے کو زندہ کر دیتا ہوں اللہ کے حکم سے۔''

﴿وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ؕ﴾ ''اور میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔''

﴿اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''یقیناً اُن تمام چیزوں میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔''

حضرت مسیحؑ نے اپنی رسالت کی صداقت اور دلیل کے طور پر یہ تمام معجزات پیش فرمائے۔

آیت ۵۰ ﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ ''اور میں تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں اس کی جو میرے سامنے موجود ہے تورات میں سے''

﴿وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ''اور (اس لیے آیا ہوں) تاکہ میں حلال ٹھہرا دوں تم پر ان میں سے بعض چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔''

یہ اصل میں ''سبت'' کے حکم کے بارے میں اشارہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض مذہبی مزاج کے لوگوں میں بڑی سختی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دین کے احکام میں غلو کرتے چلے جاتے ہیں' اسی طرح سبت کے حکم میں یہودیوں نے اس حد تک غلو کر لیا تھا کہ اس روز کسی مریض کے لیے دعا کرنا کہ اللہ اسے شفا دے دے' یہ بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ بھی دنیا کا کام ہے۔ چنانچہ وہ اس معاملے میں ایک انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے آ کر اس کی وضاحت کی کہ اس طرح کی چیزیں سبت کے تقاضوں میں شامل نہیں ہیں۔

﴿وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟﴾ ''اور میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔''

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾﴾ ''پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۵۱ ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ﴾ ''یقیناً اللہ ہی میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے' پس اُسی کی بندگی کرو۔''

﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ۝۵۱﴾ ''یہی سیدھا راستہ ہے۔''

یہی الفاظ سورۂ مریم (آیت ۳۶) میں بھی وارد ہوئے ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيۡسٰى مِنۡهُمُ الۡكُفۡرَ﴾ ''پس جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف سے کفر کو بھانپ لیا''

﴿قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ ''تو انہوں نے پکار لگائی کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟''

یہاں پھر درمیانی عرصے کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کو دعوت دیتے ہوئے حضرت مسیحؑ کو کئی سال بیت چکے تھے۔ اس دعوت سے جب علماءِ یہود کی مسندوں کو خطرہ لاحق ہو گیا اور ان کی چودھراہٹیں خطرے میں پڑ گئیں تو انہوں نے حضرت مسیحؑ کی شدید مخالفت کی۔ اُس وقت تک یہودیوں پر ان کے علماء کا اثر ورسوخ بہت زیادہ تھا۔ جب آپؑ نے ان کی طرف سے کفر کی شدت کو محسوس کیا کہ اب یہ ضد اور مخالفت پر تل گئے ہیں۔ تو آپؑ نے ایک پکار لگائی' ایک ندا دی' ایک دعوتِ عام دی کہ کون ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہیں؟ یعنی اب جو کشاکش ہونے والی ہے' جو تصادم ہونے والا ہے اس میں ایک ''حزب اللہ'' بنے گی اور ایک ''حزب الشیطان'' ہو گی۔ اب کون ہے جو میرا مددگار ہو اللہ کی راہ میں اس جدوجہد اور کشاکش میں؟ دین کا کام کرنے کے لیے یہی اصل اساس ہے۔ اسی بنیاد پر کوئی شخص اٹھے کہ میں دین کا کام کرنا چاہتا ہوں' کون ہے کہ جو میرا ساتھ دے؟ یہ جماعت سازی کا ایک بالکل طبعی طریقہ ہوتا ہے۔ ایک داعی اٹھتا ہے اور اُس داعی پر اعتماد کرنے والے اُس سے اتفاق کرنے والے لوگ اس کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ ذاتی اعتبار سے اُس کے ساتھی نہیں ہوتے' اس کی حکومت اور سرداری قائم کرنے کے لیے نہیں' بلکہ اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لیے اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

﴿قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ﴾ ''کہا حواریوں نے کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!''

''حواری'' کے اصل معنی دھوبی کے ہیں جو کپڑے کو دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ یہ لفظ پھر آگے بڑھ کر اپنے اخلاق اور کردار کو صاف کرنے والوں کے لیے استعمال ہونے لگا۔ حضرت مسیحؑ کی تبلیغ زیادہ تر گلیلی جھیل کے کناروں پر ہوتی تھی' جو سمندر کی طرح بہت بڑی جھیل ہے۔ آپؑ کبھی وہاں کپڑے دھونے والے دھوبیوں میں تبلیغ کرتے تھے اور کبھی مچھلیاں پکڑنے والے مچھیروں کو دعوت دیتے تھے۔ آپؑ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے مچھلیوں کا شکار کرنے والو! آؤ' میں تمہیں انسانوں کا شکار کرنا سکھاؤں''۔ آپؑ نے دھوبیوں میں تبلیغ کی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ ہم آپ کی جدوجہد میں اللہ کے مددگار بننے کو تیار ہیں۔ یہ آپؑ کے اوّلین ساتھی تھے جو ''حواری'' کہلاتے تھے۔ اس طرح حواری کا لفظ ساتھی کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ''ہم ایمان لائے اللہ پر۔''

﴿وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ۝۵۲﴾ ''اور آپؑ بھی گواہ رہیے گا کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں''۔

آیت ۵۳ ﴿رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ﴾ ''اے ربّ ہمارے! ہم ایمان لے آئے اُس پر جو تو نے نازل فرمایا''

﴿وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ﴾ ''اور ہم اتباع کر رہے ہیں تیرے رسول کا''

﴿فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ۝۵۳﴾ ''پس تو ہمارا نام گواہوں میں لکھ لے۔''

یہی لفظ ''گواہ'' اب عیسائیوں کے ایک خاص فرقے کی طرف سے (Jehova's Witnesses) اختیار کیا گیا ہے۔ لفظ یھوہ (Jehova) عبرانی میں خدا کے لیے آتا ہے۔ یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو ''خدا کے گواہ'' کہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا﴾ (اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو''۔ تو یہ لفظ ''شاہد'' (گواہ) قدیم ہے اور اسلامی حکمت اور اسلام کی مصطلحات میں اس کی ایک حیثیت ہے۔

آیت ۵۴ ﴿وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ ''اب انہوں نے بھی چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی۔''

یہود کے علماء اور فریسی حضرت مسیحؑ کے خلاف مختلف چالیں چل رہے تھے کہ کسی طرح یہ قانون کی گرفت میں آجائیں اور ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے آنجنابؑ کو مرتد اور واجب القتل قرار دے دیا تھا' لیکن ملک پر سیاسی اقتدار چونکہ رومیوں کا تھا لہٰذا رومی گورنر کی توثیق (sanction) کے بغیر کسی کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی تھی۔ ملک کا بادشاہ اگرچہ ایک یہودی تھا لیکن اس کی حیثیت کٹھ پتلی بادشاہ کی تھی' جیسے انگریزی حکومت کے تحت مصر کے شاہ فاروق ہوتے تھے۔ یہود کی مذہبی عدالتیں موجود تھیں جہاں ان کے علماء' مفتی اور فریسی بیٹھ کر فیصلے کرتے تھے' اور اگر وہ سزائے موت کا فیصلہ دے دیتے تھے تو اس فیصلے کی تنفیذ (execution) رومی گورنر کے ذریعے ہوتی تھی۔ اس صورت حال میں علماءِ یہود کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ حضرت مسیحؑ کو رومی قانون کی زد میں لانے کے لیے اپنی سی چالیں چل رہے تھے۔ وہ آنجنابؑ سے اس طرح کے الٹے سیدھے سوالات کرتے کہ آپؑ کے جوابات سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ یہ شخص رومی حکومت کا باغی ہے۔

یہود کی ان چالوں کا توڑ کرنے کے لیے اللہ نے اپنی چال چلی۔ اب اللہ کی چال کیا تھی؟ اس کی تفصیل قرآن یا حدیث میں نہیں ہے' بلکہ ''انجیل برنباس'' میں ہے جو پوپ کی لائبریری سے برآمد ہوئی تھی۔ حضرت مسیحؑ کے حواریوں میں سے ایک حواری یہودا کو یہود نے رشوت دے کر اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ آپؑ کی مخبری کر کے گرفتار کرائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی غدار حواری کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بدل دی اور وہ خود گرفتار ہو کر سولی چڑھ گیا۔ حضرت مسیحؑ پر وہ ہاتھ ڈال ہی نہیں سکے۔ حضرت مسیحؑ ایک باغ میں روپوش تھے اور باغ کے اندر بنی ہوئی ایک کوٹھڑی میں رات کے وقت عبادت میں مشغول تھے' جبکہ

آپؑ کے بارہ حواری باہر موجود تھے۔ اُس وقت وہ شخص وہاں سے چپکے سے سٹک گیا اور جا کر سپاہیوں کو لے آیا تا کہ آپؑ کو گرفتار کرا سکے۔ یہ رومی سپاہی تھے اور قندیلیں لے کر آئے تھے۔ اُس نے سپاہیوں سے کہا تھا کہ میں اندر جاؤں گا' جس شخص کو میں کہوں "اے ہمارے استاذ' بس اسی کو پکڑ لینا' وہی مسیحؑ ہیں۔ اس لیے کہ رومیوں کو کیا پتا تھا کہ مسیحؑ کون ہیں؟ یہ شخص جیسے ہی کوٹھڑی کے اندر داخل ہوا اُسی وقت کوٹھڑی کی چھت پھٹی اور چار فرشتے نازل ہوئے' جو حضرت مسیحؑ کو لے کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی شکل تبدیل کر دی اور حضرت مسیحؑ والی شکل بنا دی۔ اب یہ گھبرا کر باہر نکلا تو دوسرے حواریوں نے اُس سے کہا "اے ہمارے استاد!" یہ سنتے ہی سپاہیوں نے اسے قابو کر لیا اور اصل میں یہی شخص سولی چڑھا ہے' نہ کہ حضرت مسیحؑ ۔ یہ ساری تفاصیل انجیل برنباس میں موجود ہیں۔ یہ شہادت درحقیقت نصاریٰ ہی کے گھر سے ہمیں ملی ہے اور قرآن کا جو بیان ہے اس میں یہ پوری طرح فٹ بیٹھتی ہے کہ "انہوں نے اپنی سی چالیں چلیں اور اللہ نے اپنی چال چلی"۔

﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾﴾ "اور اللہ تعالیٰ بہترین چال چلنے والا ہے۔"

آیات ۵۵ تا ۶۳

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾﴾

آیت ۵۵ ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ "یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ اب میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں"

لفظ "مُتَوَفِّيْكَ" کو قادیانیوں نے اپنے اس غلط عقیدے کے لیے بہت بڑی بنیاد بنایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی وفات ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ وَفٰی کے معنی ہیں پورا کرنا۔ اردو میں بھی کہا جاتا ہے وعدہ وفا کرو۔ اسی سے باب تفعیل میں وَفّٰى . يُوَفِّىْ . تَوْفِيَةً کا مطلب ہے کسی کو پورا دینا۔ جیسا کہ آیت ۲۵ میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾﴾ "تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں! اور ہر جان کو پورا پورا بدلہ اس کے اعمال کا دے دیا جائے گا اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی"۔ باب تفعّل میں تَوَفّٰى. يَتَوَفّٰى کا معنی ہوگا کسی کو پورا پورا لے لینا۔ اور یہ لفظ گویا بتمام وکمال منطبق ہوتا ہے حضرت مسیحؑ پر کہ جن کو اللہ تعالیٰ ان کے جسم اور جان سمیت دُنیا سے لے گیا۔ ہم جب کہتے ہیں کہ کوئی شخص وفات پا گیا تو یہ استعارتاً کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کا جسم تو یہیں رہ گیا صرف جان گئی ہے۔ اور یہی لفظ قرآن میں نیند کے لیے بھی آیا ہے: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا ۚ﴾ (الزمر:٤٢) "وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اُس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے"۔ اس لیے کہ نیند میں بھی انسان سے خود شعوری نکل جاتی ہے' اگرچہ وہ زندہ ہوتا ہے۔ روح کا تعلق خود شعوری کے ساتھ ہے۔ پھر جب انسان مرتا ہے تو روح اور جان دونوں چلی جاتی ہیں اور صرف جسم رہ جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان دونوں حالتوں (نیند اور موت) کے لیے تَوَفّی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور سب سے زیادہ مکمل تَوَفّی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو ان کے جسم' جان اور روح تینوں سمیت' جوں کا توں' زندہ سلامت لے گیا۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کا یہ عقیدہ مسلمانوں کا ہے' اور جہاں تک لفظ "تَوَفّی" کا تعلق ہے اُس میں قطعاً کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں ہے جس سے کوئی شخص آپؑ کی موت کی دلیل پکڑ سکے' سوائے اس کے کہ ان لوگوں کو بہکانا آسان ہے جنہیں عربی زبان کی گرامر سے واقفیت نہیں ہے اور وہ ایک ہی وفات جانتے ہیں' جبکہ ازروئے قرآن تین قسم کی "وفات" ثابت ہوتی ہے' جس کی میں نے وضاحت کی ہے۔ آیت زیر مطالعہ کے متذکرہ بالا ٹکڑے کا ترجمہ پھر کر لیجیے: "یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں"۔

﴿وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ "اور تمہیں پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں سے جنہوں نے (تمہارے ساتھ) کفر کیا ہے"

﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ﴾ "اور غالب کرنے والا ہوں ان لوگوں کو جو تمہاری پیروی کریں گے قیامت تک ان لوگوں پر جو تمہارا انکار کر رہے ہیں۔"

یہود جنہوں نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا تھا اُس وقت سے لے کر موجودہ زمانے تک حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں سے مار کھاتے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ ۳۰ء یا ۳۳ء میں آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے اور اس کے بعد سے یہود پر عیسائیوں کے ہاتھوں مسلسل عذاب کے کوڑے برستے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کے چالیس برس بعد ۷۰ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں ہیکل سلیمانی مسمار ہوا اور یروشلم میں ایک لاکھ بیس ہزار یا ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودی ایک دن میں قتل کیے گئے۔ گویا دو ہزار برس ہونے کو ہیں کہ ان کا کعبہ گرا پڑا ہے۔ اس کی صرف ایک دیوار (دیوارِ گریہ) باقی ہے جس پر جا کر یہ رو دھو لیتے ہیں۔

ہیکل سلیمانی اوّلاً بخت نصر نے چھٹی صدی قبل مسیح میں مسمار کیا تھا اور پورے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اُس

نے لاکھوں یہودی تہ تیغ کر دیے تھے اور لاکھوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا۔ یہ ان کا اسارت (Captivity) کا دور کہلاتا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں یہ فلسطین واپس آئے تھے اور ''معبد ثانی'' تعمیر کیا تھا' جو ۷۰ء میں منہدم کر دیا گیا اور انہیں فلسطین سے نکال دیا گیا۔ چنانچہ یہ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ کوئی روس' کوئی ہندوستان' کوئی مصر اور کوئی یورپ چلا گیا۔ اس طرح یہ پوری دنیا میں پھیل گئے۔ یہ ان کا دورِ انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب عیسائیوں نے ایک معاہدے کے تحت یروشلم مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کھلا شہر (open city) قرار دے دیا کہ یہاں مسلمان' عیسائی اور یہودی سب آ سکتے ہیں۔ اس طرح ان کی یروشلم میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ البتہ عیسائیوں نے اس معاہدے میں یہ شرط لکھوائی تھی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے یا جائیداد خریدنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے خلافت عثمانیہ کے دور تک اس معاہدے پر عمل درآمد ہوتا رہا اور یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہودیوں نے عثمانی خلفاء کو بڑی سے بڑی رشوتوں کی پیشکش کی' لیکن انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے سازشیں کیں اور خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کروا دیا۔ اس لیے کہ انہیں یہ نظر آتا تھا کہ اس خلافت کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں ہو گا کہ ہم کسی طرح بھی فلسطین میں دوبارہ آباد ہو سکیں۔ انہوں نے ۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر بالفور (Balfor) کے ذریعے ''بالفور ڈیکلریشن'' منظور کرایا' جس میں ان کو یہ حق دیا گیا کہ وہ فلسطین میں آ کر جائیداد بھی خرید سکتے ہیں اور آباد بھی ہو سکتے ہیں۔ اس ڈیکلریشن کی منظوری کے ۳۱ برس بعد اسرائیل کی ریاست وجود میں آ گئی۔ یہ تاریخ ذہن میں رہنی چاہیے۔

اب ایک طرح سے محسوس ہوتا ہے کہ یہودی دنیا بھر میں سیاست اور اقتدار پر چھائے ہوئے ہیں' تعداد میں ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہونے کے باوجود اس وقت دنیا کی معیشت کا بڑا حصہ ان کے کنٹرول میں ہے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ عیسائیوں کی پشت پناہی کی وجہ سے ہے۔ اگر عیسائی ان کی مدد نہ کریں تو عرب ایک دن میں ان کے ٹکڑے اڑا کر رکھ دیں۔ اِس وقت پوری امریکی حکومت ان کی پشت پر ہے' بلکہ White Anglo Saxon Protestants یعنی امریکہ اور برطانیہ تو گویا ان کے زر خرید ہیں۔ دوسرے عیسائی ممالک بھی ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ بہرحال اب بھی صورت حال یہ ہے کہ اوپر تو عیسائی ہی ہیں اور یہ معنوی طور پر سازشی انداز میں نیچے سے انہیں کنٹرول کر رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ فِیۡمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہو گا اور میں فیصلہ کر دوں گا تمہارے مابین ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کر رہے تھے''۔

آیت ۵۶ ﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۫﴾ ''تو وہ لوگ جو کفر کی روش اختیار کریں گے میں انہیں عذاب دوں گا بہت سخت عذاب دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی''۔

﴿وَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مددگار''۔

آیت ۵۷ ﴿وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے''

﴿فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ﴾ ''تو وہ ان کو ان کا پورا اجر دے گا''۔

دیکھئے یہاں پھر وفیّ یُوَفِّی آیا ہے۔ یعنی پورا پورا دے دینا۔

﴿وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا''۔

آیت ۵۸ ﴿ذٰلِکَ نَتۡلُوۡہُ عَلَیۡکَ مِنَ الۡاٰیٰتِ وَ الذِّکۡرِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۵۸﴾﴾ ''یہ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیاتِ الٰہیہ اور پُر حکمت یاددہانی میں سے''۔

یہاں بھی گویا پس منظر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ کی آیات اور ذکر حکیم نبی اکرم ﷺ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

آیت ۵۹ ﴿اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ﴾ ''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی سی ہے''۔

﴿خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾﴾ ''اُس کو مٹی سے بنایا پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا''۔

قرآن مجید کی یہ آیت ان لوگوں کے حق میں دلیل ہے جو حضرت آدمؑ کی خصوصی تخلیق (special creation) کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت آدمؑ کا چناؤ ارتقاء (evolution) کے نتیجے میں کسی نوع (species) کے وجود میں آنے کے بعد اس کے ایک فرد کی حیثیت سے نہیں ہوا بلکہ براہِ راست مٹی سے تخلیق کیے گئے۔ تخلیق آدمؑ کے ضمن میں یہ دونوں نظریے ملتے ہیں اور دونوں کے بارے میں دلائل بھی موجود ہیں۔ ابھی یہ کوئی طے شدہ حقائق نہیں ہیں۔ ہم غور و فکر کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کے کس مقام پر کس نظریے کے لیے کوئی تائید یا توثیق ملتی ہے۔ یہاں فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک تو عیسیٰؑ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے آدمؑ کی۔ اسے مٹی سے بنایا اور کہا ہو جا تو وہ ہو گیا''۔ تو اب اگر آدمؑ کا معاملہ خصوصی تخلیق کا ہے کہ بغیر باپ کے اور بغیر ماں کے پیدا ہو گئے تو کیا وہ ''الٰہ'' بن گئے؟ ان کا خالق تو اللہ ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو خدا کیسے بن گئے؟ ان کی والدہ کو حمل ہوا ہے' نو مہینے ماں کے پیٹ میں رہے ہیں' پھر ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ تو تخلیق میں ان کا معاملہ اعجاز کے اعتبار سے حضرت آدمؑ سے تو کم ہی رہا ہے۔ اور اس سے کم تر معاملہ حضرت یحییٰؑ کا ہے کہ انتہائی بڑھاپے کو پہنچے ہوئے حضرت زکریاؑ اور ان کی اہلیہ جو ساری عمر بانجھ رہیں' اللہ نے ان کو اولاد دے دی۔ تو یہ سارے معجزات ہیں' اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ اس میں کسی کی الوہیت کی دلیل نہیں نکلتی۔

آیت ۶۰ ﴿اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۶۰﴾﴾ ''یہ حق ہے آپؐ کے ربّ کی طرف سے' تو ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں میں سے''۔

یعنی حضرت مسیحؑ کے بارے میں اصل حقیقت یہی ہے جو قرآن نے واضح کر دی ہے' باقی سب نصاریٰ کی افسانہ طرازی ہے۔ اور یہ جو فرمایا: ﴿فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۶۰﴾﴾ اس میں خطاب بظاہر رسول اللہ ﷺ سے ہے مگر روئے سخن مخاطبین سے

ہے۔

آیت ۶۱ ﴿فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ''تو (اے نبیﷺ) جو بھی اس معاملے میں آپؐ سے حجت بازی کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آ چکا ہے''

آپؐ کے پاس تو ''العلم'' آ چکا ہے' آپؐ جو بات کہہ رہے ہیں علیٰ وجہ البصیرۃ کہہ رہے ہیں۔ اس ساری وضاحت کے بعد بھی اگر نصاریٰ آپؐ سے حجت بازی کر رہے ہیں اور بحث ومناظرہ سے کنارہ کش ہونے کو تیار نہیں ہیں تو ان کو آخری چیلنج دے دیجیے کہ یہ آپؐ کے ساتھ ''مباہلہ'' کر لیں۔ نجران سے نصاریٰ کا جو ۷۰ افراد پر مشتمل وفد ابوحارثہ اور ابن علقمہ جیسے بڑے بڑے پادریوں کی سرکردگی میں مدینہ آیا تھا' اس سے دعوت وتبلیغ اور تذکیر وتفہیم کا معاملہ کئی دن تک چلتا رہا اور پھر آخر میں رسول اللہﷺ سے کہا گیا کہ اگر یہ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہیں ہوتے تو انہیں مباہلے کی دعوت دے دیجیے۔

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ﴾ ''پس آپ ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ' ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلاؤ اپنے بیٹوں کو''

﴿وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ﴾ ''اور ہم (بلا لیتے ہیں) اپنی عورتوں کو اور تم (بلاؤ) اپنی عورتوں کو''

﴿وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ﴾ ''اور ہم بھی آ جاتے ہیں اور تم بھی آ جاؤ!''

﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ''پھر ہم سب مل کر دعا کریں اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔''

ہم سب جمع ہو کر اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں اور کہیں کہ اے اللہ! جو ہم میں سے جھوٹا ہو' اس پر لعنت کر دے۔ یہ مباہلہ ہے۔ اور یہ مباہلہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ احقاقِ حق ہو چکے' بات پوری واضح کر دی جائے۔ آپ کو یقین ہو کہ میرا مخاطب بات پوری طرح سمجھ گیا ہے' صرف ضد پر اڑا ہوا ہے۔ اس وقت پھر یہ مباہلہ آخری شے ہوتی ہے تاکہ حق کا حق ہونا ظاہر ہو جائے۔ اگر تو مخالف کو اپنے موقف کی صداقت کا یقین ہے تو وہ مباہلہ کا چیلنج قبول کر لے گا' اور اگر اس کے دل میں چور ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق بات تو یہی ہے جو واضح ہو چکی ہے تو پھر وہ مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ مباہلہ کی دعوت سن کر وفد نجران نے مہلت مانگی کہ ہم مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ مجلس مشاورت میں ان کے بڑوں نے ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے کہا: ''اے گروہِ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمدؐ نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیحؑ کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں۔ پس ایک نبی سے مباہلہ وملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذابِ الٰہی سے نہ بچے اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں' کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

آیت ۶۲ ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ﴾ ''یقیناً یہی بالکل صحیح سرگزشت ہے۔''

﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ''اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔''

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۶۲﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی زبردست اور کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ''پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مفسدوں کو۔''

یہاں آ کر اس سورۂ مبارکہ کے نصف اول کا پہلا اور دوسرا حصہ مکمل ہو گیا' جو ۳۲+۳۱=۶۳ آیات پر مشتمل ہے۔

آیات ۶۴ تا ۷۱

﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا کَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَکُمْ ؕ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾

سورۂ آل عمران کے نصف اوّل کا تیسرا حصہ ۳۸ آیات (۶۴ تا ۱۰۱) پر مشتمل ہے اور یہ سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے تیسرے حصے (رکوع ۱۵ تا ۱۸) سے بہت مشابہ ہے جن میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر' بیت اللہ کا ذکر' اہل کتاب کو دعوتِ ایمان اور تحویل قبلہ کا حکم ہے۔ کم وبیش وہی کیفیت یہاں ملتی ہے۔ فرمایا:

آیت ۶۴ ﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ﴾ ''(اے نبیﷺ) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان بالکل برابر ہے''

یہاں ''اہل کتاب'' کے صیغۂ خطاب میں یہود ونصاریٰ دونوں کو جمع کر لیا گیا' جبکہ سورۃ البقرۃ میں ''یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ''

کے صیغۂ خطاب میں زیادہ تر گفتگو یہود سے تھی۔ یہاں ابھی تک حضرت عیسٰی علیہ السلام کا تذکرہ تھا اور گویا صرف نصرانیوں سے خطاب تھا‘ اب اہل کتاب دونوں کے دونوں مخاطب ہیں کہ ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین یکساں مشترک اور متفق علیہ ہے۔ وہ کیا ہے؟

﴿اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ﴾ ”کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں“

﴿وَلَا نُشۡرِکَ بِہٖ شَیۡئًا﴾ ”اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں“

﴿وَّلَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ﴾ ”اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا ربّ ٹھہرائے۔“

یہود و نصاریٰ نے اپنے اَحبار و رُہبان کا یہ اختیار تسلیم کر لیا تھا کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام ٹھہرادیں۔ یہ گویا ان کو ربّ مان لینے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ سورۃ التوبۃ میں فرمایا گیا: ﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَہُمۡ وَرُہۡبَانَہُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ (آیت ۳۱)۔ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے عیسائی تھے) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قرآن کہتا ہے: ”انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا اپنا ربّ بنا لیا“۔ حالانکہ ہم نے تو انہیں ربّ کا درجہ نہیں دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا اِنَّہُمۡ لَمۡ یَکُوۡنُوۡا یَعۡبُدُوۡنَہُمۡ وَلٰکِنَّہُمۡ اِذَا اَحَلُّوۡا لَہُمۡ شَیۡئًا اسۡتَحَلُّوۡہُ وَاِذَا حَرَّمُوۡا عَلَیۡہِمۡ شَیۡئًا حَرَّمُوۡہُ)) (۱)

”وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے‘ لیکن جب وہ ان کے لیے کسی شے کو حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ کسی شے کو حرام قرار دے دیتے تو وہ اسے حرام مان لیتے۔“

چنانچہ حلت و حرمت کا اختیار صرف اللہ کا ہے‘ اور جو کوئی اس حق کو اختیار کرتا ہے وہ گویا ربّ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اب یہ ساری قانون سازی جو شریعت کے خلاف کی جارہی ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے ان لوگوں کی جانب سے خدائی کا دعویٰ ہے جو ان قانون ساز اداروں میں بیٹھے ہوئے ہیں‘ اور جو وہاں پہنچنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں اور اس کے لیے کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اگر تو پہلے سے یہ طے ہو جائے کہ کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی تو پھر آپ جایئے اور وہاں جا کر قرآن و سنت کے دائرے کے اندر اندر قانون سازی کیجیے۔ لیکن اگر یہ تحدید نہیں ہے اور محض اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی ہو رہی ہے تو یہ شرک ہے۔

اہل کتاب سے کہا گیا کہ توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک عقیدہ ہے۔ اس طرح انہیں غور و فکر کی دعوت دی گئی کہ وہ موازنہ کریں کہ اس قدرِ مشترک کے معیار پر اسلام پورا اترتا ہے یا یہودیت اور نصرانیت؟

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡہَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾﴾ ”پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے مسلمانو!) تم کہو آپ لوگ گواہ رہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں۔“

ہم نے تو اللہ کی اطاعت قبول کر لی ہے اور ہم متذکرہ بالا تینوں باتوں پر قائم رہیں گے۔ آپ کو اگر یہ پسند نہیں تو آپ کی مرضی!

آیت ۶۵ ﴿یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىۃُ وَالۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ﴾ ”اے کتاب والو! تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل نہیں نازل کی گئیں مگر اُس کے بعد؟“

یہ بات تم بھی جانتے اور مانتے ہو کہ تورات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اور انجیل بھی۔ یہودیت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کی پیداوار ہے اور نصرانیت بھی۔ وہ تو مسلمان تھے‘ اللہ کے فرماں بردار تھے‘ یہودی یا نصرانی تو نہیں تھے!

﴿اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾﴾ ”تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟“

آیت ۶۶ ﴿ہٰۤاَنۡتُمۡ ہٰۤؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِیۡمَا لَکُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ﴾ ”دیکھو تم لوگ اب تک جو بھی بحث مباحثہ کرتے رہے ہو وہ ان چیزوں کے بارے میں ہے جن کا تمہیں کچھ علم ہے“

﴿فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡمَا لَیۡسَ لَکُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ﴾ ”تو اب تم ایسی چیزوں کے ضمن میں حجت بازی کیوں کرتے ہو جن کے بارے میں تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں؟“

ان چیزوں کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں‘ کوئی علمی بنیاد نہیں۔

﴿وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾﴾ ”اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آیت ۶۷ ﴿مَا کَانَ اِبۡرٰہِیۡمُ یَہُوۡدِیًّا وَّلَا نَصۡرَانِیًّا﴾ ”(تمہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی“

﴿وَّلٰکِنۡ کَانَ حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ﴾ ”بلکہ وہ تو بالکل یکسو ہو کر اللہ کے فرماں بردار تھے۔“

﴿وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۶۷﴾﴾ ”اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے۔“

نزولِ قرآن کے وقت عربوں میں جو تین طبقات موجود تھے‘ یعنی مشرکینِ عرب‘ یہودی اور نصرانی‘ وہ تینوں اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرتے تھے۔ مشرکینِ عرب حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ہونے کی نسبت سے کہتے تھے کہ ہمارا رشتہ ابراہیمؑ سے ہے۔ اسی طرح یہودی اور نصرانی بھی ملت ابراہیمیؑ ہونے کے دعوے دار تھے۔ لیکن قرآن نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے‘ نہ نصرانی تھے اور نہ ہی مشرکین میں سے تھے‘ بلکہ مسلمان تھے۔

آیت ۶۸ ﴿اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰہِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ﴾ ”یقیناً ابراہیمؑ سے سب سے زیادہ قربت رکھنے والے

لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی‘‘

﴿وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾ ’’اور اب یہ نبی (حضرت محمد ﷺ) اور جو ان پر ایمان لائے (اس نسبت کے زیادہ حقدار ہیں)۔‘‘

﴿وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۸﴾﴾ ’’اور اللہ ان مؤمنوں کا ساتھی ہے۔‘‘

وہ اہل ایمان کا حامی و مددگار ہے‘ پشت پناہ ہے‘ حمایتی ہے۔

آیت ۶۹ ﴿وَدَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَکُمْ ؕ﴾ ’’اہل کتاب کا ایک گروہ آرزومند ہے کہ (اے مسلمانو!) تمہیں کسی طرح گمراہ کر دیں۔‘‘

﴿وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ’’اور وہ نہیں گمراہ کر سکیں گے مگر اپنے آپ کو‘ لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔‘‘

آیت ۷۰ ﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ’’اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہو جبکہ تم خود گواہ ہو؟‘‘

تم قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی حقانیت کے قائل ہو‘ ان کو پہچان چکے ہو‘ دل میں جان چکے ہو!

آیت ۷۱ ﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ’’اے اہل کتاب! تم کیوں حق کے اوپر باطل کا ملمع چڑھاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو جانتے بوجھتے؟‘‘

سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا تھا: ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ’’یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ‘‘ کے صیغۂ خطاب کے ساتھ ان آیات میں اُسی طرح کا داعیانہ انداز ہے جو سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں ہے۔

آیات ۷۲ تا ۸۰

﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْہَ النَّھَارِ وَاکْفُرُوْٓا
اٰخِرَہٗ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْھُدٰی ھُدَی اللّٰہِ لا اَنْ
یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْکُمْ عِنْدَ رَبِّکُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ ج یُؤْتِیْہِ مَنْ
یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَھْلِ
الْکِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّہٖٓ اِلَیْکَ ج وَمِنْھُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْہُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّہٖٓ اِلَیْکَ اِلَّا مَا
دُمْتَ عَلَیْہِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ج وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ
الْکَذِبَ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ
یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ
وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ ص وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْھُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ
اَلْسِنَتَھُمْ بِالْکِتٰبِ لِتَحْسَبُوْہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَمَا ھُوَ مِنَ الْکِتٰبِ ج وَیَقُوْلُوْنَ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَمَا
ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ج وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ
الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا
رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ
وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾﴾

آیت ۷۲ ﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْہَ النَّھَارِ وَاکْفُرُوْٓا اٰخِرَہٗ﴾ ’’اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ ان اہل ایمان پر جو چیز نازل کی گئی ہے‘ اس پر ایمان لاؤ صبح کے وقت اور اس کا انکار کر دو دِن کے آخر میں‘‘

﴿لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾﴾ ’’شاید (اس تدبیر سے) ان میں سے بھی کچھ پھر جائیں۔‘‘

یہاں یہود کی ایک بہت بڑی سازش کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کے ایک گروہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے مسلمانوں کے خلاف تیار کی تھی۔ اس سازش کا پس منظر یہ تھا کہ دنیا کے سامنے یہ بات آ چکی تھی کہ جو کوئی ایک مرتبہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا تھا وہ واپس نہیں آتا تھا‘ چاہے اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جائے‘ بھوکا پیاسا رکھا جائے‘ حتیٰ کہ جان سے مار دیا جائے۔ اس طرح اسلام کی ایک دھاک بیٹھ گئی تھی کہ اس کے اندر کوئی ایسی کشش‘ ایسی حقانیت اور ایسی مٹھاس ہے کہ آدمی ایک مرتبہ اسلام قبول کر لینے کے بعد بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہو جاتا ہے‘ لیکن اسلام سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔ اسلام کی یہ جو ساکھ بن گئی تھی اس کو توڑنے کا طریقہ انہوں نے یہ سوچا کہ ایسا کرو صبح کے وقت اعلان کرو کہ ہم ایمان لے آئے۔ سارا دن محمد (ﷺ) کی صحبت میں رہو اور شام کو کہہ دو ہم نے دیکھ لیا‘ یہاں کچھ نہیں ہے‘ یہ دُور کے ڈھول سہانے ہیں‘ ہم تو اپنے کفر میں واپس جا رہے ہیں‘ ہمیں یہاں سے کچھ نہیں ملا۔ اس سے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ تو سمجھیں گے کہ انہوں نے سازش کی ہو گی‘ لیکن یقیناً کچھ لوگ یہ بھی سمجھیں گے کہ بھئی بڑے متقی لوگ تھے‘ متلاشیانِ حق تھے‘ بڑے جذبے اور بڑی شان کے ساتھ انہوں نے کلمہ پڑھا تھا اور ایمان قبول کیا تھا‘ پھر سارا دن رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بیٹھے رہے ہیں‘ آخر انہوں نے کچھ نہ کچھ تو دیکھا ہی ہو گا جو واپس پلٹ گئے۔ اس انداز سے عام لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنا بہت آسان کام ہے۔ چنانچہ انہوں نے منافقانہ شرارت کی یہ سازش تیار کی۔ اسلام میں قتل مرتد کی سزا کا تعلق اسی سے جڑتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اس طرح کی سازشوں کا راستہ روکنے کے لیے یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ جو شخص ایمان لانے

کے بعد پھر کفر میں جائے گا تو قتل کر دیا جائے گا' کیونکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی (ideological) ریاست ہے' ایمان اور اسلام ہی تو اس کی بنیادیں ہیں۔ چنانچہ اس کی بنیادوں کو کمزور کرنے اور اس کی جڑوں کو کھودنے والی جو چیز بھی ہو سکتی ہے اس کا سدباب پوری قوت سے کرنا چاہیے۔

آیت ۷۳ ﴿وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ﴾ ''اور دیکھو کسی کی بات نہ ماننا مگر اُسی کی جو تمہارے دین کی پیروی کرے۔''

یعنی اس سازشی گروہ کو یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر ہم جا کر چند گھنٹے اللہ کے رسولﷺ کے پاس گزاریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے واقعی کسی کو انشراحِ صدر ہو جائے اور وہ دل سے ایمان لے آئے۔ لہٰذا وہ طے کر کے گئے کہ دیکھو ان پر ایمان نہیں لانا ہے' صرف ایمان کا اعلان کرنا ہے۔ قرآن مجید میں یہ شعوری نفاق کی مثال ہے۔ یعنی جو وقت انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کرنے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ گزارا اس میں وہ قانوناً تو مسلمان تھے' اگر اس دوران کوئی ان میں سے مر جاتا تو اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جاتی' لیکن خود انہیں معلوم تھا کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ یہ شعوری نفاق ہے' جبکہ ایک غیر شعوری نفاق ہے کہ اندر ایمان ختم ہو چکا ہوتا ہے مگر انسان سمجھتا ہے کہ میں تو مؤمن ہوں' حالانکہ اس کا کردار اور عمل منافقانہ ہے اور اس کے اندر سے ایمان کی پونجی ختم ہو چکی ہے' جیسے دیمک کسی شہتیر کو چٹ کر چکی ہوتی ہے لیکن اس کے اوپر ایک پردہ (veneer) بہرحال برقرار رہتا ہے۔ شعوری نفاق اور غیر شعوری نفاق کے اس فرق کو سمجھ لینا چاہیے۔

﴿قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ﴾ ''(اے نبیﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اصل ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے''

آگے یہود کے سازشی ٹولے کے قول کا تسلسل ہے کہ دیکھو ایمان مت لانا!

﴿اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ﴾ ''مبادا کسی کو وہ شے دے دی جائے جو تمہیں دی گئی تھی''

یعنی یہ رسالت و نبوت اور مذہبی پیشوائی تو ہماری میراث تھی' ہم اگر ان پر ایمان لے آئیں گے تو وہ چیز ہم سے ان کو منتقل ہو جائے گی۔ لہٰذا ماننا تو ہرگز نہیں ہے' لیکن کسی طرح سے ان کی ہوا اکھیڑنے کے لیے ہمیں یہ کام کرنا ہے۔

﴿اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ ''یا تمہارے خلاف حجت قائم کریں تمہارے پروردگار کے حضور۔''

﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ﴾ ''کہہ دیجیے کہ فضل تو کل کا کل اللہ کے ہاتھ میں ہے''

﴿يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔''

اُس نے دو ہزار برس تک تمہیں ایک منصب پر فائز رکھا' اب تم اس منصب کے نااہل ثابت ہو چکے ہو' لہٰذا تمہیں معزول کر دیا گیا ہے' اور اب ایک نئی اُمت (اُمتِ محمدﷺ) کو اس مقام پر فائز کر دیا گیا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۷۳﴾ ''اور اللہ بہت وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

آیت ۷۴ ﴿يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''وہ مختص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۷۴﴾ ''اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔''

اگلی آیت میں حکمتِ دعوت کے اعتبار سے بہت اہم نکتہ موجود ہے کہ بُرے سے بُرے گروہ کے اندر بھی کہیں نہ کہیں کوئی اچھے افراد لازماً ہوتے ہیں۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کا تذکرہ بھی کرتا رہے کہ ان میں اچھے لوگ بھی ہیں' تاکہ ایسے لوگوں کے دلوں کے اندر نرمی پیدا ہو۔ اسی طرح فرد کا معاملہ ہے کہ برے سے برے آدمی کے اندر کوئی اچھائی بھی موجود ہوتی ہے۔ آپ اگر اُسے حق کی دعوت دے رہے ہیں تو اس میں جو اچھائی ہے اس کو مانیے' تاکہ اسے معلوم ہو کہ اسے مجھ سے کوئی دشمنی نہیں ہے' میری جو بات واقعی اچھی ہے اس کو یہ تسلیم کر رہا ہے' لیکن جو بات غلط ہے اس کو ردّ کر رہا ہے۔ اس طرح اس کے دل میں کشادگی پیدا ہو گی اور وہ آپ کی بات سننے پر آمادہ ہو گا۔ فرمایا:

آیت ۷۵ ﴿وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ﴾ ''اور اہل کتاب میں سے ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس امانت رکھوا دو ڈھیروں مال تو وہ تمہیں پورا پورا واپس لوٹا دیں گے۔''

یعنی ان میں امانت دار لوگ بھی موجود ہیں۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ﴾ ''اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھوا دو تو وہ تمہیں واپس نہیں کریں گے''

﴿اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا﴾ ''مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو۔''

اگر تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ اور اس کو ادائیگی پر مجبور کر دو تب تو تمہاری امانت واپس کر دے گا' ورنہ نہیں دے گا۔ ان میں سے اکثر کا کردار تو یہی ہے' لیکن اہل کتاب میں سے جو تھوڑے بہت دیانت دار تھے ان کی اچھائی کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ بالفعل اس قسم کے کردار کے حامل لوگ عیسائیوں میں تو موجود تھے' یہودیوں میں نہ ہونے کے برابر تھے' لیکن ''اہل کتاب'' کے عنوان سے ان کا ذکر مشترک طور پر کر دیا گیا۔ آگے خاص طور پر یہود کا تذکرہ ہے کہ ان میں یہ بددیانتی' بے ایمانی اور خیانت کیوں آ گئی ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان اُمیین کے معاملے میں ہم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔''

یہودیوں کا یہ عقیدہ تورات میں نہیں ہے' لیکن ان کی اصل مذہبی کتاب کا درجہ تورات کی بجائے تالمود کو حاصل ہے۔ یوں سمجھئے کہ تورات تو ان کے لیے ''اُمّ الکتاب'' ہے' جبکہ ان کی ساری شریعت' قوانین وضوابط اور عبادات کی ساری تفاصیل تالمود میں ہیں۔ اور تالمود میں یہ بات موجود ہے کہ یہودی کے لیے یہودی سے جھوٹ بولنا حرام ہے' لیکن غیر یہودی سے جیسے

جاہو جھوٹ بولو۔ یہودی کے لیے کسی یہودی کا مال ہڑپ کرنا حرام اور ناجائز ہے‘ لیکن غیر یہودی کا مال جس طرح چاہو‘ دھوکہ‘ فریب اور بد دیانتی سے ہڑپ کرو۔ ہم پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک انسانیت کا شرف صرف یہودیوں کو حاصل ہے اور غیر یہودی انسان ہیں ہی نہیں‘ یہ اصل میں انسان نما حیوان (Goyems & Gentiles) ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانا ہمارا حق ہے‘ جیسا کہ گھوڑے کو تانگے میں جوتنا اور بیل کو ہل کے اندر جوت لینا انسان کا حق ہے۔ یہودی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان انسان نما حیوانوں سے ہم جس طرح چاہیں لوٹ کھسوٹ کا معاملہ کریں اور جس طرح چاہیں ان پر ظلم و ستم کریں‘ اس پر ہماری کوئی پکڑ نہیں ہو گی‘ کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔ امریکہ میں اس پر ایک مووی بھی بنائی گئی ہے : "The Other Side of Israel" یہ دستاویزی فلم وہاں کے عیسائیوں نے بنائی ہے اور اس میں ایک شخص نے ایک یہودی کتب خانے میں جا کر وہاں ان کی کتابیں نکال نکال کر ان کے حوالے سے یہودیوں کے نظریات کو واضح کیا ہے اور یہودیت کا اصل چہرہ دنیا کو دکھایا ہے۔ (اب اسی عنوان سے کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔)

﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾﴾ ”اور وہ جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں (کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی)۔“

آیت ۷۶ ﴿بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾﴾ ”کیوں نہیں! جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرے گا اور تقویٰ کی روش اختیار کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ کو اہل تقویٰ پسند ہیں۔“

آیت ۷۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو فروخت کرتے ہیں حقیر سی قیمت پر“

یعنی جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ہماری بات میں کچھ شک کر رہے ہیں تو خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں“

﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ﴾ ”اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا“

﴿وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ”اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن“

﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ ”اور نہ ان کو پاک کرے گا“

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾﴾ ”اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

یہ مضمون بھی تقریباً پورا سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۴) میں آ چکا ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ”اور ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو توڑتا مروڑتا ہے کتاب کو پڑھتے ہوئے تاکہ تم سمجھو کہ (جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں) وہ کتاب میں سے ہے‘ حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا۔“

علماءِ یہود الفاظ کو ذرا سا اِدھر سے اُدھر مروڑ کر اور معنی پیدا کر لیتے تھے۔ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ یہود سے کہا گیا ”حِطَّةٌ“ کہو تو ”حِنْطَةٌ“ کہنے لگے۔ یعنی بجائے اس کے کہ ”اے اللہ ہمارے گناہ جھاڑ دے“ انہوں نے کہنا شروع کر دیا ”ہمیں گیہوں دے“۔ انہیں تلقین کی گئی کہ تم کہو: ”سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا“ مگر انہوں نے کہا: ”سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا“۔ اسی طرح کا معاملہ وہ تورات کو پڑھتے ہوئے بھی کرتے تھے۔ جب وہ دیکھتے کہ جو سائل فتویٰ مانگنے آیا ہے اس کی پسند کچھ اور ہے جبکہ تورات کا حکم کچھ اور ہے تو وہ الفاظ کو توڑ مروڑ کر پڑھ دیتے کہ دیکھو یہ کتاب کے اندر موجود ہے‘ اور اس طرح سائل کو خوش کر کے اس سے کچھ رقم حاصل کر لیتے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے جبکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔“

ہم یہ مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۷۹) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾﴾ ”اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں جانتے بوجھتے۔“

آیت ۷۹ ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ ”کسی انسان کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب‘ حکمت اور نبوت عطا فرمائے“

﴿ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ”پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر“

یہ اب نصرانیوں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجے‘ پھر عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا‘ انہیں کتاب دی‘ حکمت دی‘ نبوت دی‘ معجزات دیے۔ اور اس کا تو کوئی امکان نہیں کہ وہؑ کہتے کہ مجھے اللہ کے سوا اپنا معبود بنا لو!

﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾﴾ ”بلکہ (وہ تو یہی دعوت دے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ اس وجہ سے کہ تم لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم خود بھی اس کو پڑھتے ہو۔“

کتابِ الٰہی کی تعلیم و تعلّم کا یہی تقاضا ہے۔ دین کا سیکھنا‘ سکھانا‘ قرآن کا پڑھنا پڑھانا اور حدیث و فقہ کا درس و تدریس اس لیے ہونا چاہیے کہ لوگوں کو اللہ والے بنایا جائے‘ نہ یہ کہ اپنے بندے بنا کر اور ان سے نذرانے وصول کر کے ان کا استحصال کیا جائے۔

آیت ۸۰ ﴿وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا﴾ ”اور نہ کبھی وہ تمہیں اس بات کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں کو اور انبیاء کو ربّ بنا لو۔“

مشرکین مکہ نے فرشتوں کو ربّ بنایا اور ان کے نام پر لات' منات اور عزیٰ جیسی مورتیاں بنالیں' جبکہ نصاریٰ نے اللہ کے نبی حضرت عیسٰیؑ کو اپنا ربّ بنالیا۔

﴿اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾﴾ ''تو کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا اس کے بعد کہ تم مسلم ہو چکے ہو؟''

اللہ کا وہ بندہ جسے اللہ نے کتاب' حکمت اور نبوت عطا کی ہو' کیا تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے جبکہ تم فرمانبرداری اختیار کر چکے ہو؟

آیات ۸۱ تا ۹۱

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا
اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا
وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ
وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ
مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ
مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَ
هُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ
وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾
اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ
اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ ؕ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۹۱﴾﴾

آیت ۸۱ ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ اللہ نے تمام انبیاء سے ایک عہد لیا تھا کہ''

﴿لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ﴾ ''جو کچھ بھی میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں' پھر تمہارے پاس آئے کوئی اور رسول جو تصدیق کرتا ہو اُس کی جو تمہارے پاس (پہلے سے) موجود ہے تو تمہیں لازماً اُس پر ایمان لانا ہوگا اور اُس کی مدد کرنی ہوگی۔''

اس لیے کہ انبیاء و رُسل کا ایک طویل سلسلہ چل رہا تھا' اور ہر نبی نے آئندہ آنے والے نبیؑ کی پیشین گوئی کی ہے اور اپنی اُمت کو اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے۔ اور یہ بھی ختم نبوت کے بارے میں بہت بڑی دلیل ہے کہ ایسی کسی شے کا ذکر قرآن یا حدیث میں نہیں ہے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے ایسا کوئی عہد لیا گیا ہو یا آپؐ نے اپنی اُمت کو کسی بعد میں آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو' بلکہ اس کے برعکس قرآن میں صراحت کے ساتھ آنحضور ﷺ کو خاتم النبیّین فرمایا گیا ہے اور متعدد احادیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضرت مسیحؑ محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت دے کر گئے ہیں اور دیگر انبیاء کی کتابوں میں بھی بشارتیں موجود ہیں۔ انجیل برنباس کا تو کوئی صفحہ خالی نہیں ہے جس میں آنحضور ﷺ کی بشارت نہ ہو' لیکن باقی انجیلوں میں سے یہ بشارتیں نکال دی گئی ہیں۔

﴿قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ؕ﴾ ''اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا ہے اور اس پر میری ڈالی ہوئی ذمہ داری قبول کرلی ہے؟''

﴿قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ﴾ ''انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا۔''

انبیاء و رُسل سے یہ عہد عالمِ ارواح میں لیا گیا۔ جس طرح تمام ارواحِ انسانیہ سے ''عہدِ الست'' لیا گیا تھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی﴾ اسی طرح جنہیں نبوت سے سرفراز ہونا تھا ان کی ارواح سے اللہ تعالیٰ نے یہ اضافی عہد لیا کہ میں تمہیں نبی بنا کر بھیجوں گا' تم اپنی اُمت کو یہ ہدایت کر کے جانا کہ تمہارے بعد جو نبی بھی آئے اُس پر ایمان لانا اور اس کی مدد اور نصرت کرنا۔

﴿قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا اب تم بھی گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔''

آیت ۸۲ ﴿فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾ ''تو جس نے بھی منہ موڑ لیا اس کے بعد تو یقیناً وہی لوگ سرکش (اور نا ہنجار) ہیں۔''

آیت ۸۳ ﴿اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ﴾ ''تو کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں؟''

﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾﴾ ''جبکہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے' چاہے خوشی سے اور چاہے مجبوراً' اور اُسی کی طرف ان سب کو لوٹا دیا جائے گا۔''

آیت ۸۴ ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا﴾ ’’کہیے ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا ہم پر‘‘
یاد رہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۶ میں تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ ’’اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر‘‘

﴿وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ﴾ ’’اور جو بھی موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور تمام انبیاءؑ کو دیا گیا ان کے ربّ کی طرف سے۔‘‘

﴿لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ ز وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾ ’’ہم ان میں سے کسی ایک کے مابین بھی کوئی تفریق نہیں کرتے، اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔‘‘

آیت ۸۵ ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ج﴾ ’’اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘

﴿وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾﴾ ’’اور پھر آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو کر رہے گا۔‘‘

آیت ۸۶ ﴿کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ﴾ ’’کیسے ہدایت دے گا اللہ ان لوگوں کو جو ایمان کے بعد کافر ہو گئے؟‘‘

یعنی ان کے دل ایمان لے آئے تھے، ان پر حقیقت منکشف ہو گئی تھی، لیکن دُنیوی مصلحتیں آڑے آ گئیں اور زبان سے انکار کر دیا۔ جیسے سورۃ النمل میں ہم پڑھیں گے: ﴿وَجَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ط﴾ (آیت ۱۴) ’’انہوں نے ظلم اور تکبر کے مارے ان معجزات کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کے قائل ہو چکے تھے‘‘۔

﴿وَشَھِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ﴾ ’’اور انہوں نے گواہی دی کہ یہ رسول حق ہیں‘‘

اہل کتاب جب آپس میں باتیں کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ واقعتاً نبی آخر الزمان ہیں جو ہماری کتابوں میں بیان کردہ پیشینگوئیوں کا مصداق ہیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ علقمہ کے دو بیٹے ابوحارثہ اور کرز جب نجران سے مدینہ منورہ چلے آ رہے تھے تو راستے میں کرز کے گھوڑے کو کہیں ٹھوکر لگی تو اس نے کہا: ’’تَعِسَ الْاَبْعَدُ‘‘ (ہلاک ہو جائے وہ دور والا یعنی جس کی طرف ہم جا رہے ہیں)۔ اس کا اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ اس پر اس کے بڑے بھائی ابوحارثہ نے کہا: ’’بَلْ تَعِسَتْ اُمُّکَ‘‘ (بلکہ تیری ماں ہلاک ہو جائے!) اس نے کہا میرے بھائی! تمہیں میری بات اس قدر بری کیوں لگی؟ ابوحارثہ نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً وہ وہی نبی اُمی ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔ کرز نے کہا: جب آپ یہ سب جانتے ہیں تو ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ ابوحارثہ کہنے لگا: ان بادشاہوں نے ہمیں بڑا مقام و مرتبہ عطا کر رکھا ہے، اگر ہم ایمان لے آئے تو وہ ہم سے یہ سب کچھ چھین لیں گے۔ یہ لوگ سلطنتِ روما کے تحت تھے اور انہیں مصر کی حکومت کی طرف سے بڑی مراعات حاصل تھیں، انہیں مال و دولت اور عزت و وجاہت حاصل تھی۔ ابھی یہ لوگ محمد عربی ﷺ سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے تو یہ حال تھا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں کئی روز گزارنے کے بعد مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کر کے واپس جاتے ہوئے انہیں کس قدر یقین حاصل ہو گیا ہو گا کہ یہی وہ نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کے وہ منتظر تھے۔ ان کے دل گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول برحق (ﷺ) ہیں۔

﴿وَّجَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ ط﴾ ’’اور ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں بھی آ چکی ہیں۔‘‘

﴿وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۶﴾﴾ ’’اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

آیت ۸۷ ﴿اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ اَنَّ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃَ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۷﴾﴾ ’’یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔‘‘

آیت ۸۸ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ج﴾ ’’اسی (لعنت) میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

﴿لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾﴾ ’’ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو کوئی مہلت ملے گی۔‘‘

یہ الفاظ بھی سورۃ البقرۃ (آیات ۱۶۱-۱۶۲) میں آ چکے ہیں۔

آیت ۸۹ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا قف﴾ ’’سوائے ان کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں‘‘

یعنی سچے دل سے ایمان لا کر عمل صالح کی روش پر گامزن ہو جائیں۔

﴿فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾﴾ ’’تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہے۔

آیت ۹۰ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا﴾ ’’بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد، پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے‘‘

یعنی حق کو پہچان لینے کے بعد، چاہے زبان سے مانا ہو یا نہ مانا ہو، پھر اگر وہ کفر کرتے ہیں یا زبان سے ماننے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں، اور پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

﴿لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ج﴾ ’’ان کی توبہ کبھی قبول نہیں ہو گی۔‘‘

﴿وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾﴾ ’’اور وہ تو یقیناً گمراہوں میں سے ہیں۔‘‘

آیت ۹۱ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اسی حال میں کہ وہ کافر تھے“

﴿فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِہِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَہَبًا وَّ لَوِ افۡتَدٰی بِہٖ ؕ﴾ ”تو ان میں سے کسی سے زمین کی مقدار کے برابر سونا بھی فدیے میں قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ پیش کر سکے۔“

ظاہر ہے کہ یہ محال ہے‘ ناممکن ہے‘ لیکن یہ بات سمجھانے کے لیے کہ وہاں پر کوئی فدیہ نہیں ہے فرمایا کہ اگر کوئی زمین کے حجم کے برابر سونا دے کر بھی چھوٹنا چاہے گا تو نہیں چھوٹ سکے گا۔ یہ وہی بات ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۴۸ اور آیت ۱۲۳ میں فرمائی گئی کہ اُس دن کسی سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔

﴿اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے دردناک عذاب ہے“

﴿وَّ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۹۱﴾﴾ ”اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مدد کرنے والے۔“

آیات ۹۲ تا ۱۰۱

﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾ کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىۃُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىۃِ فَاتۡلُوۡہَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ ۟ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۷﴾ قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾ قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ تَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا وَّ اَنۡتُمۡ شُہَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۹﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا فَرِیۡقًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ یَرُدُّوۡکُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ کٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلُہٗ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ہُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾

آیت ۹۲ ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ﴾ ”تم ہرگز نہیں پہنچ سکتے نیکی کے مقام کو جب تک کہ خرچ نہ کرو اس میں سے جو تمہیں پسند ہے۔“

آیۃ البر (البقرۃ:۱۷۷) کے ضمن میں اس آیت کا حوالہ بھی آیا تھا کہ نیکی کے مظاہر میں سے سب سے بڑی اور سب سے مقدم شے انسانی ہمدردی ہے‘ اور انسانی ہمدردی میں اپنا وہ مال خرچ کرنا مطلوب ہے جو خود اپنے آپ کو محبوب ہو۔ ایسا مال جو ردّی ہو‘ دل سے اُتر گیا ہو‘ بوسیدہ ہو گیا ہو وہ کسی کو دے کر سمجھا جائے کہ ہم نے حاتم طائی کی قبر پر لات مار دی ہے تو یہ بجائے خود حماقت ہے۔

﴿وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾﴾ ”اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔“

آیت ۹۳ ﴿کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ ”کھانے کی ساری چیزیں (جو شریعتِ محمدیؐ میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں“

﴿اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىۃُ ؕ﴾ ”سوائے ان چیزوں کے جنہیں اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے حرام ٹھہرا لیا تھا اپنی جان پر‘ اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو۔“

یہودی شریعتِ محمدیؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ اس میں بعض ایسی چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں جو شریعتِ موسویؑ میں حرام تھیں۔ مثلاً ان کے ہاں اونٹ کا گوشت حرام تھا‘ لیکن شریعتِ محمدیؐ میں یہ حرام نہیں ہے۔ اگر یہ بھی آسمانی شریعت ہے تو یہ تغیر کیسے ہو گیا؟ یہاں اس کی حقیقت بتائی جا رہی ہے کہ تورات کے نزول سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام نے طبعی کراہت یا کسی مرض کے باعث بعض چیزیں اپنے لیے ممنوع قرار دے لی تھیں جن میں اونٹ کا گوشت بھی شامل تھا۔ جیسے نبی اکرم ﷺ نے اپنی دو ازواج کی دلجوئی کی خاطر شہد نہ کھانے کی قسم کھا لی تھی‘ جس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِکَ ؕ﴾ (التحریم:۱) حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے بعد میں ان چیزوں کو حرام سمجھ لیا‘ اور یہ چیز ان کے ہاں رواج کے طور پر چلی آ رہی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان چیزوں کی حرمت تورات میں نازل نہیں ہوئی۔ کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو اسلام نے حلال کی ہیں وہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں‘ سوائے اُن چیزوں کے کہ جنہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی ذاتی ناپسند کے باعث اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا‘ اور یہ بات تورات کے نزول سے بہت پہلے کی ہے۔ اس لیے کہ حضرت یعقوبؑ میں اور نزولِ تورات میں چار پانچ سو سال کا فصل ہے۔

﴿قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىۃِ فَاتۡلُوۡہَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۳﴾﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے لاؤ تورات اور اس کو پڑھو اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو۔“

تورات کے اندر تو کہیں بھی اونٹ کے گوشت کی حرمت مذکور نہیں ہے۔

آیت ۹۴ ﴿فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴿۹۴﴾﴾ ''پس جو لوگ اس کے بعد بھی اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے رہیں تو یہی لوگ ظالم ہیں۔''

آیت ۹۵ ﴿قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ ۟﴾ ''کہہ دیجیے اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے''

﴿فَاتَّبِعُوۡا مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ﴾ ''پس پیروی کرو ملتِ ابراہیم کی جو یکسو تھے (یا یکسو ہو کر!)''

''حَنِیۡفًا'' ابراہیم کا حال ہے۔ اگر اسے ''اِتَّبِعُوْا'' کا حال (بمعنی حَنِیْفِیْنَ) مانا جائے تو دوسرا ترجمہ ہوگا۔ یعنی یکسو ہو کر' بعد کی تمام تقسیمات سے بلند تر ہو کر' ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو!

﴿وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴿۹۵﴾﴾ ''اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔''

آیت ۹۶ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ﴾ ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا (اللہ کی عبادت کے لیے) وہی ہے جو مکہ میں ہے''

''بَکَّۃ'' اور ''مَکَّۃ'' درحقیقت ایک ہی لفظ کے لیے دو تلفظ (pronunciations) ہیں۔

﴿مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴿۹۶﴾﴾ ''برکت والا ہے اور ہدایت کا مرکز ہے تمام جہان والوں کے لیے۔''

آیت ۹۷ ﴿فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ﴾ ''اس میں بڑی واضح نشانیاں ہیں' جیسے مقامِ ابراہیمؑ۔''

سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے آخری چار رکوعوں (۱۵'۱۶'۱۷'۱۸) میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر ہے' پھر باقی ساری گفتگو ہے''۔ یہاں سورۂ آلِ عمران کے نصفِ اوّل کے تیسرے حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا تذکرہ آخر میں آیا ہے۔ گویا مضامین وہی ہیں' ترتیب بدل گئی ہے۔

﴿وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ﴾ ''اور جو بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے امن میں آ جاتا ہے۔''

جاہلیت کے بدترین دور میں بھی بیت اللہ امن کا گہوارہ تھا۔ پورے عرب کے اندر خونریزی ہوتی تھی' لیکن حرمِ کعبہ میں اگر کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ لیتا تھا تو اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ حرم کی یہ روایات ہمیشہ سے رہی ہیں اور آج تک یہ اللہ کے فضل و کرم سے دارالامن ہے کہ وہاں پُرامن ہی امن ہے۔

﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ﴾ ''اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ حج کریں اُس کے گھر کا' جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے سفر کی۔''

﴿وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ﴿۹۷﴾﴾ ''اور جس نے کفر کیا تو (وہ جان لے کہ) اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے۔''

نوٹ کیجیے کہ یہاں لفظ ''کَفَرَ'' آیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ گویا کفر کرتا ہے۔

اگلی آیت میں اہل کتاب کو بڑے تیکھے اور جھنجوڑنے کے سے انداز میں مخاطب کیا جا رہا ہے' جیسے کسی پر نگاہیں گاڑ کر اس سے بات کی جائے۔

آیت ۹۸ ﴿قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ٭ۖ﴾ ''کہہ دیجیے اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہو؟''

﴿وَاللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا تَعۡمَلُوۡنَ﴿۹۸﴾﴾ ''جبکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۹۹ ﴿قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ﴾ ''کہہ دیجیے اے کتاب والو! تم کیوں روکتے ہو اللہ کے راستے سے اُس کو جو ایمان لے آتا ہے''

﴿تَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا﴾ ''تم اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہو''

تم چاہتے ہو کہ جو اہل ایمان ہیں وہ بھی ٹیڑھے راستے پر چلیں۔ چنانچہ تم سازشیں کرتے ہو کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تا کہ اہل ایمان کے دلوں میں بھی وسوسے اور دغدغے پیدا ہو جائیں۔

﴿وَّ اَنۡتُمۡ شُہَدَآءُ ؕ﴾ ''حالانکہ تم خود گواہ ہو!''

تم راہِ راست کو پہچانتے ہو اور جو کچھ کر رہے ہو جانتے بوجھتے کر رہے ہو۔

﴿وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ﴿۹۹﴾﴾ ''اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو۔''

لیکن ان تمام سازشوں کے جواب میں اہل ایمان سے فرمایا گیا ہے:

آیت ۱۰۰ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا فَرِیۡقًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ یَرُدُّوۡکُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ کٰفِرِیۡنَ﴿۱۰۰﴾﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات مان لوگے تو یہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی حالت میں لوٹا کر لے جائیں گے۔''

آیت ۱۰۱ ﴿وَکَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَفِیۡکُمۡ رَسُوۡلُہٗ ؕ﴾ ''اور (ذرا سوچو تو سہی) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم پھر کفر کرنے لگو جبکہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے اندر اُس کا رسول موجود ہے۔''

تمہارے درمیان محمد رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس تمہاری راہنمائی کے لیے موجود ہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مدینہ میں علماءِ یہود کا کتنا اثر تھا۔ اوس اور خزرج کے لوگ ان سے مرعوب

تھے کیونکہ یہ اَن پڑھ لوگ تھے‘ ان کے پاس کوئی کتاب‘ کوئی شریعت اور کوئی قانون نہیں تھا‘ جبکہ یہود صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت تھے‘ ان کے ہاں علماء تھے۔ لہٰذا اوس اور خزرج کے جو لوگ اسلام لے آئے تھے ان کے بارے میں اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں یہود کی ریشہ دوانیوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس قسم کے خطرے سے بچنے کی تدبیر بھی بتا دی گئی:

﴿وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾ ”اور جو کوئی اللہ سے چمٹ جائے اس کو تو ہدایت ہو گئی صراطِ مستقیم کی طرف۔“

جو کوئی اللہ کی پناہ میں آ جائے‘ اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لے اُسے تو ضرور صراطِ مستقیم کی ہدایت ملے گی اور وہ ضلالت و گمراہی کے خطرات سے محفوظ ہو جائے گا۔ جیسے شیر خوار بچے کو کوئی خطرہ محسوس ہو تو وہ دوڑ کر آئے گا اور اپنی ماں کے ساتھ چمٹ جائے گا۔ اب وہ یہ سمجھے گا کہ میں مضبوط قلعہ میں آ گیا ہوں‘ اب مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ نہیں جانتا کہ ماں بے چاری تمام خطرات سے اس کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ اسے کیا پتا کہ کب کوئی درندہ صفت انسان اسے ماں کی گود سے کھینچ کر اُچھالے اور کسی بلم یا نیزے کی اَنی میں پرو دے۔ بہر حال بچہ تو یہی سمجھتا ہے کہ اب میں ماں کی گود میں آ گیا ہوں تو محفوظ پناہ میں آ گیا ہوں۔ اللہ کا دامن واقعتاً محفوظ پناہ گاہ ہے‘ اور جو کوئی اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے وہ گمراہی کی ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جادۂ مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ!!

آیات ۱۰۲ تا ۱۰۹

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ
اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ
لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَ ھُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۵﴾ یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ ۚ
فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾
وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰہِ ؕ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا
عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِلَی
اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾﴾

اب سورۂ آل عمران کا نصفِ ثانی شروع ہو رہا ہے‘ جس کا پہلا حصہ دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے یہ مشابہت بھی نوٹ کر لی ہو گی کہ سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل میں بھی ایک مرتبہ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے خطاب تھا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ﴾ اسی طرح سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل میں بھی ایک آیت اوپر آ چکی ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ لیکن مسلمانوں سے اصل خطاب گیارہویں رکوع سے شروع ہو رہا ہے اور یہاں پر اصل میں اُمت کو ایک سہ نکاتی لائحہ عمل دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اُمت اب قیامت تک قائم رہنے والی ہے‘ اور اس میں زوال بھی آئے گا اور اللہ تعالیٰ اولوالعزم اور باہمت لوگوں کو بھی پیدا کرے گا‘ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ مجددینِ اُمت ہر صدی کے اندر اٹھتے رہے۔ لیکن جب بھی تجدیدِ دین کا کوئی کام ہو‘ دین کو از سرِ نو تر و تازہ کرنے کی کوشش ہو‘ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد ہو تو اُس کا ایک لائحہ عمل ہو گا۔ وہ لائحہ عمل سورۂ آل عمران کی ان تین آیات (۱۰۲‘۱۰۳‘۱۰۴) میں نہایت جامعیت کے ساتھ سامنے آیا ہے۔ یہ حسنِ اتفاق ہے کہ یہ بھی تین آیات ہیں جیسے سورۃ العصر کی تین آیات ہیں‘ جو نہایت جامع ہیں۔ ان آیات کے مضامین پر میری ایک کتاب بھی موجود ہے ”اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل“‘ اور اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس لائحہ عمل کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنا ہے تو سب سے پہلے افراد کی شخصیت سازی‘ کردار سازی کرنا ہو گی۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۱۰۲ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ ”اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے“

﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ”اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں۔“

قرآن مجید میں تقویٰ کی تلقین کے لیے یہ سب سے گاڑھی آیت ہے۔ اس پر صحابہؓ گھبرا گئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کے تقویٰ کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟ پھر جب سورۃ التغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (آیت ۱۶) ”اپنی امکانی حد تک اللہ کا تقویٰ اختیار کرو“ تب ان کی جان میں جان آئی۔ تقویٰ کے حکم کے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ”مت مرنا مگر حالتِ فرمانبرداری میں“۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی پتہ نہیں کس لمحے موت آ جائے‘ لہٰذا تمہارا کوئی لمحہ نافرمانی میں نہ گزرے‘ مبادا موت کا ہاتھ اسی وقت آ کر تمہیں دبوچ لے۔ اگر پہلے اس طرح کی شخصیتیں نہ بنی ہوں تو اجتماعی اصلاح کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے پہلے افراد کی کردار سازی پر زور دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایک اجتماعیت اختیار کرو۔

آیت ۱۰۳ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠﴾ ”اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو۔“

یاد رہے کہ اس سے پہلے آیت ۱۰۱ ان الفاظ پر ختم ہوئی ہے: ﴿وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾ ''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے چمٹ جائے (اللہ کی حفاظت میں آ جائے) اس کو تو ہدایت ہو گئی صراطِ مستقیم کی طرف''۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی یہ لفظ آیا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ﴾ ''اور اللہ سے چمٹ جاؤ!'' اب اللہ کی حفاظت میں کیسے آیا جائے؟ اللہ سے کیسے چمٹیں؟ اس کے لیے فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ﴾ کہ اللہ کی رسی سے چمٹ جاؤ' اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور یہ اللہ کی رسّی کونسی ہے؟ متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ''قرآن'' ہے۔ ایک طرف انسان میں تقویٰ پیدا ہو' اور دوسری طرف اس میں علم آنا چاہیے' قرآن کا فہم پیدا ہونا چاہیے' قرآن کے نظریات کو سمجھنا چاہیے' قرآن کی حکمت کو سمجھنا چاہیے۔ انسانوں میں اجتماعیت جانوروں کے گلوں کی طرح نہیں ہو سکتی کہ بھیڑ بکریوں کا ایک بڑا ریوڑ ہے اور ایک چرواہا ایک لکڑی لے کر سب کو ہانک رہا ہے۔ انسانوں کو جمع کرنا ہے تو ان کے ذہن ایک جیسے بنانے ہوں گے' ان کی سوچ ایک بنانی ہوگی۔ یہ حیوانِ عاقل ہیں' باشعور لوگ ہیں۔ ان کی سوچ ایک ہو' نظریات ایک ہوں' مقاصد ایک ہوں' ہم آہنگی ہو' نقطہ نظر ایک ہو تبھی تو یہ جمع ہوں گے۔ اس کے لیے وہ چیز چاہیے جو اُن میں یک رنگی' خیال' یک رنگی' نظر' یک جہتی اور مقاصد کی ہم آہنگی پیدا کر دے' اور وہ قرآن ہے' جو ''حبل اللہ'' ہے۔

حضرت علی ؓ سے مروی طویل حدیث میں قرآن حکیم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: ((وَھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ)) [1] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((کِتَابُ اللّٰہِ' حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ)) [2] ''اللہ کی کتاب (کو تھامے رکھنا) یہی وہ مضبوط رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے''۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ((اَبْشِرُوْا اَبْشِرُوْا ...... فَاِنَّ ھٰذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ' طَرَفُہٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَطَرَفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ)) [3] ''خوش ہو جاؤ' خوشیاں مناؤ ...... یہ قرآن ایک واسطہ ہے' جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے''۔ چنانچہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ بھی قرآن ہے' اور مسلمانوں کو آپس میں جوڑ کر رکھنے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری دعوت و تحریک کا منبع و سرچشمہ اور مبنیٰ و مدار قرآن ہے۔ اس کا عنوان ہی ''دعوت رجوع الی القرآن'' ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی الحمدللہ اسی کام میں کھپائی ہے اور اسی کے ذریعہ سے انجمن ہائے خدام القرآن اور قرآن اکیڈمیز کا سلسلہ قائم ہوا۔ ان اکیڈمیز میں ''ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس'' برسہا برس سے جاری ہے۔ اس کورس میں جدید تعلیم یافتہ لوگ داخلہ لیتے ہیں' جو ایم اے/ایم ایس سی ہوتے ہیں' بعض پی ایچ ڈی کر چکے ہوتے ہیں' ڈاکٹر اور انجینئر بھی آتے ہیں۔ وہ ایک سال لگا کر عربی سیکھتے ہیں تا کہ قرآن کو سمجھ سکیں۔ ظاہر ہے جب قرآن مجید کے ساتھ آپ کی وابستگی ہو گی تو پھر آپ دین کے اس رُخ پر آگے چلیں گے۔ تو یہ دوسرا نکتہ ہوا کہ اللہ کی رسی کو مل جل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

﴿وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً﴾ ''اور ذرا یاد کرو اللہ کا جو انعام تم پر ہوا جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے''

﴿فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ﴾ ''تو اللہ نے تمہارے دلوں کے اندر اُلفت پیدا کر دی''

﴿فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ج﴾ ''پس تم اللہ کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے''۔

یہاں اوّلین مخاطب انصار ہیں۔ ان کے جو دو قبیلے تھے اوس اور خزرج وہ آپس میں لڑتے آ رہے تھے۔ سو برس سے خاندانی دشمنیاں چلی آ رہی تھیں اور قتل کے بعد قتل کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن جب ایمان آ گیا' اسلام آ گیا' اللہ کی کتاب آ گئی' محمد رسول اللہ ﷺ آ گئے تو اب وہ شیر و شکر ہو گئے' ان کے جھگڑے ختم ہو گئے۔ اسی طرح پورے عرب کے اندر غارت گری ہوتی تھی' لیکن اب اللہ نے اسے دار الامن بنا دیا۔

﴿وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ﴾ ''اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے'' (بس اس میں گرنے ہی والے تھے)

﴿فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ط﴾ ''تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا''۔

﴿کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات واضح کر رہا ہے تا کہ تم راہ پاؤ (اور صحیح راہ پر قائم رہو)''۔

اُمت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کے یہ دو نکتے بیان ہو گئے۔ سب سے پہلے افراد کے کردار کی تعمیر' انہیں تقویٰ اور فرمانبرداری جیسے اوصاف سے متصف کرنا ----- اور پھر ان کو ایک جمعیت' تنظیم یا جماعت کی صورت میں منظّم کرنا' اور اس تنظیم کا معنوی محور قرآن مجید ہونا چاہیے' جو حبل اللہ ہے۔ بقول علامہ اقبال: ع اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست! اس کو مضبوطی سے تھامو کہ یہ حبل اللہ ہے! اس جماعت سازی کا فطری طریقہ بھی ہم اسی سورت کی آیت ۵۲ کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ داعی بن کر کھڑا ہو اور ﴿مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ﴾ کی آواز لگائے کہ میں تو اس راستے پر چل رہا ہوں' اب کون ہے جو میرے ساتھ اس راستے پر آتا ہے اور اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنتا ہے؟ ایسی جمعیت جب وجود میں آئے گی تو وہ کیا کرے گی؟ اس ضمن میں یہ تیسری آیت اہم ترین ہے:

آیت ۱۰۴ ﴿وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ط﴾ ''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے' نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے''۔

اس جماعت کے کرنے کے تین کام بتائے گئے ہیں' جن میں اوّلین دعوت الی الخیر ہے' اور واضح رہے کہ سب سے بڑا خیر یہ قرآن ہے۔

﴿وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

یہاں لفظ ''مِنْکُمْ'' بڑا معنی خیز ہے کہ تم میں سے ایک ایسی اُمت وجود میں آنی چاہیے۔ گویا ایک تو بڑی اُمت ہے اُمت مسلمہ‘ وہ تو ایک سو پچاس کروڑ نفوس پر مشتمل ہے‘ جو خوابِ غفلت میں مدہوش ہیں‘ اپنے منصب کو بھولے ہوئے ہیں‘ دین سے دور ہیں۔ لہٰذا اس اُمت کے اندر ایک چھوٹی اُمت یعنی ایک جماعت وجود میں آئے جو ''جاگو اور جگاؤ'' کا فریضہ سرانجام دے۔ اللہ نے تمہیں جاگنے کی صلاحیت دے دی ہے‘ اب اوروں کو جگاؤ اور اس کے لیے طاقت فراہم کرو‘ ایک منظم جماعت بناؤ! فرمایا کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ وہ بڑی اُمت جو کروڑوں افراد پر مشتمل ہے اور یہ کام نہیں کرتی وہ اگر فلاح اور نجات کی اُمید رکھتی ہے تو یہ ایک اُمید موہوم ہے۔ فلاح پانے والے صرف یہ لوگ ہوں گے جو تین کام کریں گے: (i) دعوت الی الخیر (ii) امر بالمعروف (iii) نہی عن المنکر۔ میں نے ''منہج انقلاب نبویؐ'' کے مراحل و مدارج کے ضمن میں بھی یہ بات واضح کی ہے کہ اسلامی انقلاب کے لیے آخری اقدام بھی ''نہی عن المنکر بالید'' ہوگا۔ اس لیے کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نہی عن المنکر کے تین مراتب بیان کیے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ‘ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ‘ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ‘ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))[1]

''تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے اس کا فرض ہے کہ اسے زورِ بازو سے روک دے۔ پس اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے۔ پھر اگر اس کی بھی ہمت نہیں ہے تو دل میں برائی سے نفرت ضرور رکھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔

اگر دل میں نفرت بھی ختم ہوگئی ہے تو سمجھ لو کہ متاعِ ایمان رخصت ہوگئی ہے۔ بقول اقبال: ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

ہاں‘ دل میں نفرت ہے تو اگلا قدم اٹھاؤ۔ زبان سے کہنا شروع کرو کہ بھائی یہ چیز غلط ہے‘ اللہ نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے‘ یہ کام مت کرو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی ایک طاقت بناتے جاؤ۔ ایک جماعت بناؤ‘ قوت مجتمع کرو۔ جب وہ طاقت جمع ہو جائے تو پھر کھڑے ہو جاؤ کہ اب ہم یہ غلط کام نہیں کرنے دیں گے۔ پھر وہ ہوگا ''نہی عن المنکر بالید'' یعنی طاقت کے ساتھ برائی کو روک دینا۔ اور یہ ہوگا انقلاب کا آخری مرحلہ۔

تو ان تین آیات کے اندر عظیم ہدایت ہے‘ انقلاب کا پورا لائحہ عمل موجود ہے‘ بلکہ اسی میں منہج انقلابِ نبویؐ کا جو آخری اقدامی عمل ہے وہ بھی پوشیدہ ہے۔

آیت ۱۰۵ ﴿وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ﴾ ''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور انہوں نے اختلاف پیدا کر لیے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح تعلیمات آ گئی تھیں۔''

﴿وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۱۰۵﴾ ''اور ان ہی لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۱۰۶ ﴿یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ ۚ﴾ ''(قیامت کے دن) جس دن بعض چہرے بڑے روشن اور تابناک ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔''

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ﴾ ''تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے پوچھا جائے گا)''

﴿اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ﴾ ''کیا تم اپنے ایمان کے بعد کفر میں لوٹ گئے تھے؟''

ہدایت کے آنے کے بعد تم لوگ تفرقے میں پڑ گئے تھے اور حبل اللہ کو چھوڑ دیا تھا۔

﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ۝۱۰۶﴾ ''تو اب عذاب کا مزہ چکھو اُس کفر کے باعث جو تم کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۰۷ ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ﴾ ''اور جن کے چہرے روشن اور تابناک ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔''

﴿ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۷﴾ ''وہ اسی میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

آیت ۱۰۸ ﴿تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں حق کے ساتھ۔''

﴿وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰۸﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تو جہان والوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں‘ خود غلط راستے پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی سزا انہیں دنیا اور آخرت میں بھگتنی پڑتی ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

﴿وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۱۰۹﴾ ''اور بالآخر سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔''

قرآن حکیم میں اہم مباحث کے بعد اکثر اس طرح کی آیات آتی ہیں۔ یہ گویا concluding remarks ہوتے ہیں۔

آیات ۱۱۰ تا ۱۲۰

﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ؕ وَلَوْ

اٰمَنَ اَھۡلُ الۡکِتٰبِ لَکَانَ خَیۡرًا لَّھُمۡ ؕ مِنۡھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ اَکۡثَرُھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّاۤ
اَذًی ؕ وَ اِنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ یُوَلُّوۡکُمُ الۡاَدۡبَارَ ۟ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتۡ عَلَیۡھِمُ الذِّلَّۃُ اَیۡنَ مَا
ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ ضُرِبَتۡ عَلَیۡھِمُ الۡمَسۡکَنَۃُ ؕ
ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا
وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ لَیۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتۡلُوۡنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیۡلِ
وَ ھُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ
وَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ مَا یَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلَنۡ یُّکۡفَرُوۡہُ ؕ
وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡھُمۡ اَمۡوَالُھُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُھُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ
وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا یُنۡفِقُوۡنَ فِیۡ ھٰذِہِ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَثَلِ
رِیۡحٍ فِیۡھَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَھُمۡ فَاَھۡلَکَتۡہُ ؕ وَ مَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَ لٰکِنۡ
اَنۡفُسَھُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَۃً مِّنۡ دُوۡنِکُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَکُمۡ خَبَالًا ؕ
وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاھِھِمۡ ۚۖ وَ مَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُھُمۡ اَکۡبَرُ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ
الۡاٰیٰتِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ ھٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَھُمۡ وَ لَا یُحِبُّوۡنَکُمۡ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡکِتٰبِ کُلِّہٖ ۚ
وَ اِذَا لَقُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَیۡکُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَیۡظِکُمۡ ؕ اِنَّ
اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡکُمۡ حَسَنَۃٌ تَسُؤۡھُمۡ ۫ وَ اِنۡ تُصِبۡکُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّفۡرَحُوۡا بِھَا ؕ
وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُھُمۡ شَیۡئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ ﴿۱۲۰﴾

آیت ۱۱۰ ﴿کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ﴾ ''تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے''

یہاں اُمت مسلمہ کی غرضِ تاسیس بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی یہ پوری اُمت مسلمہ اس مقصد کے لیے بنائی گئی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُمت مسلمہ اپنا مقصد حیات بھول جائے۔ ایسی صورت میں اُمت میں سے جو بھی جاگ جائیں وہ دوسروں کو جگا کر ''اُمت کے اندر ایک اُمت'' (Ummah within Ummah) بنائیں اور مذکورہ بالا تین کام کریں۔ لیکن حقیقت میں تو مجموعی طور پر اس اُمت مسلمہ کا فرضِ منصبی ہی یہی ہے۔

قبل ازیں ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں اُمت مسلمہ کا فرضِ منصبی بایں الفاظ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَھِیۡدًا ؕ﴾ سورۂ آل عمران کی آیت زیر مطالعہ اسی کے ہم وزن اور ہم پلہ آیت ہے۔ فرمایا: ''تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے''۔ دنیا کی دیگر قومیں اپنے لیے

زندہ رہتی ہیں۔ ان کے پیش نظر اپنی ترقی، اپنی بہتری، اپنی بہبود اور دنیا میں اپنی عزت و عظمت ہوتی ہے، لیکن تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے: ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے!

مسلمان کی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانا اور لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرنا ہے۔ تمہیں جینا ہے ان کے لیے، وہ جیتے ہیں اپنے لیے۔ تمہیں نکالا گیا ہے، برپا کیا گیا ہے لوگوں کے لیے۔

﴿تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ ''تم حکم کرتے ہو نیکی کا''

﴿وَ تَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ﴾ ''اور تم روکتے ہو بدی سے''

﴿وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ ؕ﴾ ''اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔''

نبی اکرم ﷺ کے دور میں پوری اُمت مسلمہ کی یہ کیفیت تھی۔ اور وہ جو پہلے بتایا گیا ہے کہ ایک جماعت وجود میں آئے (آیت ۱۰۴) وہ اُس وقت کے لیے ہے جب اُمت اپنے مقصدِ وجود کو بھول گئی ہو۔ تو ظاہر بات ہے جن کو ہوش آ جائے وہ لوگوں کو جگائیں اور ایک جمعیت فراہم کریں۔

﴿وَ لَوۡ اٰمَنَ اَھۡلُ الۡکِتٰبِ لَکَانَ خَیۡرًا لَّھُمۡ ؕ﴾ ''اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا''

﴿مِنۡھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾ ''ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں''

اس سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اُس وقت تک یہودیوں یا نصرانیوں میں سے ایمان لا چکے تھے، اور وہ بھی جن کے اندر بالقوہ (potentially) ایمان موجود تھا اور اللہ کو معلوم تھا کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

﴿وَ اَکۡثَرُھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾﴾ ''لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔''

وہی معاملہ جو آج اُمت مسلمہ کا ہو چکا ہے۔ آج اُمت کی اکثریت کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

آیت ۱۱۱ ﴿لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّاۤ اَذًی ؕ﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے سوائے تھوڑی سی کوفت کے۔''

یہ تمہارے لیے تھوڑی سی زبان درازی اور کوفت کا سبب تو بنتے رہیں گے، لیکن یہ بالفعل تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

﴿وَ اِنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ یُوَلُّوۡکُمُ الۡاَدۡبَارَ ۟﴾ ''اور اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا دیں گے۔''

ان میں جرأت نہیں ہے، یہ بزدل ہیں، تمہارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ''پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''

یہ ایسے بے بس ہوں گے کہ ان کو کہیں سے مدد بھی نہیں مل سکے گی۔

آیت ۱۱۲ ﴿ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا﴾ ''ان کے اوپر ذلت تھوپ دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں''

﴿اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ ''سوائے یہ کہ (انہیں کسی وقت) اللہ کا کوئی سہارا حاصل ہو جائے یا لوگوں کی طرف سے کوئی سہارا مل جائے''

جیسے آج پوری عیسائی دنیا ان کا سہارا بنی ہوئی ہے۔ اسرائیل اپنے بل پر نہیں' بلکہ پوری عیسائی دنیا کی پشت پناہی پر قائم ہے۔ خلیج کی جنگ میں اتحادی افواج کے کمانڈر انچیف نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ ساری جنگ ہم نے اسرائیل کے تحفظ کے لیے لڑی ہے۔ گویا اس قدر خونریزی سے صرف اسرائیل کا تحفظ پیش نظر تھا۔

﴿وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ ''اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے''

﴿وَ ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الۡمَسۡکَنَۃُ ؕ﴾ ''اور ان کے اوپر کم ہمتی مسلط کر دی گئی۔''

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے''

﴿وَ یَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ؕ﴾ ''اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے۔''

﴿ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور حدود سے تجاوز کرتے رہے۔''

یاد رہے کہ یہ آیت تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ سورۃ البقرۃ میں بھی گزر چکی ہے۔ (آیت ۶۱)

آیت ۱۱۳ ﴿لَیۡسُوۡا سَوَآءً ؕ﴾ ''یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں۔''

ان میں اچھے بھی ہیں' برے بھی ہیں۔

﴿مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتۡلُوۡنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیۡلِ وَ ہُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (سیدھے راستے پر) قائم ہیں' رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خاص طور پر عیسائی راہبوں کی ایک کثیر تعداد اس کردار کی حامل تھی۔ ان ہی میں سے ایک بحیرہ راہب تھا جس نے بچپن میں آنحضور ﷺ کو پہچان لیا تھا۔ یہود میں بھی اکا دکا لوگ اس طرح کے باقی ہوں گے' لیکن اکثر و بیشتر یہود میں سے یہ کردار ختم ہو چکا تھا' البتہ عیسائیوں میں ایسے لوگ بکثرت موجود تھے۔

آیت ۱۱۴ ﴿یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ ''وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخر پر''

﴿وَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ﴾ ''اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں''

﴿وَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ﴾ ''اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

﴿وَ اُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور یقیناً یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَ مَا یَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلَنۡ یُّکۡفَرُوۡہُ ؕ﴾ ''جو خیر بھی یہ کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔''

﴿وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ ''اور اللہ ایسے متقی لوگوں سے خوب واقف ہے۔''

آیت ۱۱۵ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ﴾ ''(اس کے برعکس) جو لوگ کفر پر اڑ گئے ان کے کام نہیں آسکیں گے نہ ان کے اموال نہ ان کی اولاد اللہ سے بچانے میں کچھ بھی۔''

﴿وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ﴾ ''یہی لوگ جہنمی ہیں۔''

﴿ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿مَثَلُ مَا یُنۡفِقُوۡنَ فِیۡ ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا﴾ ''دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے''

قریش مکہ اہل ایمان کے خلاف جو جنگی تیاریاں کر رہے تھے تو اس کے لیے مال خرچ کرتے تھے۔ فوج تیار کرنی ہے تو اس کے لیے اونٹ اور دیگر سواریوں کی ضرورت ہے' سامانِ حرب وضرب کی ضرورت ہے' تو ظاہر ہے اس کے لیے مال تو خرچ ہوگا۔ یہ اس انفاق مال کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں یا تو دین کی مخالفت کے لیے یا اپنے جی کو ذرا جھوٹی تسلی دینے کے لیے کرتے ہیں کہ ہم کچھ صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں' چاہے ہمارا کردار کتنا ہی گر گیا ہو۔ تو ان کے انفاق کی مثال ایسی ہے:

﴿کَمَثَلِ رِیۡحٍ فِیۡہَا صِرٌّ﴾ ''کہ جیسے ایک زوردار آندھی جس میں پالا ہو''

﴿اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَاَہۡلَکَتۡہُ ؕ﴾ ''وہ کسی ایسی قوم کی کھیتی کو آپڑے جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو' پھر وہ اس (کھیتی) کو تباہ و برباد اور تہس نہس کر کے رکھ دے۔''

یعنی ان کی یہ نیکیاں' یہ انفاق' یہ جدوجہد اور دوڑ دھوپ سب کی سب بالکل ضائع ہو جانے والی ہے۔

﴿وَ مَا ظَلَمَہُمُ اللّٰہُ وَ لٰکِنۡ اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''اور ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا' بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھا رہے ہیں۔''

آیت ۱۱۸ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنے سوا کسی کو اپنا راز دار نہ بناؤ''

یعنی جس شخص کے بارے میں اطمینان ہو کہ صاحب ایمان ہے' مسلمان ہے' اس کے علاوہ کسی اور شخص کو اپنا بھیدی اور محرم راز نہ بناؤ۔ یہودی ایک عرصے سے مدینہ میں رہتے تھے اور اوس وخزرج کے لوگوں کی ان سے دوستیاں تھیں' پرانے تعلقات اور روابط تھے۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات سادہ لوح مسلمان اپنی سادگی میں راز کی باتیں بھی انہیں بتا دیتے تھے۔ اس سے انہیں روکا گیا۔

﴿لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا﴾ ''وہ تمہارے لیے کسی خرابی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔''

﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ﴾ ''انہیں پسند ہے وہ چیز جو تمہیں تکلیف اور مشقت میں ڈالے۔''

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ ''ان کی دشمنی ان کے منہ سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔''

ان کا کلام ایسا زہر آلود ہوتا ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی ٹپکی پڑتی ہے۔ یہ اپنی زبانوں سے آتش برساتے ہیں۔

﴿وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ﴾ ''اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔''

جو کچھ ان کی زبانوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ تو پھر بھی کم ہے' ان کے دلوں کے اندر دشمنی اور حسد کی جو آگ بھڑک رہی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

﴿قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''ہم نے تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح کر دیا ہے اگر تم عقل سے کام لو۔''

یعنی اپنے طرزِ عمل پر غور کرو اور اس سے باز آ جاؤ!

آیت ۱۱۹ ﴿هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ﴾ ''یہ تم ہی ہو کہ ان کو دوست رکھتے ہو''

یہ تمہاری شرافت اور سادہ لوحی ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور پرانے تعلقات اور دوستیوں کو نبھانا چاہتے ہو۔

﴿وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ﴾ ''لیکن (جان لو کہ) وہ تو تم سے محبت نہیں کرتے''

وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔

﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّهٖ﴾ ''حالانکہ (تمہاری شان یہ ہے کہ) تم پوری کتاب کو مانتے ہو''

تم تورات کو بھی مانتے ہو' انجیل کو بھی مانتے ہو۔ سورۃ النساء میں الفاظ آئے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ ......﴾ (آیت ۴۴) ''کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا......'' چنانچہ تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کی اس قدیم کتاب ''اُمُّ الکتاب'' ہی کے حصے ہیں۔ اسی ''اُمُّ الکتاب'' میں سے پہلے تورات آئی' پھر انجیل آئی اور پھر یہ قرآن مجید آیا ہے' جو ہدایت کاملہ پر مشتمل ہے۔ تو تم تو پوری کی پوری کتاب کو مانتے ہو۔

﴿وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ ''اور جب یہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی مؤمن ہیں''

﴿وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ﴾ ''اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں تو اب تم پر غصہ کی وجہ سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں''

جب وہ دیکھتے ہیں کہ اب ان کی کچھ پیش نہیں جا رہی اور اسلام کا معاملہ اور آگے سے آگے بڑھتا جا رہا ہے تو غصے میں پیچ وتاب کھاتے ہیں اور اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔

﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ﴾ ''ان سے کہو مر جاؤ اپنے اس غم وغصہ میں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ سینوں کے اندر مضمر ہے اس سے بھی واقف ہے۔''

آیت ۱۲۰ ﴿اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْهُمْ﴾ ''(اے مسلمانو!) اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچ جائے تو ان کو بری لگتی ہے۔''

اگر تمہیں کوئی کامیابی حاصل ہو جائے' کہیں فتح نصیب ہو جائے تو ان کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

﴿وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَۃٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا﴾ ''اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں۔''

اگر تمہیں کوئی گزند پہنچ جائے' کہیں عارضی طور پر شکست ہو جائے' جیسے اُحد میں ہو گئی تھی' تو بڑے خوش ہوتے ہیں' شادیانے بجاتے ہیں۔

﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا﴾ ''لیکن اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رہو تو ان کی یہ ساری چالیں تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔''

سورۃ البقرۃ میں صبر اور صلوٰۃ سے مدد لینے کی تلقین کی گئی تھی' یہاں صلوٰۃ کی جگہ لفظ تقویٰ آ گیا ہے کہ اگر تم یہ کرتے رہو گے تو پھر بالآخر ان کی ساری سازشیں ناکام ہوں گی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''جو کچھ یہ کر رہے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے دائرے سے اور اس کی کھینچی ہوئی حد سے آگے نہیں نکل سکتے۔ یہ اس کے اندر اندر اُچھل کود کر رہے ہیں اور سازشیں کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں یہ ضمانت دے رہا ہے کہ یہ تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

آیات ۱۲۱ تا ۱۲۹

﴿وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِکَ تُبَوِّیُٔ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذۡ هَمَّتۡ
طَّآئِفَتٰنِ مِنۡکُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ
بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَلَنۡ یَّکۡفِیَکُمۡ اَنۡ
یُّمِدَّکُمۡ رَبُّکُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ مُنۡزَلِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰۤی ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَیَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ
فَوۡرِهِمۡ هٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰی
لَکُمۡ وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُکُمۡ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱۲۶﴾ لِیَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡ یَکۡبِتَهُمۡ فَیَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ اَوۡ
یُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ
مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۹﴾﴾

یہاں سے سورۂ آل عمران کے نصفِ ثانی کے دوسرے حصے کا آغاز ہو رہا ہے‘ جو چھ رکوعات پر محیط ہے۔ یہ چھ رکوع مسلسل غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل ہیں۔ غزوۂ اُحد شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آ چکا تھا‘ جس کا تذکرہ ہم سورۃ الانفال میں پڑھیں گے۔ اس لیے کہ ترتیب مصحف نہ تو ترتیب زمانی کے اعتبار سے ہے اور نہ ہی ترتیبِ نزولی کے مطابق۔ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت زبردست فتح دی تھی اور کفارِ مکہ کو بڑی زک پہنچی تھی۔ ان کے ستر (۷۰) سربرآوردہ لوگ مارے گئے تھے‘ جن میں قریش کے تقریباً سارے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ اہل مکہ کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور ان کے انتقامی جذبات لاوے کی طرح کھول رہے تھے۔ چنانچہ ایک سال کے اندر اندر انہوں نے پوری تیاری کی اور تمام ساز و سامان جو وہ جمع کر سکتے تھے جمع کر لیا۔ ابوجہل غزوۂ بدر میں مارا جا چکا تھا اور اب قریش کے سب سے بڑے سردار ابوسفیان تھے۔ (ابوسفیان چونکہ بعد میں ایمان لے آئے تھے اور صحابیت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے تھے لہٰذا ہم ان کا نام احترام سے لیتے ہیں۔) ابوسفیان تین ہزار جنگجوؤں کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ اہل مکہ اپنی فتح یقینی بنانے کے لیے اس دفعہ اپنے بچوں اور خاص طور پر خواتین کو بھی ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ ان کی غیرت بیدار رہے کہ اگر کہیں میدان سے ہمارے قدم اکھڑ گئے تو ہماری عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائیں گی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بھی لشکر کے ہمراہ تھی۔ (وہ بھی بعد میں فتح مکہ کے موقع پر ایمان لے آئی تھیں۔) غزوۂ بدر میں ہندہ کا باپ‘ بھائی اور چچا مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہو چکے تھے‘ لہٰذا اس کے سینے کے اندر بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مکہ کا شاید ہی کوئی گھر بچا ہو جس کا کوئی فرد غزوۂ بدر میں مارا نہ گیا ہو۔

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک مشاورت منعقد فرمائی کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے‘ جبکہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کرنے آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنا رجحان اس طرف تھا کہ اس صورت حال میں ہم اگر مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کریں تو بہتر رہے گا۔ عجیب اتفاق ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن وہ لوگ جو بدر کے بعد ایمان لائے تھے اور وہ جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو پائے تھے ان میں سے خاص طور پر نوجوانوں کی طرف سے خصوصی جوش و خروش کا مظاہرہ ہو رہا تھا کہ ہمیں میدان میں نکل کر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے‘ ہمیں تو شہادت درکار ہے‘ ہمیں آخر موت سے کیا ڈر ہے؟ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ فرما دیا کہ دشمن کا کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہزار کی نفری لے کر مدینہ سے جبل اُحد کی جانب کوچ فرمایا‘ لیکن راستے ہی میں عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں ہوتا اور ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں جوکھوں میں کیوں ڈالیں؟ تین سو منافقین کے چلے جانے کے بعد اسلامی لشکر میں صرف سات سو افراد باقی رہ گئے تھے‘ جن میں کمزور ایمان والے بھی تھے۔ چنانچہ دامن اُحد میں پہنچ کر مدینہ کے دو خاندانوں بنو حارثہ اور بنوسلمہ کے قدم بھی تھوڑی دیر کے لیے ڈگمگائے اور انہوں نے واپس لوٹنا چاہا‘ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حوصلہ دیا اور ان کے قدم جما دیے۔

اس کے بعد جنگ ہوئی تو اللہ کی طرف سے مدد آئی۔ اللہ نے لشکرِ اسلام کو فتح دے دی اور مشرکین کے قدم اکھڑ گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُحد پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھا تھا اور اس کے دامن میں صف بندی کی تھی۔ سامنے دشمن کا لشکر تھا۔ پہاڑ میں ایک درّہ تھا اور حضور ﷺ کو اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں سے ہم پر حملہ ہو جائے اور ہم دو طرف سے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ جائیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس درّہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں پچاس تیر انداز تعینات فرما دیے تھے اور انہیں تاکید فرمائی تھی یہاں سے مت ہلنا۔ چاہے تم دیکھو کہ ہم سب مارے گئے ہیں اور ہمارا گوشت چیلیں اور کوّے نوچ رہے ہیں تب بھی یہ جگہ مت چھوڑنا! لیکن جب مسلمانوں کو فتح ہو گئی تو درّے پر مامور حضرات میں اختلافِ رائے ہو گیا۔ ان میں سے اکثر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو اتنی تاکید فرمائی تھی وہ تو شکست کی صورت میں تھی‘ اب تو فتح ہو گئی ہے‘ لہٰذا اب ہمیں بھی چل کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں باقی سب لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ وہاں کے لوکل کمانڈر تھے‘ وہ انہیں منع کرتے رہے کہ یہاں سے ہرگز مت ہٹو‘ رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد رکھو۔ لیکن وہ تو حضور ﷺ کے حکم کی تاویل کر چکے تھے۔ ان میں سے ۳۵ افراد درّہ چھوڑ کر چلے گئے اور صرف ۱۵ باقی رہ گئے۔

خالد بن ولید (جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) مشرکین کی گھڑ سوار فوج (cavalry) کے کمانڈر تھے۔ ان کی

عقابی نگاہ نے دیکھ لیا کہ وہ درہ خالی ہے۔ ان کی پیدل فوج (infantry) شکست کھا چکی تھی اور بھگدڑ مچ چکی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے دو سو گھڑ سواروں کے دستے کے ساتھ اُحد کا چکر کاٹ کر پشت سے اس درے کے راستے مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ درّے پر صرف پندرہ تیر انداز باقی تھے' ان کے لیے دو سو گھڑ سواروں کی یلغار کو روکنا ممکن نہیں تھا اور وہ مزاحمت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس اچانک حملے سے یکلخت جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی زخمی ہو گئے۔ خود کی کڑیاں آپؐ کے رخسار میں گھس گئیں اور دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ خون اتنا بہا کہ آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی' اور یہ بھی مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ لیکن پھر جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو پکارا تو لوگ ہمت کر کے جمع ہوئے۔ تب آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس وقت پہاڑ پر چڑھ کر بچاؤ کر لیا جائے' اور آپ تمام مسلمانوں کو لے کر کوہِ اُحد پر چڑھ گئے۔ اس موقع پر ابوسفیان اور خالد بن ولید کے مابین اختلافِ رائے ہو گیا۔ خالد بن ولید کا کہنا تھا کہ ہمیں ان کے پیچھے پہاڑ پر چڑھنا چاہیے اور انہیں ختم کر کے ہی دم لینا چاہیے۔ لیکن ابوسفیان بڑے حقیقت پسند اور زیرک شخص تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں' مسلمان اونچائی پر ہیں' وہ اوپر سے پتھر پھینکیں گے اور تیر برسائیں گے تو ہمارے لیے شدید جانی نقصان کا اندیشہ ہے۔ ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے' یہی بہت ہے۔ چنانچہ مشرکین وہاں سے چلے گئے۔ مطالعۂ آیات سے قبل غزوۂ احد کے سلسلۂ واقعات کا یہ اجمالی خاکہ ذہن میں رہنا چاہیے۔

آیت ۱۲۱ ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یاد کیجیے جبکہ صبح کو آپ اپنے گھر سے نکلے تھے اور مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں میں مامور کر رہے تھے۔''

غزوۂ اُحد کی صبح آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے برآمد ہوئے تھے اور جنگ کے میدان میں صف بندی کر رہے تھے' وہاں مورچے معین کر رہے تھے اور ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مامور کر رہے تھے۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۲۱﴾ ''جبکہ اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۲۲ ﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ﴾ ''جبکہ تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے''

انہوں نے کچھ کمزوری دکھائی' حوصلہ چھوڑنے لگے اور ان کے پاؤں لڑکھڑائے۔

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ﴾ ''حالانکہ اللہ ان کا پشت پناہ تھا۔''

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲۲﴾ ''اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو۔''

جنگ کے آغاز سے پہلے انصار کے دو گھرانوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے قدم وقتی طور پر ڈگمگا گئے تھے' بربنائے طبع بشری ان کے حوصلے پست ہونے لگے تھے اور انہوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ثبات عطا فرمایا اور ان کے قدموں کو جما دیا۔ پھر ان کا ذکر قرآن میں کر دیا گیا۔ اور وہ اس پر فخر کرتے تھے کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ﴿مِنْكُمْ﴾ اور ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ﴾ کے الفاظ میں کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ تین سو منافقین جو میدانِ جنگ سے چلے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ گویا وہ اس لائق بھی نہیں ہیں کہ ان کا براہِ راست ذکر کیا جائے۔ البتہ آخر میں ان کا ذکر بالواسطہ طور پر (indirectly) آئے گا۔

آیت ۱۲۳ ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ﴾ ''اور اللہ نے تو تمہاری مدد بدر میں بھی کی تھی جبکہ تم بہت کمزور تھے۔''

غزوۂ بدر میں ایک ہزار مشرکین کے مقابلے میں اہل ایمان صرف تین سو تیرہ تھے' جبکہ سب کے پاس تلواریں بھی نہیں تھیں۔ کل آٹھ تلواریں تھیں۔ کفارِ مکہ ایک سو گھوڑوں کا رسالہ لے کر آئے تھے اور ادھر صرف دو گھوڑے تھے۔ اُدھر سات سو اونٹ تھے اور اِدھر ستر اونٹ تھے۔ اس سب کے باوجود اللہ نے تمہاری مدد کی تھی اور تمہیں اپنے سے طاقتور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تھا۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲۳﴾ ''تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم اللہ کا (صحیح معنی میں) شکر ادا کر سکو۔''

آیت ۱۲۴ ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝۱۲۴﴾ ''(اے نبیؐ!) جب آپ کہہ رہے تھے اہل ایمان سے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا ربّ تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں سے جو آسمان سے اُترنے والے ہوں گے؟''

یعنی اے مسلمانو! اگر مقابلے میں تین ہزار کا لشکر آ گیا ہے تو کیا غم ہے۔ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کو تین ہزار فرشتے بھیجے گا جو آسمان سے اُتریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی اس خوشخبری کو' جو ایک طرح سے استدعا بھی ہو سکتی تھی' فوری طور پر شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور اس کی منظوری کا اعلان فرما دیا۔

آیت ۱۲۵ ﴿بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا﴾ ''کیوں نہیں (اے مسلمانو!) اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کی روش پر رہو گے اور اگر وہ فوری طور پر تم پر حملہ آور ہو جائیں''

﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝۱۲۵﴾ ''تو تمہارا ربّ تمہاری مدد کرے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے سے جو نشان زدہ گھوڑوں پر آئیں گے۔''

آیت ۱۲۶ ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ﴾ ''اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر تمہارے لیے بشارت''

﴿وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ﴾ ''اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔''

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱۲۶﴾ ''ورنہ مدد تو ہوتی ہی اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔''

یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کے طور پر تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے تمہیں بتا دیا گیا ہے‘ ورنہ اللہ فرشتوں کو بھیجے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا ہے‘ وہ ’’کُن فیکون‘‘ کی شان رکھتا ہے۔ تمہیں یہ بشارت تمہاری طبع بشری کے حوالے سے دی گئی ہے کہ اگر تین ہزار کی تعداد میں دشمن سامنے ہوا تو تمہاری مدد کو تین ہزار فرشتے اتر آئیں گے‘ اور اگر وہ فوری طور پر حملہ آور ہو گئے تو ہم پانچ ہزار فرشتے بھیج دیں گے۔

آیت ۱۲۷ ﴿لِیَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا﴾ ’’(اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تاکہ کافروں کا ایک بازو کاٹ دے‘‘

﴿اَوۡ یَکۡبِتَہُمۡ فَیَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾﴾ ’’یا انہیں ذلیل کر دے کہ وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹ جائیں۔‘‘

یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرہ زمانی ترتیب سے نہیں ہے۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا اپنے گھر سے نکل کر میدانِ جنگ میں مورچہ بندی کا ذکر ہوا۔ پھر اس سے پہلے کا ذکر ہو رہا ہے جب خبریں پہنچی ہوں گی کہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی خوشخبری دی ہوگی۔ اب اس جنگ کے دوران مسلمانوں سے جو کچھ خطائیں اور غلطیاں ہوئیں ان کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ خود آنحضور ﷺ سے بھی خطا کا ایک معاملہ ہوا‘ اس پر بھی گرفت ہے‘ بلکہ سب سے پہلے اسی معاملے کو لیا جا رہا ہے۔ جب آپ ﷺ شدید زخمی ہو گئے اور آپؐ پر بے ہوشی طاری ہو گئی‘ پھر جب ہوش آیا تو آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے:

((کَیۡفَ یُفۡلِحُ قَوۡمٌ خَضَبُوۡا وَجۡہَ نَبِیِّہِمۡ بِالدَّمِ وَھُوَ یَدۡعُوۡھُمۡ اِلَی اللّٰہِ))[1]

’’یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگ دیا جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلا رہا تھا!‘‘

تلوار کا وار آنحضور ﷺ کے رُخسار کی ہڈی پر پڑا تھا اور اس سے آپؐ کے دو دانت بھی شہید ہو گئے تھے۔ زخم سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا جس سے آپ ﷺ کا پورا چہرۂ مبارک لہولہان ہو گیا تھا۔ خون اتنی مقدار میں بہہ گیا تھا کہ آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ ہوش میں آئے تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ ......﴾ اے نبیؐ اس معاملے میں آپؐ کا کوئی اختیار نہیں ہے‘ آپؐ کا کام دعوت دینا اور تبلیغ کرنا ہے۔ لوگوں کی ہدایت اور ضلالت کے فیصلے ہم کرتے ہیں۔ اور دیکھئے اللہ نے کیا شان دکھائی؟ جس شخص کی وجہ سے مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی‘ یعنی خالد بن ولید‘ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ ہی کی زبانِ مبارک سے اسے ’’سَیۡفٌ مِن سُیُوفِ اللّٰہ‘‘ (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) کا خطاب دلوا دیا۔

آیت ۱۲۸ ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ﴾ ’’(اے نبیؐ) اس معاملے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں‘‘

﴿اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَہُمۡ﴾ ’’اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے‘‘

یہ اللہ کے اختیار میں ہے‘ وہ چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا‘ وہ ایمان لے آئیں گے‘ یا اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا۔

﴿فَاِنَّہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾﴾ ’’اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔‘‘

ان کے ظالم ہونے میں کوئی شبہ نہیں‘ لہٰذا وہ سزا کے حق دار تو ہو چکے ہیں۔ لیکن ہو سکتا ہے اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ دیکھئے‘ یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ چند سال پہلے طائف میں رسول اللہ ﷺ سے جس طرح بدسلوکی کا مظاہرہ کیا گیا وہ آپؐ کی زندگی کا شدید ترین دن تھا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ یہ ملک الجبال حاضر ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے‘ آپؐ فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو ٹکرا دوں جن کے مابین وادی کے اندر یہ شہر طائف آباد ہے‘ تاکہ یہ سب پس جائیں‘ ان کا سرمہ بن جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں‘ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت دے دے۔ لیکن یہ وقت کچھ ایسا تھا کہ بربنائے طبع بشری زبان مبارک سے وہ جملہ نکل گیا۔ اس لیے کہ:

وَالۡعَبۡدُ عَبۡدٌ وَاِنۡ تَرَقّٰی وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنۡ تَنَزَّلۡ

’’بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنا ہی بلند ہو جائے‘ اور ربّ‘ ربّ ہی ہے چاہے کتنا ہی نزول فرما لے!‘‘

آیت ۱۲۹ ﴿وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ’’اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔‘‘

﴿یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ’’وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۹﴾﴾ ’’اور اللہ غفور و رحیم ہے۔‘‘

آیات ۱۳۰ تا ۱۴۳

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَۃً ۪ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۳۰﴾
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوۡۤا
اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی
السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِیۡنَ
اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۟ وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا

اللّٰہُ قف وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَجَنّٰتٌ
تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ سُنَنٌ ۙ
فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾ ہٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَہُدًی
وَّمَوۡعِظَۃٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَہِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ
قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ ؕ وَتِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
وَیَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُہَدَآءَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَمۡحَقَ
الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ جٰہَدُوۡا مِنۡکُمۡ وَیَعۡلَمَ
الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدۡ کُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡہُ ۪ فَقَدۡ رَاَیۡتُمُوۡہُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾

آیت ۱۳۰ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَۃً ۪﴾ ''اے اہل ایمان! سود مت کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا''

یہاں پر سود مرکب (compound interest) کا ذکر آیا ہے جو بڑھتا چڑھتا رہتا ہے۔ واضح رہے کہ شراب اور جوئے کی طرح سود کی حرمت کے احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے ایک مکی سورۃ' سورۃ الروم میں انفاق فی سبیل اللہ اور سود کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر سود کی قباحت اور شناعت کو واضح کر دیا گیا: ﴿وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۠ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ ۚ وَمَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ﴿۳۹﴾﴾ جیسے کہ شراب اور جوئے کی خرابی کو سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں بیان کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد آیت زیر مطالعہ میں دوسرے قدم کے طور پر مہاجنی سود (usury) سے روک دیا گیا۔ ہمارے ہاں آج کل بھی ایسے سود خور موجود ہیں جو بہت زیادہ شرح سود پر لوگوں کو قرض دیتے ہیں اور ان کا خون چوس جاتے ہیں۔ تو یہاں اس سود کی مذمت آئی ہے۔ سود کے بارے میں آخری اور حتمی حکم ۹ ھ میں نازل ہوا' لیکن ترتیب مصحف میں وہ سورۃ البقرۃ میں ہے۔ وہ پورا رکوع (نمبر ۳۸) ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ وہاں پر سود کو دوٹوک انداز میں حرام قرار دے دیا گیا اور سود خوری سے باز نہ آنے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا الٹی میٹم دے دیا گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات کے درمیان سود خوری کی مذمت کیوں بیان ہوئی؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ درے پر مامور پچاس تیر اندازوں میں سے پینتیس اپنی جگہ چھوڑ کر جو چلے گئے تھے تو ان کے تحت الشعور میں مالِ غنیمت کی کوئی طلب تھی' جو نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اس حوالے سے سود خوری کی مذمت بیان کی گئی کہ یہ بھی انسان کے اندر مال و دولت سے ایسی محبت پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کے کردار میں بڑے بڑے خلا پیدا ہو سکتے ہیں۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۳۰﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

آیت ۱۳۱ ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾﴾ ''اور اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

آیت ۱۳۲ ﴿وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ ''اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۱۳۳ ﴿وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ﴾ ''اور مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت کے حصول کے لیے اور اُس جنت کو حاصل کرنے کے لیے جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین جتنا ہے''

﴿اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾﴾ ''وہ تیار کی گئی ہے (اور سنواری گئی ہے) اہل تقویٰ کے لیے۔''

آیت ۱۳۴ ﴿الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ ''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں کشادگی میں بھی اور تنگی میں بھی''

یہاں بھی تقابل ملاحظہ کیجیے کہ سود کے مقابلے میں انفاق کا ذکر ہوا ہے۔

﴿وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ﴾ ''اور وہ اپنے غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والے ہیں۔''

﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایسے محسنین کو پسند کرتا ہے۔''

یہ درجہ' احسان ہے' جو اسلام اور ایمان کے بعد کا درجہ ہے۔

آیت ۱۳۵ ﴿وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ﴾ ''اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی ان سے کسی بے حیائی کا ارتکاب ہو جائے یا اپنے اوپر کوئی اور ظلم کر بیٹھیں تو فوراً انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے''

﴿فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ قف﴾ ''پس وہ اس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔''

یہ مضمون سورۃ النساء میں آئے گا کہ کسی مسلمان شخص سے اگر کوئی خطا ہو جائے اور وہ فوراً توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا ہے کہ اس کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔

﴿وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ قف﴾ ''اور کون ہے جو معاف کر سکے گناہوں کو سوائے اللہ کے؟''

﴿وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾﴾ ''اور وہ اپنے اس غلط فعل پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔''

یعنی ایسا نہیں کہ گناہ پر گناہ کرتے چلے جا رہے ہیں کہ موت آنے پر توبہ کر لیں گے۔ اُس وقت کی توبہ توبہ نہیں ہے۔ ایک

مسلمان سے اگر جذبات کی رو میں بہہ کر یا بھول چوک میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور وہ ہوش آنے پر اللہ کے حضور گڑگڑائے' عزمِ مصمم کرے کہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گا' اور پوری پشیمانی کے ساتھ صمیمِ قلب سے اللہ کی جناب میں توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

آیت ۱۳۶ ﴿اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ مِّنۡ رَّبِّھِمۡ﴾ ''یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کا بدلہ ہے ان کے رب کی طرف سے مغفرت''

﴿وَجَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا ؕ﴾ ''اور وہ باغات کہ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾﴾ ''اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۱۳۷ ﴿قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ سُنَنٌ ۙ﴾ ''تم سے پہلے بھی بہت سے حالات و واقعات گزر چکے ہیں''

﴿فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''تو زمین میں گھومو پھرو''

﴿فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾﴾ ''اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!''

قریش کے تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے تو راستے میں قوم ثمود کا مسکن بھی آتا تھا اور وہ بستیاں بھی آتی تھیں جن میں کبھی حضرت لوط علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی۔ ان کے کھنڈرات سے عبرت حاصل کرو کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا۔

آیت ۱۳۸ ﴿ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوۡعِظَۃٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ''یہ وضاحت ہے لوگوں کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے متقین کے حق میں۔''

آیت ۱۳۹ ﴿وَلَا تَھِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا﴾ ''اور نہ کمزور پڑو اور نہ غم کھاؤ''

﴿وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ ''اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مؤمن ہوئے۔''

یہ آیت بہت اہم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ تم ہی غالب و سربلند ہو گے' آخری فتح تمہاری ہو گی' بشرطیکہ تم مؤمن ہوئے۔ یہ آیت ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے کہ آج دنیا میں جو ہم ذلیل ہیں' غالب و سربلند نہیں ہیں' تو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہ کہ ہمارے اندر ایمان نہیں ہے' ہم حقیقی ایمان سے محروم ہیں۔ ہم جس ایمان کے مدعی ہیں وہ محض ایک موروثی عقیدہ ہے' یقین قلبی اور conviction والا ایمان نہیں ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ اُمت کے اندر حقیقی ایمان موجود ہو اور پھر بھی وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو۔

آیت ۱۴۰ ﴿اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ﴾ ''اگر تمہیں اب چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمن کو بھی ایسا ہی چرکا اس سے پہلے لگ چکا ہے۔''

اہل ایمان کو غزوۂ اُحد میں اتنی بڑی چوٹ پہنچی تھی کہ ستر صحابہؓ شہید ہو گئے۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی تھے اور مصعب بن عمیرؓ بھی۔ انصار کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کا کوئی فرد شہید نہ ہوا ہو۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان جب مدینہ واپس آئے تو ہر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ اُس وقت تک میت پر بین کرنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ عورتیں مرثیے کہہ رہی تھیں' بین کر رہی تھیں' ماتم کر رہی تھیں۔ اس حالت میں خود آنحضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے الفاظ نکل گئے: لٰکِنَّ حَمۡزَۃَ لَا بَوَاکِیَ لَهٗ![1] ''ہائے حمزہ کے لیے تو کوئی رونے والیاں بھی نہیں ہیں!'' کیونکہ مدینہ میں حضرت حمزہؓ کی کوئی رشتہ دار خواتین نہیں تھیں۔ حمزہؓ تو مہاجر تھے۔ انصار کے گھرانوں کی خواتین اپنے اپنے مقتولوں پر آنسو بہا رہی تھیں اور بین کر رہی تھیں۔ پھر انصار نے اپنے گھروں سے جا کر خواتین کو حضرت حمزہؓ کی ہمشیرہ حضرت صفیہؓ کے گھر بھیجا کہ وہاں جا کر تعزیت کریں۔ بہرحال دکھ تو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو بھی پہنچا ہے۔ آخر آپؐ کے سینے کے اندر ایک حسّاس دل تھا' پتھر کا کوئی ٹکڑا تو نہیں تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی دلجوئی کے لیے فرما رہا ہے کہ اتنے غمگین نہ ہو' اتنے ملول نہ ہو' اتنے دل گرفتہ نہ ہو۔ اس وقت اگر تمہیں کوئی چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمن کو اس جیسا چرکا اس سے پہلے لگ چکا ہے۔ ایک سال پہلے ان کے بھی ستر افراد مارے گئے تھے۔

﴿وَتِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ﴾ ''یہ تو دن ہیں جن کو ہم لوگوں میں الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔''

یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ کسی قوم کو ہم ایک سی کیفیت میں نہیں رکھتے۔

﴿وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ ''اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ لے کہ کون حقیقتاً مؤمن ہیں''

اگر امتحان اور آزمائش نہ آئے' تکلیف نہ آئے' قربانی نہ دینی پڑے' کوئی زک نہ پہنچے تو کیسے پتا چلے کہ حقیقی مؤمن کون ہے؟ امتحان و آزمائش سے تو پتا چلتا ہے کہ کون ثابت قدم رہا۔ اللہ تعالیٰ جاننا چاہتا ہے' دیکھنا چاہتا ہے' ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کس نے اپنا سب کچھ لگا دیا؟ کس نے صبر کیا؟

﴿وَیَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُھَدَآءَ ؕ﴾ ''اور وہ چاہتا ہے کہ تم میں سے کچھ کو مقامِ شہادت عطا کرے۔''

انہیں اپنی گواہی کے لیے قبول کر لے۔

﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۰﴾﴾ ''اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ نے کفار کی مدد کی ہے اور ان کو پسند کیا ہے (معاذ اللہ!)

آیت ۱۴۱ ﴿وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَمۡحَقَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''اور یہ اس لیے ہوا ہے کہ اللہ اہل ایمان کو بالکل پاک صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔''

مسلمانوں میں سے خاص طور پر انصارِ مدینہ کی آزمائش مطلوب ہے جو ابھی ایمان لائے ہیں' ان میں کچھ پختہ ایمان والے ہیں' کچھ کمزور ایمان والے ہیں اور کچھ منافق بھی ہیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ وہ پورے طریقے سے پختہ ہو جائیں' اور اگر کوئی کچا ہی رہتا ہے تو وہ اہل ایمان سے کٹ جائے' تاکہ بحیثیت مجموعی جماعتی قوت کو کوئی ضعف نہ پہنچے۔ تو یہ جو تمہارے اندر ہر

طرح کے لوگ گڈمڈ ہو گئے ہیں کہ کچھ مؤمن صادق ہیں' پختہ ایمان والے ہیں' کچھ کمزور ایمان والے ہیں اور کچھ منافق بھی ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے یہ تمحیص کی ہے کہ سب کو چھانٹ کر الگ کر دیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین سو ساتھیوں کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا' ورنہ ان کی اصلیت تم پر کیسے ظاہر ہوتی؟ ''بحث و تمحیص'' ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ بحث کا معنی ہے کریدنا اور تمحیص الگ الگ کرنا۔

آیت ۱۴۲ ﴿اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ﴾ ''کیا تم نے سمجھا تھا کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے''

﴿وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ جٰہَدُوۡا مِنۡکُمۡ وَیَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ ''حالانکہ ابھی تو اللہ نے دیکھا ہی نہیں ہے تم میں سے کون واقعتاً (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنے والے ہیں اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔''

گویا ع ''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!'' ابھی تو تمہارے لیے اس راستے میں کڑی سے کڑی منزلیں آنے والی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ مضمون ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں پڑھ آئے ہیں۔ نوٹ کیجیے کہ زیر مطالعہ آیت کا نمبر ۱۴۲ ہے' یعنی ہندسوں کی صرف ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

آیت ۱۴۳ ﴿وَلَقَدۡ کُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡہُ ۪﴾ ''اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے اس سے پہلے کہ اُس سے ملاقات ہوتی۔''

﴿فَقَدۡ رَاَیۡتُمُوۡہُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾﴾ ''سو اب تم نے اسے دیکھ لیا ہے اپنی آنکھوں سے۔''

یہاں روئے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے جو نئے نئے ایمان لائے تھے اور ان میں سے خاص طور پر نوجوانوں نے کہا تھا کہ ہمیں تو شہادت چاہیے اور ہم تو کھلے میدان میں جا کر مقابلہ کریں گے۔ ان کے جذبات پر تھوڑا سا تبصرہ ہو رہا ہے کہ اُس وقت تو جوشِ قتال اور ذوقِ شہادت کا اظہار ہو رہا تھا' اب تم نے موت دیکھ لی ہے نا! تو یہ ہے موت جسے انسان اتنی آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرتا۔

آیات ۱۴۴ تا ۱۴۸

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۠ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡہِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَسَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا کَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ۚ وَمَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَۃِ نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ؕ وَسَنَجۡزِی الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾ وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَہٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ ۚ فَمَا وَہَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَکَانُوۡا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا کَانَ قَوۡلَہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىہُمُ اللّٰہُ ثَوَابَ الدُّنۡیَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۴۸﴾﴾

آیت ۱۴۴ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ﴾ ''محمد (ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔''

غزوۂ اُحد کے دوران جب یہ افواہ اڑ گئی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو بعض لوگ بہت دل گرفتہ ہو گئے کہ اب کس لیے جنگ کرنی ہے؟ حضرت عمرؓ بھی اُن میں سے تھے۔ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر تلوار پھینک دی اور دل برداشتہ ہو کر بیٹھ گئے کہ اب ہم نے جنگ کر کے کیا لینا ہے! یہاں اس طرزِ عمل پر گرفت ہو رہی ہے کہ تمہارا یہ رویہ غلط تھا۔ محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں' وہ معبود تو نہیں ہیں۔ تم ان کے لیے جہاد نہیں کر رہے' بلکہ اللہ کے لیے کر رہے ہو' اللہ کے دین کے غلبے کے لیے اپنے جان و مال قربان کر رہے ہو۔ محمد ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں۔

﴿قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ﴾ ''ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔''

﴿اَفَا۠ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ؕ﴾ ''تو کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟''

کیا اس صورت میں تم اُلٹے پاؤں راہِ حق سے پھر جاؤ گے؟ کیا یہی تمہارے دین اور ایمان کی حقیقت ہے؟

﴿وَمَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡہِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ﴾ ''اور جو کوئی بھی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔''

﴿وَسَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾﴾ ''ہاں اللہ بدلہ دے گا شکر کرنے والوں کو۔''

حضرت عمرؓ چونکہ جذباتی انسان تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر حوصلہ چھوڑ گئے۔ آپؓ کی تقریباً یہی کیفیت پھر حضور ﷺ کے انتقال پر ہو گئی تھی۔ آپؓ تلوار سونت کر بیٹھ گئے تھے کہ جو کہے گا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اُس کا سر اُڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ ''ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر'' اُس وقت مدینہ کے مضافات میں تھے۔ آپؓ آتے ہی سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے حجرے میں گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر چادر تھی' آپؓ نے چادر ہٹائی اور جھک کر آنحضور ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور رو دیے۔ پھر کہا: اے اللہ کے رسول' میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ یعنی اب دوبارہ آپؐ پر موت وارد نہیں ہو گی' اب تو آپؐ کو حیاتِ جاودانی حاصل ہو چکی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ باہر آئے اور لوگوں سے خطاب شروع کیا تو حضرت عمرؓ بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: مَنۡ کَانَ یَعۡبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدۡ مَاتَ' وَمَنۡ کَانَ یَعۡبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوۡتُ ''جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے' اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا اُسے معلوم ہو کہ اللہ تو زندہ ہے' جسے موت نہیں آئے گی''۔ اس کے بعد آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۠ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡہِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَسَیَجۡزِی اللّٰہُ

الشّٰکِرِیْنَ﴿۱۴۴﴾ حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ آیت سن کر لوگوں کو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہو۔ (۱)

آیت ۱۴۵ ﴿وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾ ''اور کسی جان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مر سکے مگر اللہ کے حکم سے''

﴿کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ﴾ ''(ہر ایک کی موت کا) وقت مقرر لکھا ہوا ہے۔''

اجل معین کے ساتھ ہر ایک کا وقت طے ہے۔ لہٰذا انسان کی بہترین محافظ خود موت ہے۔ آپ کی موت کا جو وقت مقرر ہے اس سے پہلے کوئی آپ کے لیے موت نہیں لا سکتا۔

﴿وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا ۚ﴾ ''جو کوئی دنیا کا اجر و ثواب چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دے دیتے ہیں''۔

﴿وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَۃِ نُؤْتِہٖ مِنْھَا ؕ﴾ ''اور جو واقعتاً آخرت کا اجر چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیں گے۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۰۰۔۲۰۲ میں حج کے سلسلے میں آ چکا ہے۔

﴿وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ﴿۱۴۵﴾﴾ ''اور شکر کرنے والوں کو ہم بھرپور جزا دیں گے۔''

آیت ۱۴۶ ﴿وَکَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ۚ﴾ ''کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی۔''

اے مسلمانو! تمہارے ساتھ جو یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ پہلا تو نہیں ہے۔ اللہ کے بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں جن کی معیت میں بہت سارے اللہ والوں نے، اللہ کے ماننے اور چاہنے والوں نے، اللہ کے دیوانوں اور متوالوں نے، اللہ کے غلاموں اور عاشقوں نے اللہ کے دشمنوں سے جنگیں کی ہیں۔ ''رِبِّی'' اور ''ربّانی'' کا لفظ آج بھی یہودیوں کے ہاں استعمال ہوتا ہے۔

﴿فَمَا وَھَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ ''تو اللہ کی راہ میں جو بھی تکلیفیں ان پر آئیں اس پر انہوں نے ہمت نہیں ہاری''

﴿وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَکَانُوْا ؕ﴾ ''اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ ہی (باطل کے آگے) سرنگوں ہوئے۔''

﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ﴿۱۴۶﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی صابروں سے محبت ہے۔''

تو اے مسلمانو! ان کا کردار اپناؤ اور دل گرفتہ نہ ہو۔

آیت ۱۴۷ ﴿وَمَا کَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا﴾ ''اور اُن کا تو ہر مرحلے پر یہی قول ہوتا تھا کہ وہ دعا کرتے تھے کہ اے ربّ ہمارے! بخش دے ہمیں ہمارے گناہ اور اگر ہم سے اپنے کسی معاملے میں حد سے تجاوز ہو گیا ہو تو اسے معاف فرما دے''

﴿وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ﴿۱۴۷﴾﴾ ''اور ہمارے قدموں کو جما دے اور ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلے میں۔''

حضرت طالوت کے ساتھیوں کی بھی یہی دعا تھی اور سورۃ البقرۃ کے اختتام پر آنے والی دعا کے الفاظ بھی یہی تھے: ﴿فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ﴾۔

آیت ۱۴۸ ﴿فَاٰتٰىھُمُ اللّٰہُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَۃِ ؕ﴾ ''تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ثواب بھی عطا فرمایا اور آخرت کے ثواب کا بھی بہت ہی عمدہ حصہ عطا کیا۔''

انہیں دنیا کی سربلندی بھی دی، فتوحات سے بھی نوازا اور آخرت کا بہترین اجر بھی عطا فرمایا۔

﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴿۱۴۸﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی محسنین کو پسند کرتا ہے۔''

آیات ۱۴۹ تا ۱۵۵

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ﴿۱۴۹﴾ بَلِ
اللّٰہُ مَوْلٰىکُمْ ۚ وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا
لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَی الظّٰلِمِیْنَ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗٓ اِذْ
تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِہٖ ۚ حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ
مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ۚ ثُمَّ صَرَفَکُمْ عَنْھُمْ لِیَبْتَلِیَکُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ ؕ
وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ
اُخْرٰىکُمْ فَاَثَابَکُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا مَآ اَصَابَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآئِفَۃً مِّنْکُمْ ۙ وَطَآئِفَۃٌ قَدْ اَھَمَّتْھُمْ
اَنْفُسُھُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاھِلِیَّۃِ ؕ یَقُوْلُوْنَ ھَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ

اَلۡاَمۡرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمۡ ۚ وَلِیَبۡتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۵۵﴾

آیت ۱۴۹ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَرُدُّوۡکُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ﴾ ''اے اہل ایمان! اگر تم ان لوگوں کا کہنا مانو گے جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل واپس لے جائیں گے''

﴿فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾﴾ ''پھر تم بالکل نامراد ہو کے رہ جاؤ گے۔''

آیت ۱۵۰ ﴿بَلِ اللّٰهُ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ﴾ ''حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تو اللہ ہے۔''

تمہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ تمہارا مولیٰ' مدد گار' پشت پناہ' ساتھی اور حمایتی اللہ ہے۔

﴿وَهُوَ خَیۡرُ النّٰصِرِیۡنَ ﴿۱۵۰﴾﴾ ''اور وہی ہے جو سب سے اچھا مددگار ہے۔''

آیت ۱۵۱ ﴿سَنُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ﴾ ''ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے''

﴿بِمَاۤ اَشۡرَکُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا ۚ﴾ ''اس سبب سے کہ انہوں نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جن کے حق میں اُس نے کوئی سند نہیں اُتاری۔''

﴿وَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئۡسَ مَثۡوَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۵۱﴾﴾ ''اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ان ظالموں کے لیے۔''

اس آیت میں دراصل توجیہہ بیان ہو رہی ہے کہ غزوۂ اُحد میں مشرکین واپس کیوں چلے گئے' جب کہ ان کو اس درجے کھلی فتح حاصل ہو چکی تھی اور مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہاڑ کے اوپر چڑھ کر پناہ لے لی تھی۔ خالد بن ولید کہہ رہے تھے کہ ہمیں ان کا تعاقب کرنا چاہیے اور اس معاملے کو ختم کر دینا چاہیے۔ لیکن ابوسفیان کے دل میں اللہ نے اُس وقت ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ لشکر کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔ ورنہ واقعتاً اُس وقت صورتِ حال بہت مخدوش ہو چکی تھی۔

آیت ۱۵۲ ﴿وَلَقَدۡ صَدَقَکُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ ۚ﴾ ''اور اللہ نے تو تم سے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا جبکہ تم ان کو تہ تیغ کر رہے تھے اللہ کے حکم سے۔''

غزوۂ اُحد میں جو عارضی شکست ہو گئی تھی اور مسلمانوں کو زک پہنچی تھی' جس سے ان کے دل زخمی تھے اس کے ضمن میں اب یہ آیت ایک قول فیصل کے انداز میں آئی ہے کہ دیکھو مسلمانو! تم ہم سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے' اللہ نے تم سے تائید و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا تھا جبکہ تم انہیں اللہ کے حکم سے قتل کر رہے تھے' گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ تمہیں فتح حاصل ہو گئی تھی اور ہمارا وعدہ پورا ہو چکا تھا۔

﴿حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ﴾ ''یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے پڑ گئے اور امر میں تم نے جھگڑا کیا''

فَشِلۡتُمۡ کا ترجمہ بعض مترجمین نے کچھ اور بھی کیا ہے' لیکن میرے نزدیک یہاں نظم (ڈسپلن) کو ڈھیلا کرنا مراد ہے۔ اسلامی نظمِ جماعت میں سمع و طاعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے' اور ظاہر ہے کہ سمع و طاعت میں ایک ہی شخص کی اطاعت مقصود نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی فرض تھی اور آپ ﷺ اگر کسی کو امیر مقرر کرتے تو اس کی اطاعت بھی فرض تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنۡ اَطَاعَنِیۡ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ' وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَقَدۡ عَصَی اللّٰهَ ' وَمَنۡ اَطَاعَ اَمِیۡرِیۡ فَقَدۡ اَطَاعَنِیۡ' وَمَنۡ عَصٰی اَمِیۡرِیۡ فَقَدۡ عَصَانِیۡ)) (۱)

''جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی' اور جس نے میرے نامزد کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔''

اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تو انہوں نے تاویل کر لی تھی کہ حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا تھا کہ اگر ہم سب بھی اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں اور تم دیکھو کہ چیلیں اور کوے ہمارا گوشت کھا رہے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا' تو یہ شکست کی صورت میں تھا' لیکن اب تو فتح ہو گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جان بوجھ کر اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے مقامی امیر (لوکل کمانڈر) کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔ میرے نزدیک یہاں ''عَصَیۡتُمۡ'' سے یہی حکم عدولی مراد ہے۔ اسلامی نظمِ جماعت میں اوپر سے لے کر نیچے تک' سپہ سالار سے لے کر لوکل کمانڈر تک' درجہ بدرجہ نظامِ سمع و طاعت کی پابندی ضروری ہے۔ فوج کا ایک سپہ سالار ہے' لیکن پھر پوری فوج کے کئی حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک کا ایک امیر ہوتا ہے۔ میسرہ' میمنہ' قلب اور ہراول دستہ وغیرہ' ہر ایک کا ایک کمانڈر ہوتا ہے۔ اب اگر ان کمانڈروں کے احکام سے سرتابی ہو گی تو ایسی فوج کا جو انجام ہو گا وہ معلوم ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کے اندر درجہ بدرجہ جو بھی نظامِ سمع و طاعت ہے اُس کی پوری پوری پابندی ضروری ہے۔

﴿وَعَصَیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ ''اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم نے وہ چیز دیکھ لی جو تمہیں محبوب ہے۔''

﴿عَصَیۡتُمۡ﴾ کے بارے میں وضاحت ہو چکی ہے کہ اس سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں‘ بلکہ لوکل کمانڈر کی نافرمانی ہے۔ ﴿مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰٮکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ سے اکثر مفسرین نے مالِ غنیمت مراد لیا ہے‘ کہ درّے پر مامور حضرات مالِ غنیمت کی طلب میں درّہ چھوڑ کر چلے گئے‘ لیکن میرے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون تو غزوۂ بدر کے بعد سورۃ الانفال میں نازل ہو چکا تھا۔ اس کی رو سے چاہے کوئی شخص کچھ جمع کرے یا نہ کرے اسے مالِ غنیمت میں سے برابر کا حصہ ملے گا۔ یہاں ﴿مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰٮکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ سے مراد دراصل ’’فتح‘‘ ہے اور اس کے لیے ’’القرآن یفسّر بعضہ بعضًا‘‘ کی رُو سے سورۃ الصّف کی یہ آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے: ﴿وَ اُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَہَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ﴾ (آیت۱۳) گویا بندۂ مؤمن کو دنیا میں فتح ونصرت محبوب تو ہوتی ہے‘ لیکن اسے اس کو اپنا مقصود نہیں بنانا۔ اس کا مقصود اللہ کی رضا جوئی اور اپنے فرض کی ادائیگی ہے۔ باقی کامیابی یا ناکامی اللہ کی مرضی اور اس کی حکمت کے تحت ہوتی ہے۔ اللہ کب فتح لانا چاہتا ہے وہ بہتر جانتا ہے۔

﴿مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا﴾ ’’تم میں سے وہ بھی ہیں جو دنیا چاہتے ہیں‘‘

یعنی وہ خواہش رکھتے ہیں کہ دنیا میں فتح ونصرت اور کامیابی حاصل ہو جائے‘ ہمارا بول بالا ہو جائے‘ ہماری حکومت قائم ہو جائے۔

﴿وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ۚ﴾ ’’اور تم میں وہ بھی ہیں جو صرف آخرت کے طالب ہیں‘‘۔

﴿ثُمَّ صَرَفَکُمۡ عَنۡہُمۡ لِیَبۡتَلِیَکُمۡ ۚ﴾ ’’پھر اللہ نے تمہارا رُخ پھیر دیا اُن کی طرف سے تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔‘‘

پہلے وہ بھاگ رہے تھے اور تم ان کا تعاقب کر رہے تھے‘ اب معاملہ الٹا ہو گیا کہ تم پسپا ہو گئے اور اپنی جانیں بچانے کے لیے اِدھر اُدھر جائے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ تمہاری یہ پسپائی تمہارے لیے آزمائش تھی۔

﴿وَ لَقَدۡ عَفَا عَنۡکُمۡ ؕ﴾ ’’اور اللہ تمہیں معاف کر چکا ہے۔‘‘

تم میں سے جس کسی سے جو بھی خطا ہوئی اللہ نے اسے معاف فرما دیا ہے۔

﴿وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے حق میں بہت فضل والا ہے۔‘‘

آیت ۱۵۳ ﴿اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَ لَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ﴾ ’’یاد کرو جب کہ تم (پہاڑ پر) چڑھے چلے جا رہے تھے (جان بچانے کے لیے) اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے‘‘

﴿وَّ الرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰٮکُمۡ﴾ ’’اور رسول (ﷺ) تمہیں پکار رہے تھے تمہارے پیچھے سے‘‘

غزوۂ اُحد میں خالد بن ولید کے اچانک حملے سے ایک بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ بعض صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حفاظتی حصار میں لے لیا تھا اور انہوں نے اپنے جسموں کو ڈھال بن کر آنحضور ﷺ کی حفاظت کی۔ بہت سے لوگ سراسیمہ ہو کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعض کوہِ اُحد پر چڑھے جا رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ انہیں پکار پکار کر واپس بلا رہے تھے۔

﴿فَاَثَابَکُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ﴾ ’’تو اللہ تعالیٰ تم پر غم کے بعد غم مسلسل ڈالتا رہا‘‘

﴿لِّکَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَ لَا مَاۤ اَصَابَکُمۡ ؕ﴾ ’’تاکہ (آئندہ کے لیے تمہیں یہ سبق ملے کہ) تم غمگین نہ ہوا کرو اُس پر کہ جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور نہ اُس تکلیف پر کہ جو تم پر آ پڑے۔‘‘

یعنی ع ’’رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج!‘‘ آدمی کو اگر کبھی اتفاقاً ہی رنج وغم کا سامنا کرنا پڑے تو اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے‘ لیکن جب پے در پے رنج وغم اٹھانے پڑیں تو ان کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ دامنِ اُحد میں مسلمانوں کو پے در پے تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ سب سے بڑا رنج جو پیش آیا وہ حضور ﷺ کے انتقال کی خبر تھی‘ جس پر کسی کو اپنے تن بدن کا تو ہوش ہی نہیں رہا کہ خود اس کو کیا زخم لگا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کی کیفیت میں ایک تخفیف پیدا کر دی۔

﴿وَ اللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾﴾ ’’اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کر رہے تھے۔‘‘

آیت ۱۵۴ ﴿ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَۃً﴾ ’’پھر اس غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم پر اطمینان نازل فرمایا‘‘

﴿نُّعَاسًا یَّغۡشٰی طَآئِفَۃً مِّنۡکُمۡ ۙ﴾ ’’یعنی نیند جو تم میں سے ایک گروہ پر طاری ہو گئی‘‘

انسان کو نیند جو آتی ہے یہ اطمینانِ قلب کا مظہر ہوتی ہے کہ جیسے اب اُس نے سب کچھ بھلا دیا۔ عین حالت جنگ میں ایسی کیفیت اللہ کی رحمت کا مظہر تھی۔

﴿وَ طَآئِفَۃٌ قَدۡ اَہَمَّتۡہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ﴾ ’’اور ایک گروہ ایسا تھا کہ جنہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی‘‘

﴿یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاہِلِیَّۃِ ؕ﴾ ’’وہ اللہ کے بارے میں ناحق جہالت والے گمان کر رہے تھے‘‘

عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین سو ساتھی تو میدانِ جنگ کے راستے ہی سے واپس ہو گئے تھے۔ اس کے بعد بھی اگر مسلمانوں کی جماعت میں کچھ منافقین باقی رہ گئے تھے تو ان کا حال یہ تھا کہ اُس وقت انہیں اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ ایسی کیفیت میں انہیں اونگھ کیسے آتی؟ ان کا حال تو یہ تھا کہ ان کے دلوں میں وسوسے آ رہے تھے کہ اللہ نے تو مدد کا وعدہ کیا تھا‘ لیکن وہ وعدہ پورا نہیں ہوا‘ اللہ کی بات سچی ثابت نہیں ہوئی۔ اس طرح ان کے دل ودماغ میں خلافِ حقیقت زمانۂ جاہلیت کے گمان پیدا ہو رہے تھے۔

﴿یَقُوۡلُوۡنَ ہَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ﴾ ’’وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے لیے بھی اختیار میں کوئی حصہ ہے یا

نہیں؟''

یہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے جنگ سے قبل مشورہ دیا تھا (جیسے حضور ﷺ کی اپنی رائے بھی تھی) کہ مدینے کے اندر محصور رہ کر جنگ کی جائے۔ جب ان کے مشورے پر عمل نہیں ہوا تو وہ کہنے لگے کہ ان معاملات میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے یا ساری بات محمد (ﷺ) ہی کی چلے گی؟ یہ بھی جماعتی زندگی کی ایک خرابی ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ میری بات بھی مانی جائے' میری رائے کو بھی اہمیت دی جائے۔ آخر ہم سب اپنے امیر ہی کی رائے کیوں مانتے چلے جائیں؟ ہمارا بھی کچھ اختیار ہے یا نہیں؟

﴿قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ﴾ ''کہہ دیجیے کہ سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔''

﴿یُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ ۭ﴾ ''(اے نبیؐ) یہ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کر رہے۔''

ان کے دل میں کیا ہے' اب اللہ کھول کر بتا رہا ہے۔

﴿یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ﴾ ''یہ (اپنے دل میں) کہتے ہیں کہ اگر اختیار میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔''

اگر ہماری رائے مانی جاتی' ہمارے مشورے پر عمل ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ یعنی ہمارے اتنے لوگ یہاں پر شہید نہ ہوتے۔

﴿قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ﴾ ''ان سے کہیے اگر تم سب کے سب اپنے گھروں میں ہوتے''

﴿لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ﴾ ''تب بھی جن لوگوں کا قتل ہونا مقدر تھا وہ اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کر رہتے۔''

اللہ کی مشیت میں جن کے لیے طے تھا کہ انہیں شہادت کی خلعت فاخرہ پہنائی جائے گی وہ خود بخود اپنے گھروں سے نکل آتے اور کشاں کشاں ان جگہوں پر پہنچ جاتے جہاں انہوں نے خلعت شہادت زیب تن کرنی تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں' تمہاری تدبیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ﴾ ''اور یہ (معاملہ جو پیش آیا) اس لیے تھا کہ اللہ اسے آزما لے جو کچھ تمہارے سینوں میں تھا''

﴿وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ۭ﴾ ''اور تاکہ وہ بالکل پاک اور خالص کر دے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۱۵۴﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سینوں کے اندر مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔''

آیت ۱۵۵ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ﴾ ''تم میں سے وہ لوگ جو میدانِ جنگ سے چلے گئے اُس دن جب دو گروہ ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے''

یہ ایسے مخلص حضرات کا تذکرہ ہے جو اچانک حملے کے بعد جنگ کی شدت سے گھبرا کر اپنی جان بچانے کے لیے وقتی طور پر پیٹھ پھیر گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ کوہِ اُحد پر چڑھ گئے تھے اور کچھ اس سے ذرا آگے بڑھ کر میدان ہی سے باہر چلے گئے تھے۔ ان میں بعض کبار صحابہ ؓ کا نام بھی آتا ہے۔ دراصل یہ بھگدڑ مچ جانے کے بعد ایسی اضطراری کیفیت تھی کہ اُس میں کسی سے بھی کسی ضعف اور کمزوری کا اظہار ہو جانا بالکل قرین قیاس بات ہے۔

﴿اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ﴾ ''اصل میں شیطان نے ان کے پاؤں پھسلا دیے تھے ان کے بعض افعال کی وجہ سے۔''

کسی وقت کوئی تقصیر ہو گئی ہو' کوئی کوتاہی ہو گئی ہو' یا کسی کمزوری کا اظہار ہو گیا ہو' یہ مخلص مسلمانوں سے بھی بعید نہیں۔ ایسا معاملہ ہر ایک سے پیش آ سکتا ہے۔ معصوم تو صرف نبی ہوتے ہیں۔ انسانی کمزوریوں کی وجہ سے شیطان کو موقع مل جاتا ہے کہ کسی وقت وہ اڑنگا لگا کر اُس شخص کو پھسلا دے' خواہ وہ کتنا ہی نیک اور کتنا ہی صاحبِ رُتبہ ہو۔

﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ﴾ ''اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے۔''

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ بعض گمراہ فرقے اس بات کو بہت اچھالتے ہیں اور بعض صحابہ کرام ؓ کی توہین کرتے ہیں' ان پر تنقید کرتے ہیں کہ یہ میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے تھے۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی معافی کا اعلان کر چکا ہے۔ اس کے بعد اب کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اُن پر زبانِ طعن دراز کرے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۱۵۵﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور بردبار ہے۔''

آیات ۱۵۶ تا ۱۸۰

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ
كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۭ
وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۱۵۶ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۱۵۷ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۱۵۸ فَبِمَا رَحْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ

الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ
بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ
بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ
اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ
الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا
لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ
فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ
مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾
فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾
وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ
حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ
شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا

نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ
عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ
مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا
يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ
سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

آیت ۱۵۶ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اے اہل ایمان! تم اُن لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا''

﴿وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ﴾ ''اور جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں جبکہ وہ زمین میں سفر پر نکلے ہوئے تھے یا کسی جہاد میں شریک تھے (اور وہاں ان کا انتقال ہوگیا) کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے' نہ قتل ہوتے۔''

ہر شخص کی موت کا وقت تو معین ہے۔ وہ اگر تمہاری گود میں بیٹھے ہوں تب بھی موت آجائے گی۔ چاہے وہ بہت ہی مضبوط پہرے والے قلعوں میں ہوں موت تو وہاں بھی پہنچ جائے گی۔ تو تم اس طرح کی باتیں نہ کرو۔ یہ تو کافروں کے انداز کی باتیں ہیں کہ اگر ہمارے پاس ہوتے اور جنگ میں نہ جاتے تو بچ جاتے۔ یہ ساری باتیں درحقیقت ایمان کے منافی ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ))(۱) ''کاش کا لفظ شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے''۔ یعنی یہ کہنا کہ کاش ایسے ہوجاتا تو یوں ہوجاتا' اس کلمہ ہی سے شیطان کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ جو ہوا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا ہونا منظور تھا' اس کی حکمتیں اسے معلوم ہیں' ہم اس کی حکمت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

﴿لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾ ''(یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آتی ہے) تاکہ اللہ اس کو اُن کے دلوں میں حسرت کا باعث بنادے''۔

اس قسم کی باتوں سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسرت کی آگ جلا دیتا ہے۔ یہ بھی گویا ان کے کفر کی سزا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ﴾ ''اور دیکھو اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۱۵۷ ﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ﴾ ''اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہوجاؤ یا ویسے ہی تمہیں موت آجائے''

﴿لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ ''تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مغفرت اور رحمت تمہیں ملے گی وہ کہیں بہتر ہے اُن چیزوں سے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔''

اگر دنیا میں دس پندرہ سال اور جی لیتے تو کیا کچھ جمع کر لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شہادت کی موت دے دی' تمہارے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی!

آیت ۱۵۸ ﴿وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾﴾ ''اور چاہے تم مرو یا قتل ہو' بہرحال اللہ ہی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔''

چاہے تمہیں اپنے بستروں پر موت آئے اور چاہے تم قتل ہو' ہر حال میں تمہیں اللہ کی جناب میں حاضر کر دیا جائے گا۔ تمہاری آخری منزل تو وہی ہے' خواہ تم بستر پر پڑے ہوئے دم توڑ دو یا میدانِ جنگ کے اندر جامِ شہادت نوش کر لو۔

آیت ۱۵۹ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج﴾ ''(اے نبیﷺ) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔''

اس سورۂ مبارکہ کی یہ آیت بھی بڑی اہم ہے۔ جماعتی زندگی میں جو بھی امیر ہو' صاحب امر ہو' جس کے پاس ذمہ داریاں ہوں' جس کے گرد اس کے ساتھی جمع ہوں' اسے یہ خیال رہنا چاہیے کہ آخر وہ بھی انسان ہیں' ان کے بھی کوئی جذبات اور احساسات ہیں' ان کی عزتِ نفس بھی ہے' لہٰذا ان کے ساتھ نرمی کی جانی چاہیے' سختی نہیں۔ وہ کوئی ملازم نہیں ہیں' بلکہ رضا کار (volunteers) ہیں۔ آنحضورﷺ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ کوئی تنخواہ یافتہ سپاہی تو نہیں تھے۔ یہ لوگ ایمان کی بنیاد پر جمع ہوئے تھے۔ اب بھی کوئی دینی جماعت وجود میں آتی ہے تو جو لوگ اس میں کام کر رہے ہیں وہ دینی جذبے کے تحت جڑے ہوئے ہیں' لہٰذا ان کے امراء کو ان کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ رسول اللہﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ یہ اللہ کی رحمت کا مظہر ہے کہ آپؐ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص﴾ ''اور اگر آپؐ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپؐ کے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے۔''

کوئی کارواں سے ٹوٹا' کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ ''پس آپ ان سے درگزر کریں''

چونکہ بعض صحابہؓ سے اتنی بڑی غلطی ہوئی تھی کہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو بہت بڑا چرکا لگ گیا تھا' لہٰذا آنحضورﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ اپنے ان ساتھیوں کے لیے اپنے دل میں میل مت آنے دیجیے۔ ان کی غلطی اور کوتاہی کو اللہ نے معاف کر دیا ہے تو آپؐ بھی انہیں معاف کر دیں۔ عام حالات میں بھی آپ انہیں معاف کرتے رہا کریں۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ ''اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں''

ان سے جو بھی خطا ہو جائے اس پر ان کے لیے استغفار کیا کریں۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ج﴾ ''اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔''

ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کریں کہ آئندہ ان کی کوئی بات نہیں سننی' بلکہ ان کو بھی مشورے میں شامل رکھیے۔ اس سے بھی باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا امیر ہم سے مشورہ کرتا ہے' ہماری بات کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ یہ بھی درحقیقت اجتماعی زندگی کے لیے بہت ہی ضروری بات ہے۔

﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط﴾ ''پھر جب آپ فیصلہ کر لیں تو اب اللہ پر توکل کریں۔''

مشورے کے بعد جب آپؐ کا دل کسی رائے پر مطمئن ہو جائے اور آپ ایک فیصلہ کر لیں تو اب کسی شخص کی بات کی پرواہ نہ کریں' اب سارا توکل اللہ کی ذات پر ہو۔ غزوۂ اُحد سے پہلے رسول اللہﷺ نے مشورہ کیا تھا' اُس وقت کچھ لوگوں کی رائے وہی تھی جو آنحضورﷺ کی رائے تھی' یعنی مدینہ میں محصور ہو کر جنگ کی جائے۔ لیکن کچھ حضرات نے کہا ہم تو کھلے میدان میں جنگ کرنا چاہتے ہیں' ہمیں تو شہادت کی موت چاہیے تو حضورﷺ نے ان کی رعایت کی اور باہر نکلنے کا فیصلہ فرما دیا۔ اس کے فوراً بعد جب آپﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے سے برآمد ہوئے تو خلافِ معمول آپؐ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اس سے لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ کچھ سخت معاملہ پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے کہا کہ حضورﷺ ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں' جو آپؐ کی رائے ہے آپ اس کے مطابق فیصلہ کیجیے۔ لیکن آپﷺ نے فرمایا کہ نہیں' یہ فیصلہ برقرار رہے گا۔ نبی کو یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار باندھنے کے بعد جنگ کیے بغیر انہیں اتار دے۔ یہ آیت گویا نبی اکرمﷺ کے طرزِ عمل کی توثیق میں نازل ہوئی ہے کہ جب آپ ایک فیصلہ کر لیں تو اللہ پر توکل کیجیے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آیت ۱۶۰ ﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ج﴾ ''(اے مسلمانو! دیکھو) اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔''

﴿وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ط﴾ ''اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (تمہاری مدد سے دست کش ہو جائے) تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد؟''

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾﴾ ''اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔''

آیت ۱۶۱ ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ يَّغُلَّ ط﴾ ''اور کسی نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے۔''

غَلَّ یَغُلُّ غُلُوْلًا کے معنی ہیں خیانت کرنا اور مالِ غنیمت میں سے کسی چیز کا چوری کر لینا' جبکہ غَلَّ یَغِلُّ غِلًّا کے معنی دل میں کینہ ہونا کے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضورﷺ پر منافقوں نے الزام لگایا تھا کہ آپؐ نے مالِ غنیمت میں کوئی خیانت کی ہے (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!) یہ اس الزام کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کسی نبیؐ کی شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرے۔ البتہ مولانا اصلاحی صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس لفظ کو صرف مالی خیانت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ دراصل منافقین کے اس الزام کی تردید ہے جو انہوں نے اُحد کی شکست کے بعد رسول اللہﷺ پر لگایا تھا کہ ہم نے تو اس شخص پر اعتماد کیا' اس کے ہاتھ پر بیعت کی' اپنے نیک و بد کا اس کو مالک بنایا' لیکن یہ اس اعتماد سے بالکل غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہمارے جان و مال کو اپنے ذاتی حوصلوں اور اُمنگوں کے لیے تباہ کر رہے ہیں۔ یہ عرب پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے ہماری جانوں کو تختۂ مشق بنایا ہے۔ یہ صریحاً قوم کی بدخواہی اور اس کے ساتھ غداری و بے وفائی ہے۔ قرآن نے ان کے اس الزام کی تردید فرمائی ہے کہ تمہارا یہ الزام بالکل جھوٹ ہے' کوئی نبی اپنی اُمت کے ساتھ کبھی بے وفائی اور بدعہدی نہیں کرتا۔ نبی جو قدم بھی اٹھاتا ہے رضائے الٰہی کی طلب میں اور اس کے احکام کے تحت اٹھاتا ہے۔

﴿وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ﴾ ''اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز سمیت حاضر ہوگا قیامت کے دن۔''

اللہ تعالیٰ کے قانونِ جزا و سزا سے ایک نبی سے بڑھ کر کون باخبر ہوگا؟

﴿ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝۱۶۱﴾ ''پھر ہر جان کو پورا پورا دے دیا جائے گا جو کچھ اُس نے کمایا ہوگا اور اُن پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔''

نوٹ کیجیے لفظ ''تُوَفّٰی'' یہاں بھی پورا پورا دیے جانے کے معنی میں آیا ہے۔

آیت ۱۶۲ ﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''تو کیا بھلا وہ شخص جس نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اُس کی مانند ہو جائے گا جو اللہ کے غضب اور غصے کو کما کر لوٹا؟''

﴿وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ﴾ ''اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶۲﴾ ''اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے پہنچنے کی۔''

آیت ۱۶۳ ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''ان کی بھی درجہ بندیاں ہیں اللہ کے ہاں۔''

جیسے نیکوکاروں کے درجے ہیں اسی طرح وہاں بدکاروں کے بھی درجے ہیں۔ سب بدکار برابر نہیں اور سب نیکوکار برابر نہیں۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۳﴾ ''اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

اب آگے جو آیت آ رہی ہے' یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں دو مرتبہ آ چکا ہے۔ پہلی مرتبہ سورۃ البقرۃ کے پندرہویں رکوع میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا تھا: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ﴾ (آیت ۱۲۹) پھر اٹھارہویں رکوع کے آخر میں یہ الفاظ آئے تھے: ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۵۱﴾ اب یہ مضمون تیسری مرتبہ یہاں آ رہا ہے:

آیت ۱۶۴ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''درحقیقت اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے اہل ایمان پر''

﴿اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''جب اُن میں اٹھایا ایک رسولؐ ان ہی میں سے''

یعنی ان کی اپنی قوم میں سے۔

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ﴾ ''جو تلاوت کر کے انہیں سناتا ہے اس کی آیات''

﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ ''اور انہیں پاک کرتا ہے''

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ﴾ ''اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب و حکمت کی۔''

یہ انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کے چار عناصر ہیں' جنہیں قرآن اسی ترتیب سے بیان کرتا ہے: تلاوتِ آیات' تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں جو ترتیب تھی' اللہ نے اس کو تبدیل کیا ہے۔ اس پر سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۱ کے ذیل میں گفتگو ہو چکی ہے۔

﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۶۴﴾ ''اور یقیناً اس سے پہلے (یعنی رسولﷺ کی آمد سے قبل) تو وہ لازماً کھلی گمراہی کے اندر مبتلا تھے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ﴾ ''اور کیا جب تم پر ایک مصیبت آئی' جبکہ تم اس سے دگنی مصیبت اُن کو پہنچا چکے ہو تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟''

یعنی یہ کیوں ہو گیا؟ اللہ نے پہلے مدد کی تھی' اب کیوں نہیں کی؟

﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ﴾ ''(اے نبیؐ) کہہ دیجیے یہ تمہارے اپنے نفسوں (کی شرارت کی وجہ) سے ہوا ہے۔''

غلطی تم نے کی تھی' امیر کے حکم کی خلاف ورزی تم نے کی تھی' جس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۶۵﴾ ''یقیناً اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

گویا اسی مضمون کو یہاں دہرا کر لایا گیا ہے جو پیچھے آیت ۱۵۲ میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تو وعدہ اپنا پورا کر چکا تھا اور تم

دشمن پر غالب آ چکے تھے‘ مگر تمہاری اپنی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اللہ چاہتا تو تمہیں کوئی سزا نہ دیتا‘ بغیر سزا دیے معاف کر دیتا‘ لیکن اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ تمہیں سزا دی جائے۔ اس لیے کہ ابھی تو بڑے بڑے مراحل آنے ہیں۔ اگر اسی طرح تم نظم کو توڑتے رہے اور احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے تو پھر تمہاری حیثیت ایک جماعت کی تو نہیں ہوگی‘ پھر تو ایک انبوہ ہوگا‘ ”ہجوم مؤمنین“ ہوگا‘ جبکہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ایک منظّم جماعت‘ لشکر‘ فوج‘ حزب اللہ درکار ہے۔

آیت ۱۶۶ ﴿وَمَآ اَصَابَكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾ ”اور جو بھی مصیبت تم پر آئی ہے اُس دن جب دونوں لشکر آپس میں بھڑ گئے تھے وہ اللہ کے اِذن سے آئی ہے“

اللہ کے اذن کے بغیر تو یہ تکلیف نہیں آ سکتی تھی۔

﴿وَلِيَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿١٦٦﴾﴾ ”اور یہ اس لیے تھی کہ اللہ ظاہر کر دے ایمان والوں کو۔“

یہ ظاہر ہو جائے کہ کون ہیں اصل مؤمن‘ حقیقی مؤمن جو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

آیت ۱۶۷ ﴿وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا ۖۚ﴾ ”اور تاکہ ان لوگوں کو بھی ظاہر کر دے جنہوں نے منافقت اختیار کی۔“

”لِيَعۡلَمَ“ کا معنی ہے ”تاکہ جان لے“ — لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے لہٰذا ایسے مقامات پر ترجمہ کیا جاتا ہے: ”تاکہ اللہ ظاہر کر دے“۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً ظاہر کر دیا کہ کون مؤمن ہے اور کون منافق! عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر چلا گیا تو سب پر ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ اب آئندہ اہل ایمان ان کی بات پر اعتبار تو نہیں کریں گے‘ ان کی چکنی چپڑی باتیں کان لگا کر تو نہیں سنیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ بالکل واضح ہو جائے کہ Who is who & what is what?۔

﴿وَقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ﴾ ”اور ان (منافقوں) سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (کم از کم اپنے شہر کا) دفاع کرو۔“

عبداللہ بن اُبی جب اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس جا رہا تھا تو اس وقت ان سے کچھ لوگوں نے کہا ہوگا کہ بیوقوفو! کہاں جا رہے ہو؟ اس وقت تو لشکر سامنے ہے۔ اگر ایک ہزار میں سے تین سو آدمی نکل جائیں گے تو باقی لوگوں کے دلوں میں بھی کچھ نہ کچھ کمزوری پیدا ہوگی۔ اگر تم میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو کم از کم مدینہ کے دفاع کے لیے تو کمربستہ ہو جاؤ۔ اگر مدینہ پر حملہ ہوا تو کیا ہوگا؟ اگر یہاں پر یہ لشکر شکست کھا گیا تو کیا دشمن تمہاری بہو بیٹیوں کو اپنی باندیاں بنا کر نہیں لے جائیں گے؟

﴿قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعۡنٰكُمۡ ؕ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اگر ہم سمجھتے کہ جنگ ہونی ہے تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔“

یعنی یہ تو درحقیقت نورا کشتی ہو رہی ہے‘ یہ حقیقت میں جنگ ہے ہی نہیں۔ یہ جو مکہ سے محمد (ﷺ) کے ساتھی مہاجرین آئے ہیں اور اب یہ جو مکہ ہی سے لشکر ہم پر چڑھائی کر کے آیا ہے یہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں اور ہمارا ان سے کوئی سروکار نہیں۔

﴿هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ﴾ ”یہ لوگ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے قریب تر تھے۔“

﴿يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ﴾ ”یہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔“

﴿وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ﴿١٦٧﴾﴾ ”اور اللہ اس چیز کو خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہیں۔“

آیت ۱۶۸ ﴿اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور اپنے (شہید ہو جانے والے) بھائیوں کی نسبت کہا کہ اگر وہ بھی ہمارے ساتھ آ گئے ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔“

﴿قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿١٦٨﴾﴾ ”تو (اے نبی ﷺ) ان سے کہیے اچھا اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا کر دکھا دو۔“

کیا تم اپنے آپ سے موت کو ٹال لو گے؟ خود موت سے بچے رہو گے؟ کیا موت تمہیں اپنے گھروں میں نہیں آئے گی؟

آیت ۱۶۹ ﴿وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ﴾ ”اور ہرگز نہ سمجھنا اُن لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔“

یہی مضمون قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں آ چکا ہے: ﴿وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿١٥٤﴾﴾

﴿بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ﴿١٦٩﴾﴾ ”بلکہ وہ تو زندہ ہیں‘ اپنے ربّ کے پاس رزق پا رہے ہیں۔“

آیت ۱۷۰ ﴿فَرِحِيۡنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۙ﴾ ”شاداں و فرحاں ہیں اُس پر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے“

﴿وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ ۙ﴾ ”اور بشارت حاصل کر رہے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں اور ابھی اُن سے نہیں ملے“

﴿اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿١٧٠﴾﴾ ”کہ نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے۔“

آیت ۱۷۱ ﴿یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ﴾ ''وہ خوشیاں منا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی وجہ سے اور اس کے فضل کی بنا پر''

﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧١﴾﴾ ''اوراس بات پر کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

اب آگے جو آیات آ رہی ہیں ان کے بارے میں تاریخ وسیرت کی کتابوں میں دو قسم کی روایات آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی فوج کے واپس چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بعض ضروری امور نمٹائے اور شہداء کی تدفین کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو اچانک خیال آیا کہ یہ کفار چلے تو گئے ہیں' لیکن ہوسکتا ہے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو کہ اس وقت تو مسلمان اس حالت میں تھے کہ ہم انہیں ختم کر سکتے تھے' لہٰذا وہ کہیں دوبارہ پلٹ کر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو قریش کے تعاقب کے لیے تیار ہو جانے کا حکم دیا' تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کے باوجود کہ اہل ایمان کے جسم زخموں سے چور چور تھے' اتنا بڑا صدمہ پہنچا تھا' وہ پھر تیار ہو گئے اور حضور ﷺ جان نثاروں کی ایک جماعت کے ساتھ کفار کے تعاقب میں حمراء الاسد تک گئے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر ابوسفیان کو واقعتاً اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور وہ مقام روحاء پر رک کر اپنی فوج کی از سرِ نو تنظیم کر کے واپس پلٹ کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔ ادھر سے آنے والے ایک تاجر سے اس نے کہا بھی تھا کہ جا کر مسلمانوں کو بتا دو کہ میں بہت بڑا لشکر لے کر دوبارہ آ رہا ہوں۔ لیکن جب ابوسفیان نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عزم وحوصلہ میں کوئی کمی نہیں آئی ہے اور وہ ان کے تعاقب میں آ رہے ہیں تو ارادہ بدل لیا اور لشکر کو مکہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بیان ہوتا ہے کہ ابوسفیان جاتے ہوئے یہ کہہ گیا تھا کہ اب اگلے سال بدر میں دوبارہ ملاقات ہو گی۔ یعنی ایک سال پہلے بدر میں جنگ ہوئی تھی' اب اُحد میں ہمارا مقابلہ ہو گیا۔ اب اگلے سال پھر ہمارے اور تمہارے درمیان تیسرا مقابلہ بدر میں ہوگا۔ چنانچہ اگلے سال رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر بدر تک گئے۔ یہ مہم ''بدرِ صغریٰ'' کہلاتی ہے۔ ادھر سے ابوسفیان پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آ گیا اور اس مرتبہ بھی کچھ لوگوں کے ذریعہ سے اہل ایمان میں خوف وہراس پھیلانے کی کوشش کی کہ لوگو کیا کر رہے ہو' قریش تو بہت بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں' تم اس کا مقابلہ نہ کر پاؤ گے! تو اس کے جواب میں مسلمانوں نے صبر وتوکل کا مظاہرہ کیا اور وہ کلمات کہے جو آگے آ رہے ہیں۔ تو یہ آیات دونوں واقعات پر منطبق ہوسکتی ہیں۔

آیت ۱۷۲ ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ ۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ﴾ ''جن لوگوں نے لبیک کہی اللہ اور رسول ؐ کی پکار پر اس کے بعد کہ ان کو چرکا لگ چکا تھا۔''

یہ آیت سابقہ آیات کے تسلسل میں آئی ہے۔ یعنی اس اجر عظیم کے مستحق وہ لوگ ٹھہریں گے کہ اُحد کی شکست کا زخم کھانے کے بعد بھی ان کے عزم وایمان کا یہ حال ہے کہ جونہی اللہ اور رسول کی جانب سے انہیں ایک تازہ مہم کے لیے پکارا گیا وہ فوراً تیار ہو گئے۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾﴾ ''ان میں سے جو بھی محسنین اور متقین ہیں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۷۳ ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہو گئی ہیں' پس ان سے ڈرو!''

﴿فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ﴾ ''تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور زیادہ اضافہ کر دیا''

﴿وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾﴾ ''اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔''

اُسی کا سہارا سب سے اچھا سہارا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بے خوف ہو کر مقابلے کے لیے نکلے۔

آیت ۱۷۴ ﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ﴾ ''پس وہ لوٹ آئے اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ''

ابوسفیان کو جب پتا چلا کہ محمد ﷺ ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں تو اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ سیدھا مکہ مکرمہ کی طرف رخ کر لیا جائے۔ ''بدرِ صغریٰ'' کی مہم میں بھی یہی ہوا کہ جب اس نے سنا کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو اپنے پورے ساتھیوں کے ساتھ مقابلے پر آ گئے ہیں تو وہ کنی کترا کر اور طرح دے کر نکل گیا اور مقابلے میں نہیں آیا۔

﴿ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ﴾ ''ان کو کسی قسم کا بھی ضرر نہ پہنچا''

انہیں اس مہم میں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس میں وہ پورے اُترے۔

﴿وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور انہوں نے تو اللہ کی رضا کی پیروی کی۔''

انہیں اللہ کی رضا وخوشنودی پر چلنے کا شرف حاصل ہو گیا۔

﴿ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔''

آیت ۱۷۵ ﴿ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ شیطان ہے جو تمہیں ڈراتا ہے اپنے ساتھیوں سے''

وہ تو چاہتا ہے کہ اپنے ساتھی کفار یعنی حزب الشیطان کا خوف تم پر طاری کر دے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ یعنی شیطان کی اس تخویف کا اثر انہی پر ہوتا ہے جو اس کے ولی ہوتے ہیں' لیکن جو اولیاء

اللہ ہیں ان پر شیطان کی طرف سے اس قسم کی وسوسہ اندازی کا اثر نہیں ہوتا۔

﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ﴾ ''تو تم ان سے نہ ڈرو' مجھ سے ڈرو''

﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٧٥﴾ ''اگر تم مؤمن صادق ہو۔''

آیت ۱۷۶ ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ﴾ ''اور (اے نبیﷺ) یہ لوگ آپ کے لیے باعثِ غم نہ بنیں جو کفر کے معاملے میں اس قدر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔''

مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکین مسلمانوں کے خلاف ساز باز میں مصروف رہتے۔ کبھی یہودیوں کا کوئی وفد سردارانِ مکہ کے پاس جا کر کہتا کہ تم مسلمانوں پر چڑھائی کرو' ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ کبھی قریش یہودیوں سے رابطہ کرتے۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں بڑی Diplomatic Activity ہو رہی تھی۔ ان حالات میں رسول اللہﷺ اور آپؐ کی وساطت سے اہل ایمان کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ ان کی سرگرمیوں سے رنجیدہ نہ ہوں' ان کی ساری ریشہ دوانیوں کی حیثیت سیلاب کے اوپر آ جانے والے جھاگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

﴿اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ﴾ ''وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے۔''

یہ گویا اللہ کے اس فیصلے کا ظہور ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٧٦﴾ ''اور ان کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۱۷۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے ایمان ہاتھ سے دے کر کفر خرید لیا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٧٧﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۱۷۸ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ﴾ ''اور مت سمجھیں یہ کافر کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے''۔

کافروں کو مہلت اس لیے ملتی ہے کہ وہ اپنے کفر میں اور بڑھ جائیں تاکہ اپنے آپ کو برے سے برے عذاب کا مستحق بنا لیں۔ اللہ ان کو ڈھیل ضرور دیتا ہے' لیکن یہ نہ سمجھو کہ یہ ڈھیل ان کے حق میں اچھی ہے۔

﴿اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ﴾ ''ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور اضافہ کر لیں۔''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝١٧٨﴾ ''اور ان کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔''

آیت ۱۷۹ ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ ''اللہ وہ نہیں کہ چھوڑے رکھے مسلمانوں کو اس حالت میں جس پر تم ہو''

﴿حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ﴾ ''یہاں تک کہ وہ خبیث کو طیب سے ممیّز کر دے۔''

یہ آیت بھی فلسفۂ آزمائش کے ضمن میں بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو تکالیف میں کیوں ڈالتا ہے' حالانکہ وہ تو قادرِ مطلق ہے' آنِ واحد میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بات اللہ کی حکمت کے مطابق نہیں ہے کہ وہ تمہیں اسی حال میں چھوڑے رکھے جس پر تم ہو۔ ابھی تمہارے اندر کمزور اور پختہ ایمان والے گڈمڈ ہیں' بلکہ ابھی تو منافق اور مؤمن بھی گڈمڈ ہیں۔ تو جب تک ان عناصر کو الگ الگ نہ کر دیا جائے اور تمہاری اجتماعیت سے یہ تمام ناپاک عناصر نکال نہ دیے جائیں اُس وقت تک تم آئندہ پیش آنے والے مشکل اور کٹھن حالات کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ آگے تمہیں سلطنت روما سے ٹکرانا ہے' تمہیں سلطنت کسریٰ سے ٹکر لینی ہے۔ ابھی تو یہ اندرون ملک عرب تمہاری جنگیں ہو رہی ہیں۔ ان آزمائشوں کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری اجتماعیت کی تطہیر (purge) ہوتی رہے' یہاں تک کہ منافقین اور صادق الایمان لوگ بالکل نکھر کر علیحدہ ہو جائیں۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی طریقہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی خبریں بتائے''

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠﴾ ''لیکن (اس کام کے لیے) اللہ منتخب کر لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔''

وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کے حالات بھی بتاتا ہے۔ رسولوں کو غیب از خود معلوم نہیں ہوتا' اللہ کے بتانے سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ان آزمائشوں میں کیا حکمتیں ہیں اور ان میں تمہارے لیے کیا خیر پنہاں ہے' ہر چیز ہر ایک کو نہیں بتائی جائے گی' البتہ یہ چیزیں ہم اپنے رسولوں کو بتا دیتے ہیں۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ﴾ ''پس ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسولوںؑ پر۔''

﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝١٧٩﴾ ''اور اگر تم (یہ دو شرطیں پوری کر دو گے) ایمان میں ثابت قدم رہو گے اور تقویٰ پر کاربند رہو گے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۸۰ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ﴾ ''اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کر رہے ہیں اُس مال میں جو اللہ نے انہیں دیا ہے اپنے فضل میں سے کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے۔''

ظاہر بات ہے کہ جب جنگ اُحد کے لیے تیاری ہو رہی ہو گی تو حضورﷺ نے مسلمانوں کو انفاقِ مال کی دعوت دی ہو گی

تا کہ اسبابِ جنگ فراہم کیے جائیں۔ لیکن جن لوگوں نے دولت مند ہونے کے باوجود بخل کیا ان کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے بخل کر کے جو اپنا مال بچالیا وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے کوئی اچھا کام کیا ہے۔ یہ مال اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا تھا' اس میں بخل سے کام لے کر انہوں نے اچھا نہیں کیا۔

﴿بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط﴾ ''بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔''

﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط﴾ ''اسی مال کے طوق بنا کر ان کی گردنوں میں پہنائے جائیں گے جس میں انہوں نے بخل کیا تھا' قیامت کے دن۔''

﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی وراثت بالآخر اللہ ہی کے لیے ہے۔''
دنیا کا مال واسباب آج تمہارے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس چلا جائے گا اور بالآخر سب کچھ اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ آسمانوں اور زمین کی میراث کا حقیقی وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔''
یہاں وہ چھ رکوع مکمل ہو گئے ہیں جو غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل تھے۔ اس سورۂ مبارکہ کے آخری دو رکوع کی نوعیت ''حاصل کلام'' کی ہے۔ یہ گویا concluding رکوع ہیں۔

آیات ۱۸۱ تا ۱۸۹

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ م سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ لا وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ط قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾﴾

آیت ۱۸۱ ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ م﴾ ''اللہ نے سن لیا ہے قول ان لوگوں کا جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔''
یہ بات کہنے والوں میں منافقین بھی شامل ہو سکتے ہیں اور یہودی بھی۔ جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو انفاقِ مال کی ترغیب دیتے تھے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دو تو یہودیوں اور ان کے زیر اثر منافقوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ ہاں اللہ فقیر ہو گیا ہے اور ہم سے قرض مانگ رہا ہے' جبکہ ہم غنی ہیں' ہمارے پاس دولت ہے۔

﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا﴾ ''ہم لکھ رکھیں گے جو کچھ انہوں نے کہا ہے''
ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی جھلکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فوراً تو گرفت نہیں کرتا لیکن ایک وقت آئے گا جس دن انہیں اپنے اس قول کی پوری سزا مل جائے گی۔ اور صرف یہی نہیں:

﴿وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ لا﴾ ''اور ان کے ناحق قتل انبیاء کو بھی (لکھ رکھیں گے)''
اس سے پہلے یہ جو نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں ان کا یہ جرم بھی ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہے۔

﴿وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾﴾ ''اور ہم کہیں گے اب چکھو مزا اس جلا دینے والی آگ کے عذاب کا۔''

آیت ۱۸۲ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ ''یہ سب کچھ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے''

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾﴾ ''اور اللہ تو اپنے بندوں کے حق میں ہرگز ظالم نہیں ہے۔''

آیت ۱۸۳ ﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ﴾ ''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے ایک عہد لے لیا تھا''

﴿اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ط﴾ ''کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ کھا جائے۔''
یہاں روئے سخن پھر یہود کی طرف ہو گیا ہے۔ نوعِ انسانی جب عہدِ طفولیت میں تھی تو خرقِ عادت چیزیں بہت ہوا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شخص اللہ کی جناب میں کوئی جانور ذبح کر کے پیش کرتا تو آسمان سے ایک آگ اُترتی جو اسے بھسم کر دیتی تھی اور یہ اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ یہ قربانی قبول ہو گئی۔ جیسے ہابیل اور قابیل کے قصے میں آیا ہے کہ: ﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ط﴾ (المائدۃ:۲۷) ''جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی قربانی قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی''۔ یہ پتا کیسے چلا؟ عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہم جو قربانیاں کرتے

ہیں ان کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ کس کی قربانی قبول ہوئی اور کس کی قبول نہیں ہوئی۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن پہلے ایسی حسّی علامات ہوتی تھیں کہ پتا چل جاتا تھا کہ یہ قربانی اللہ نے قبول کر لی ہے۔ بنی اسرائیل کے ابتدائی دور میں بھی یہ نشانی موجود تھی کہ آسمان سے اُترنے والی آگ کا قربانی کو بھسم کر دینا اس کی قبولیت کی علامت تھی۔ مدینہ کے یہود نے کٹ حجتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے تو اللہ نے یہ عہد لے لیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ یہ معجزہ نہ دکھائے۔ تو اگر محمد (ﷺ) واقعی رسولؐ ہیں تو یہ معجزہ دکھائیں۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے:

﴿قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آ چکے ہیں واضح معجزوں کے ساتھ''

﴿وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ﴾ ''اور وہ چیز بھی لے کر آئے جس کے لیے تم کہہ رہے ہو''

انہوں نے سوختنی قربانی کا معجزہ بھی دکھایا جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو۔

﴿فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١٨٣﴾ ''پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟''

آیت ۱۸۴ ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ ''پھر (اے نبیؐ) اگر وہ آپؐ کو جھٹلا دیں''

تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ معاملہ صرف آپؐ ہی کے ساتھ نہیں ہوا۔

﴿فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ''تو آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے''

یہ تو اس راستے کا ایک عام تجربہ ہے' جس سے آپؐ کو بھی گزرنا پڑے گا۔

﴿جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝١٨٤﴾ ''جو آئے تھے واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر''

آیت ۱۸۵ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ''ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے''۔

موت تو ایک دن آ کر رہنی ہے۔

﴿وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ تو قیامت ہی کے دن دیا جائے گا''

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ''تو جو کوئی بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا''

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ اے اللہ! ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمانا!

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝١٨٥﴾ ''اور یہ دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا سامان ہے۔''

آیت ۱۸۶ ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ ''(مسلمانو! یاد رکھو) تمہیں لازماً آزمایا جائے گا تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔''

یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع میں گزر چکا ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ﴾ (آیت ۱۵۵) ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مالوں' جانوں اور ثمرات کے نقصان سے''۔ یہاں مجہول کا صیغہ ہے کہ تمہیں لازماً آزمایا جائے گا' تمہاری آزمائش کی جائے گی تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔ کان کھول کر سن لو کہ یہ ایمان کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں ہے' یہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ ٹھنڈے ٹھنڈے اور بغیر تکلیفیں اٹھائے تمہیں جنت مل جائے گی۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۴) میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ ''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات و واقعات وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے......''

﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا﴾ ''اور تمہیں لازماً سننی پڑیں گی ان لوگوں سے بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے بھی جنہوں نے شرک کیا بڑی تکلیف دہ باتیں''

یہ سب کچھ سنو اور صبر کرو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ سے ابتدا میں کہا گیا تھا: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝١٠﴾ (المزمل) ''اور ان باتوں پر صبر کیجیے جو یہ لوگ کہتے ہیں اور وضعداری کے ساتھ ان سے الگ ہو جایئے''۔ آپ ﷺ کو کیا کچھ نہیں سننا پڑا۔ کسی نے کہہ دیا مجنون ہے' کسی نے کہہ دیا شاعر ہے' کسی نے کہا ساحر ہے' کسی نے کہا مسحور ہے۔ سورۃ الحجر کے آخر میں ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝٩٧﴾ ''(اے نبی ﷺ) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ (مشرکین) جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے آپؐ کا سینہ بھنچتا ہے''۔ ان کی زبانوں سے جو کچھ آپؐ کو سننا پڑ رہا ہے اس سے آپؐ کو تکلیف پہنچتی ہے' لیکن صبر کیجیے! وہی بات مسلمانوں سے کہی جا رہی ہے۔

﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝١٨٦﴾ ''اور اگر تم صبر کرتے رہو گے (ثابت قدم رہو گے) اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھو گے تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

آیت ۱۸۷ ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ اللہ نے ان لوگوں سے ایک قول و قرار لیا تھا جن کو کتاب دی گئی تھی''

﴿لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ ''کہ تم لازماً اُسے لوگوں کے سامنے واضح کرو گے اور اسے چھپاؤ گے

نہیں‘‘

﴿فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ ’’تو انہوں نے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا‘‘

﴿وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ﴾ ’’اور اس کی بڑی حقیر سی قیمت وصول کر لی۔‘‘

﴿فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾﴾ ’’تو بہت ہی بری شے ہے جو وہ (اس کے بدلے میں) حاصل کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۱۸۸ ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾ ’’آپ ان کے بارے میں خیال نہ کریں جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں‘‘

اگر کچھ نیکی کر لیتے ہیں‘ کسی کو کچھ دے دیتے ہیں تو اس پر بہت اتراتے ہیں‘ اکڑتے ہیں کہ ہم نے یہ کچھ کر لیا ہے۔

﴿وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ص﴾ ’’اور (اس سے بھی بڑھ کر) چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں پر جو انہوں نے کیے ہی نہیں‘‘

آج کل اس کی سب سے بڑی مثال سپاس نامے ہیں‘ جو تقریبات میں مدعو شخصیات کو پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سپاس ناموں میں ان حضرات کے ایسے ایسے کارہائے نمایاں بیان کیے جاتے ہیں جو ان کی پشتوں میں سے بھی کسی نے نہ کیے ہوں۔ اس طرح ان کی خوشامد اور چاپلوسی کی جاتی ہے اور وہ اسے پسند کرتے ہیں۔

﴿فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ج﴾ ’’تو ان کے بارے میں یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔‘‘

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾﴾ ’’اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

آیت ۱۸۹ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط﴾ ’’اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾﴾ ’’اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

آیات ۱۹۰۔۲۰۰

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ق رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ج بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ج فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ قف ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لا لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾﴾

سورۂ آل عمران کا آخری رکوع قرآن مجید کے عظیم ترین مقامات میں سے ہے۔ اس کی پہلی چھ آیات کے بارے میں روایت آتی ہے کہ جس شب میں یہ نازل ہوئیں تو پوری رات حضورﷺ پر رقت طاری رہی اور آپﷺ کھڑے‘ بیٹھے‘ لیٹے ہوئے روتے رہے۔ نماز تہجد کے دوران بھی آپؐ پر رقت طاری رہی۔ پھر آپؐ نے بہت طویل سجدہ کیا‘ اس میں بھی گریہ طاری رہا اور سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر آپؐ کچھ دیر لیٹے رہے لیکن وہ کیفیت برقرار رہی۔ یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لیے حاضر ہوئے اور آپؐ کو اس کیفیت میں دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ آپﷺ نے فرمایا: ’’اے بلال‘ میں کیوں نہ روؤں کہ آج کی شب میرے ربّ نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں‘‘۔ پھر آپؐ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی (اس روایت کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے) یعنی وہ گریہ اور رقت شکر کے جذبے کے تحت تھی۔

یہ بھی نوٹ کیجیے کہ یہ سورۂ آل عمران کا بیسواں رکوع شروع ہو رہا ہے اور سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت کے الفاظ یہ تھے: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ اسی ’’آیتُ الآیات‘‘ کا خلاصہ یہاں آ گیا ہے:

آیت ۱۹۰ ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں''

﴿لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾ ''ہوش مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۴ ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی: ﴿لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ ''اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔ یہاں ان لوگوں کو ''اُولوا الالباب'' کا نام دیا گیا۔ یہ ہدایت کا پہلا قدم ہے کہ کائنات کو دیکھو' مظاہر فطرت کا مشاہدہ کرو۔

کھول آنکھ ' زمیں دیکھ ' فلک دیکھ ' فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

یہ سب آیاتِ الٰہیہ ہیں' ان کو دیکھو اور اللہ کو پہچانو۔ اگلا قدم یہ ہے کہ جب اللہ کو پہچان لیا تو اب اُسے یاد رکھو۔ یعنی ؎

فقر قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر!

آیت ۱۹۱ ﴿الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ﴾ ''جو اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں' کھڑے بھی' بیٹھے بھی اور اپنے پہلوؤں پر بھی''

﴿وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ﴾ ''اور مزید غور وفکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں۔''

اس غور وفکر سے وہ ایک دوسرے نتیجے پر پہنچتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ ''اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد تو پیدا نہیں کیا ہے۔''

اور پھر ان کا ذہن اپنی طرف منتقل ہوتا ہے کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ میں کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ کیا میری زندگی بس یہی ہے کہ کھاؤ پیو' اولاد پیدا کرو اور دنیا سے رخصت ہو جاؤ؟ معلوم ہوا کہ نہیں' کوئی خلا ہے۔ انسانی اعمال کے نتیجے نکلنے چاہئیں' انسان کو اس کی نیکی اور بدی کا بدلہ ملنا چاہیے' جو اس دنیا میں اکثر وبیشتر نہیں ملتا۔ دنیا میں اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ نیکوکار فاقوں سے رہتے ہیں اور بدکار عیش کرتے ہیں۔ چنانچہ کوئی اور زندگی ہونی چاہیے' کوئی اور دنیا ہونی چاہیے جس میں اچھے برے اعمال کا بھرپور بدلہ مل جائے' مکافاتِ عمل ہو۔ لہٰذا وہ کہہ اٹھتے ہیں:

﴿سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ ''تو پاک ہے (اس سے کہ کوئی عبث کام کرے)' پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا!''

تو نے یقیناً ایک دوسری دنیا تیار کر رکھی ہے' جس میں جزا وسزا کے لیے جنت بھی ہے اور جہنم بھی!

آیت ۱۹۲ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ ؕ﴾ ''اے ہمارے ربّ! جس کو تو نے داخل کر دیا آگ میں بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا۔''

﴿وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾﴾ ''اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔''

آیت ۱۹۳ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا﴾ ''اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا''

﴿یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ٭ۖ﴾ ''جو ایمان کی ندا دے رہا تھا کہ ایمان لاؤ اپنے ربّ پر' تو ہم ایمان لے آئے۔''

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد ایسے لوگوں کے کانوں میں جونہی کسی نبی یا رسول کی پکار آتی ہے تو فوراً لبیک کہتے ہیں' ذرا بھی دیر نہیں لگاتے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فوری طور پر رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کر لی' اس لیے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت تک تو وہ خود پہنچ چکے تھے۔ سورۃ الفاتحہ کے مضامین کو ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ اولوا الالباب میں سے ایک شخص جو اپنی سلامتیٔ طبع' سلامتیٔ فطرت اور سلامتیٔ عقل کی رہنمائی میں یہاں تک پہنچ گیا کہ اُس نے اللہ کو پہچان لیا' آخرت کو پہچان لیا' یہ بھی طے کر لیا کہ اُسے اللہ کی بندگی ہی کا راستہ اختیار کرنا ہے' لیکن اس کے بعد وہ نبوت و رسالت کی راہنمائی کا محتاج ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور دست سوال دراز کرتا ہے: ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴾ یہاں بھی یہی مضمون ہے کہ اب ایسے شخص کے سامنے اگر کسی نبی کی دعوت آئے گی تو اُس کا ردِّعمل کیا ہوگا۔ اب آگے ایک عظیم ترین دُعا آ رہی ہے۔ یہ اُس دُعا سے جو سورۃ البقرہ کے آخر میں آئی تھی بعض پہلوؤں سے کہیں زیادہ عظیم تر ہے۔

﴿رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا﴾ ''اے ہمارے ربّ' ہمارے گناہ بخش دے!''

﴿وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا﴾ ''اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے!''

ہمارے نامۂ اعمال کے دھبے بھی دھو دے اور ہمارے دامن کردار کے جو داغ ہیں وہ بھی صاف کر دے۔

﴿وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾﴾ ''اور ہمیں وفات دیجیو اپنے نیکوکار (اور وفادار) بندوں کے ساتھ۔''

آیت ۱۹۴ ﴿رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ﴾ ''اے ہمارے رب' ہمیں بخش وہ سب کچھ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے سے''

﴿وَ لَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ﴾ ''اور ہمیں رسوا نہ کیجیو قیامت کے دن۔''

﴿اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ ''یقیناً تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔''

ہمیں شک ہے تو اس بات میں کہ آیا ہم تیرے ان وعدوں کے مصداق ثابت ہو سکیں گے یا نہیں۔ لہٰذا تو اپنی شانِ

غفاری سے ہماری کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرنا اور ہمیں وہ سب کچھ عطا کر دینا جو تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ کیا ہے۔

آیت ۱۹۵ ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ﴾ ''تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی''

یہ ہے دعا کی قبولیت کی انتہا کہ اس دعا کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا اعلان ہو رہا ہے۔

﴿اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ج﴾ ''کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں' خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔''

﴿بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ ج﴾ ''تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔''

ایک ہی باپ کے نطفے سے بیٹا بھی ہے اور بیٹی بھی' اور ایک ہی ماں کے رحم میں بیٹا بھی پلا ہے اور بیٹی بھی۔

﴿فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ﴾ ''سو جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے''

﴿وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ﴾ ''اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں''

﴿وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا﴾ ''اور جنہوں نے (میری راہ میں) جنگ کی اور جانیں بھی دے دیں''

﴿لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ﴾ ''میں لازماً اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دوں گا''

ان کے نامۂ اعمال میں اگر کوئی دھبے ہوں گے تو انہیں دھو دوں گا۔

﴿وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج﴾ ''اور لازماً داخل کروں گا انہیں ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

﴿ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط﴾ ''اور یہ بدلہ ہوگا اللہ کے پاس سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص خزانۂ فضل سے۔

﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝۱۹۵﴾ ''اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

اب آخری پانچ آیات جو آ رہی ہیں ان کی حیثیت اس سورۂ مبارکہ کے تمام مباحث پر ''خاتمۂ کلام'' کی ہے۔ یاد رہے کہ اس سورت میں اہل کتاب کا عمومی ذکر بھی ہوا ہے اور یہود و نصاریٰ کا الگ الگ بھی۔ پھر اس میں اہل ایمان کا ذکر بھی ہے اور مشرکین کا بھی۔ اب فرمایا:

آیت ۱۹۶ ﴿لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۝۱۹۶﴾ ''(اے نبیؐ) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کافروں کی چلت پھرت شہروں کے اندر۔''

یہ کافر جو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں' اور اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے سازشیں کر رہے ہیں' جمعیتیں فراہم کر رہے ہیں' اس سے آپؐ کسی دھوکے میں نہ آئیں' کسی مغالطے کا شکار نہ ہوں' ان کی طاقت کے بارے میں کہیں آپؐ مرعوب نہ ہو جائیں۔

آیت ۱۹۷ ﴿مَتَاعٌ قَلِیْلٌ قف﴾ ''یہ تو بس تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے''

یہ تو محض چند روزہ زندگی کے لیے ہم نے انہیں کچھ ساز و سامان دے دیا ہے۔

﴿ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط﴾ ''پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔''

﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۹۷﴾ ''اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

آیت ۱۹۸ ﴿لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ﴾ ''اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کیا''

﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ''ان کے لیے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی' جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''

﴿نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط﴾ ''یہ ان کے لیے ابتدائی مہمان نوازی ہوگی اللہ کی طرف سے۔''

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝۱۹۸﴾ ''اور مزید جو اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر ہے نیکوکاروں کے لیے۔''

جنت کی اصل نعمتیں تو بیان میں آ ہی نہیں سکتیں۔ ان کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی یہ متفق علیہ حدیث یاد رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی : اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ)) (۱)

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے (جنت میں) وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا' اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال ہی گزرا۔''

قرآن وحدیث میں جنت کی جن نعمتوں کا تذکرہ ہے ان کی حیثیت اہل جنت کے لیے نُزُل (ابتدائی مہمان نوازی) کی ہوگی۔

آیت ۱۹۹ ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ ''اور بے شک اہل کتاب میں وہ بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر''

﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ﴾ ''اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو ان کی طرف نازل کیا گیا''

﴿خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ لا﴾ ''اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں''

ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے‘ وہ عاجزی اور تواضع اختیار کرتے ہیں۔

﴿لَا یَشۡتَرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ﴾ ”وہ اللہ کی آیات کو حقیر سی قیمت پر فروخت نہیں کرتے۔“

﴿اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ﴾ ”ایسے ہی لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾﴾ ”یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔“

وہ حساب لینے میں دیر نہیں لگاتا۔ آخری آیت پھر بہت جامع ہے:

آیت ۲۰۰ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَ صَابِرُوۡا﴾ ”اے اہل ایمان! صبر کرو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ“

مصابرت بابِ مفاعلہ سے ہے اور اس میں مقابلہ ہوتا ہے۔ ایک تو ہے صبر کرنا‘ ثابت قدم رہنا‘ اور ایک ہے مصابرت یعنی صبر واستقامت میں دشمن سے بڑھ جانا۔ ایک صبر وہ بھی تو کر رہے ہیں۔ تمہیں آج چرکا لگا ہے تو انہیں ایک سال پہلے ایسا ہی چرکا لگا تھا اور ۷۰ مارے گئے تھے۔ وہ ایک سال کے اندر پھر چڑھائی کر کے آ گئے‘ تو تم اپنا دل غمگین کر کے کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ تمہیں تو ان سے بڑھ کر صبر کرنا ہے‘ ان سے بڑھ کر قربانیاں دینی ہیں‘ تبھی تم حقیقت میں اللہ کے وفادار ثابت ہو گے۔

﴿وَ رَابِطُوۡا ۟﴾ ”اور مربوط رہو۔“

مرابطہ پہرے کو بھی کہتے ہیں اور نظم وضبط (discipline) کی پابندی کرتے ہوئے باہم جڑے رہنے کو بھی۔ غزوۂ اُحد میں شکست کا سبب نظم کا ڈھیلا پن اور سمع وطاعت میں کمی تھی۔ لہٰذا یہاں صبر ومصابرت کے ساتھ ساتھ نظم کی پابندی اور باہم مربوط رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

یہ آخری اور اہم ترین چیز ہے۔ یہ سب کچھ کرو گے تو فلاح ملے گی۔ ایسے ہی گھر بیٹھے تم فوز وفلاح سے ہمکنار نہیں ہوسکو گے۔

بارك الله لى ولكم فى القرآنِ العظيم۔ ونفعنى وایاکم بالآیات والذکر الحکیم ٥٥

سُورَۃُ النِّساء

تمہیدی کلمات

قرآن مجید میں مکی اور مدنی سورتوں کے جو گروپ ہیں ان میں سے پہلا گروپ پانچ سورتوں پر مشتمل ہے۔ اس گروپ میں مکی سورۃ صرف سورۃ الفاتحہ ہے‘ جو حجم میں بہت چھوٹی مگر معنی ومفہوم اور عظمت وفضیلت میں بہت بڑی ہے۔ اس کے بعد چار سورتیں مدنی ہیں: البقرۃ‘ النساء‘ آل عمران اور المائدۃ۔ یہ چار سورتیں دو دو سورتوں کے دو جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ پہلا جوڑا سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کا ہے‘ اور انہیں خود رسول اللہ ﷺ نے ایک مشترک نام دیا ہے ”الزَّھْرَاوَین“۔ ان دو سورتوں میں جو مناسبتیں اور مشابہتیں ہیں وہ ترجمہ کے دوران تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے آتی رہی ہیں۔ ان میں نسبتِ زوجیت کس اعتبار سے ہے اور یہ ایک دوسرے کی تکمیل کس پہلو سے کرتی ہیں‘ یہ بات بھی سامنے آ چکی ہے۔

اب دو سورتیں سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ جوڑے کی شکل میں آ رہی ہیں۔ ان دو جوڑوں میں ایک نمایاں فرق (contrast) یہ نظر آئے گا کہ سابقہ دو سورتوں میں پہلے حروفِ مقطعات ہیں اور پھر دونوں میں قرآنِ مجید اور کتبِ سماویہ کی عظمت کا بیان ہے‘ جبکہ ان دونوں سورتوں میں اس طرح کی کوئی تمہیدی گفتگو نہیں ہے‘ بلکہ براہِ راست خطاب ہو رہا ہے۔ البتہ نسبتِ زوجیت کے اعتبار سے ان میں یہ فرق ہے کہ سورۃ النساء کے آغاز میں صیغۂ خطاب ’یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ‘ (اے لوگو) ہے‘ یعنی خطاب عام ہے‘ اور سورۃ المائدہ کا آغاز ہوتا ہے ’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا‘ کے صیغے سے‘ یعنی وہاں خطاب خاص طور پر انسانوں میں سے اُن لوگوں سے ہے جو ایمان کے دعوے دار ہیں۔ باقی جس طرح سورۃ البقرۃ اور آل عمران نصفین میں منقسم ہیں اس طرح کا معاملہ ان دونوں سورتوں کا نہیں ہے۔

اپنے اسلوب کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کے مشابہ ہیں۔ یعنی چند مضامین کی لڑیاں چل رہی ہیں‘ لیکن ایک رسّی کی طرح آپس میں اس طرح بٹی ہوئی اور گتھی ہوئی ہیں کہ وہ لڑیاں مسلسل نہیں بلکہ کٹوواں نظر آتی ہیں۔ اگر آپ چار مختلف رنگوں کی لڑیوں کو آپس میں بٹ کر رسّی کی شکل دے دیں تو ان میں سے کوئی سا رنگ بھی مسلسل نظر نہیں آئے گا‘ بلکہ باری باری چاروں رنگ نظر آتے رہیں گے۔ اب اگر آپ اس رسّی کو کھول دیں گے تو ہر ایک لڑی الگ ہو جائے گی اور چاروں رنگ الگ الگ نظر آئیں گے۔ سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کے مضامین کے بارے میں میں نے بتایا تھا کہ یہ گویا چار لڑیاں ہیں‘ جن میں دو کا تعلق شریعت سے ہے اور دو کا جہاد فی سبیل اللہ سے۔ شریعت کی دو لڑیوں میں سے ایک عبادات کی اور دوسری معاملات کی ہے‘ جبکہ جہاد فی سبیل اللہ کی لڑیوں میں سے ایک جہاد بالمال یعنی انفاق فی سبیل اللہ

اور دوسری جہاد بالنفس کی آخری شکل یعنی قتال فی سبیل اللہ ہے۔

یہاں سورۃ النساء میں بھی آپ دیکھیں گے کہ تین لڑیاں اسی طرح آپس میں گتھی ہوئی ہیں اور ان کے رنگ کٹواں نظر آتے ہیں' لیکن اگر آپ ان سب کو علیحدہ علیحدہ کر لیں تو ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک الگ مضمون بن جائے گا۔ یہ تین لڑیاں خطاب کے اعتبار سے ہیں۔ چنانچہ ایک لڑی تو وہ ہے جس میں خطاب اہل ایمان سے ہے' اور سورۃ البقرۃ کی طرح اس کے ذیل میں وہی چار چیزیں آ رہی ہیں: قتال' انفاق' احکامِ شریعت اور عبادات۔ دوسری لڑی میں خطاب اہل کتاب سے ہے اور اس میں نصاریٰ اور یہود دونوں شامل ہیں۔ پہلی دو سورتوں میں یہود و نصاریٰ کا معاملہ علیحدہ علیحدہ تھا' جبکہ اس سورۃ میں اہل کتاب کے ذیل میں یہ دونوں ملے جلے ہیں۔ تیسری لڑی اس سورۂ مبارکہ کا وہ سب سے بڑا حصہ ہے جو منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے' لیکن اکثر و بیشتر لوگ وہاں بات سمجھ نہیں پاتے۔ اس لیے کہ صیغۂ خطاب وہاں بھی ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ پورے قرآن میں کہیں بھی ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا'' کے الفاظ نہیں آئے۔ صیغۂ خطاب ''یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ'' بھی ہے' ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' بھی ہے اور ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' بھی' لیکن ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا'' کہیں نہیں ہے۔ اس لیے کہ منافق بھی قانوناً تو مسلمان ہی ہوتے تھے۔ تو اصل میں یہ پہچاننے کے لیے بڑی گہری نظر کی ضرورت ہے کہ کسی مقام پر ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے الفاظ میں روئے سخن مؤمنین صادقین کی طرف ہے یا منافقین کی طرف۔ اگر یہ فرق نہ کیا جائے تو بعض مقامات پر بڑی غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ مثلاً سورۃ التوبۃ کا یہ مقام ملاحظہ کیجیے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ ط﴾ (آیت ۳۸) ''اے اہل ایمان! تمہیں کیا ہو جاتا ہے جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم زمین میں دھنسے جاتے ہو؟'' اس اندازِ تخاطب سے ایک عام سوءِ ظن پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید یہ عام مسلمانوں کا حال تھا۔ حالانکہ اس طرزِ عمل کا مظاہرہ مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ منافقین کی طرف سے ہوتا تھا اور وہاں یہ عام مسلمانوں کا نہیں' منافقین کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ روئے سخن منافقین ہی کی طرف ہے۔ مؤمنین صادقین تو ہر وقت کھلے دل سے مال و جان کی قربانی کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ گویا ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی!

تو اصل میں دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کس آیت میں روئے سخن کس کی طرف ہے۔

منافقین سے خطاب کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ اہم ترین ہے۔ سورۃ البقرۃ میں تو کہیں لفظ نفاق آیا ہی نہیں۔ یہ حکمتِ خداوندی ہے کہ اس مرض کو پہلے چھپا کر رکھا اور اس کی صرف علامات بیان کر دیں کہ جو کوئی بھی اپنے اندر ان علامات کو دیکھے وہ متنبہ ہو جائے اور اپنے علاج کی طرف متوجہ ہو جائے۔ لیکن جو لوگ اس طرح متوجہ نہیں ہوتے تو معلوم ہوا کہ ان کو اب ذرا نمایاں کرنا ضروری ہے اور بات ذرا عریاں انداز سے کرنی پڑے گی۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ایک دو جگہ نفاق کا لفظ آ گیا۔ لیکن اب یہاں سورۃ النساء میں سب سے بڑا حصہ منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے۔ میرا تجزیہ یہ ہے کہ اس سورت کی ۱۷۶ آیات میں سے ۵۵ آیات میں روئے سخن مؤمنین صادقین کی طرف ہے' صرف ۳۷ آیات میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے مشترک طور پر خطاب ہے' جبکہ ۸۴ آیات میں خطاب منافقین سے ہے۔ لیکن یاد رہے کہ جہاں بھی ان سے بات ہوگی ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے حوالے سے ہوگی۔ اس لیے کہ ایمان کے دعوے دار تو وہ بھی تھے۔ منافق وہی تو ہوتا ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر حقیقت میں ایمان سے تہی دامن ہوتا ہے' چاہے وہ شعوری طور پر منافق ہو چاہے غیر شعوری طور پر۔

سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کے مابین ایک فرق نوٹ کر لیجیے۔ انسانی تمدن میں سب سے بنیادی چیز معاشرہ ہے' اور معاشرے میں بنیادی اہمیت عورت اور مرد کے تعلق کو حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ معاشرے میں کچھ کمزور طبقات ہوتے ہیں' جن کے حقوق کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ یہ مضمون آپ کو سورۃ النساء میں ملے گا۔ عائلی قوانین سورۃ البقرۃ میں تفصیل سے آ چکے ہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ازدواج کا جو رشتہ جڑتا ہے جس سے پھر خاندان وجود میں آتا ہے' جو معاشرے کی بنیادی اکائی (unit) اور اس کی جڑ اور بنیاد ہے' اس سے متعلق تفصیلی ہدایات سورۃ البقرۃ میں آ چکی ہیں۔ سورۂ آل عمران اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں شریعت کے احکام نہیں ہیں' سوائے اس ایک حکم کے جو سود کے بارے میں آیا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً ص﴾ (آیت ۱۳۰)۔ لیکن اب یہاں سورۃ النساء میں تمدن کی معاشرتی سطح پر مزید ہدایات دی جا رہی ہیں۔ خاص طور پر اُس معاشرے کے جو دبے ہوئے اور پسے ہوئے طبقات تھے ان کی حریت و آزادی' ان کے بہتر مقام اور ان کے حقوق کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔

معاشرے میں جنس (sex) کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ کسی معاشرے میں اگر جنسی معاملات پر قدغنیں نہ ہوں اور وہ جنسی فساد کا شکار ہو جائے تو وہاں تباہی پھیل جائے گی۔ اس ضمن میں ابتدائی احکام اس سورۃ میں آئے ہیں کہ ایک اسلامی معاشرے میں جنسی نظم و ضبط (sex-discipline) کیسے قائم کیا جائے اور جنسی بے راہ روی سے کیسے نمٹا جائے۔ تو اس طریقے سے تمدن کی بنیادی منزل پر گفتگو ہو رہی ہے۔ سورۃ المائدۃ میں تمدن کی بلند ترین منزل ریاست زیر بحث آئے گی اور اعلیٰ سطح پر عدالتی نظام کے لیے ہدایات دی جائیں گی کہ چوری' ڈاکہ وغیرہ کا سدّ باب کیسے کیا جائے گا۔ اس ضمن میں حدود و تعزیرات بھی بیان کی جائیں گی۔ باقی سورۃ النساء کی طرح سورۃ المائدۃ میں بھی اہل کتاب سے فیصلہ کن خطاب ہے۔

میں نے آغاز میں عرض کیا تھا کہ پہلے گروپ کی ان چار مدنی سورتوں میں دو مضمون متوازی چلتے ہیں۔ پہلا مضمون شریعت اسلامی کا ہے اور سورۃ البقرۃ میں احکام شریعت کا ابتدائی خاکہ دے دیا گیا ہے' جبکہ شریعت کے تکمیلی احکام سورۃ المائدۃ میں ہیں۔ ان سورتوں میں دوسرا مضمون اہل کتاب سے خطاب ہے اور وہ بھی تدریجاً آگے بڑھتے ہوئے سورۃ المائدۃ میں اپنی تکمیلی صورت کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب سے آخری اور فیصلہ کن باتیں سورۃ المائدۃ میں ملتی ہیں۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد اب ہم اس سورۂ مبارکہ کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔

آیات ۱ تا ۱۰

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا
رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (۱)
وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ؕ
اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا (۲) وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ
النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی
اَلَّا تَعُوْلُوْا (۳) وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ نَفْسًا فَکُلُوْہُ ھَنِیْٓـًٔا
مَّرِیْٓـًٔا (۴) وَلَا تُؤْتُوا السُّفَھَآءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِیْھَا وَاکْسُوْھُمْ
وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۵) وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا
فَادْفَعُوْٓا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ وَلَا تَاْکُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْا ؕ وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا
فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْھِدُوْا عَلَیْھِمْ ؕ
وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا (۶) لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا
تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْہُ اَوْ کَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا (۷) وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا
الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْہُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۸) وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ
تَرَکُوْا مِنْ خَلْفِھِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْھِمْ ۪ فَلْیَتَّقُوا اللّٰہَ وَلْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا (۹) اِنَّ
الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (۱۰)﴾

آیت ۱ ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ''اے لوگو اپنے اس رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا''

دیکھئے معاشرتی مسائل کے ضمن میں گفتگو اس بنیادی بات سے شروع کی گئی ہے کہ اپنے خالق و مالک کا تقویٰ اختیار کرو۔

﴿وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا﴾ ''اور اُسی سے اس کا جوڑا بنایا''

نوٹ کیجیے کہ یہاں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ''اُس نے تمہیں ایک آدم سے پیدا کیا اور اُسی (آدم) سے اس کا جوڑا بنایا''، بلکہ ''نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ'' (ایک جان) کا لفظ ہے۔ گویا اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ عین آدمؑ ہی سے ان کا جوڑا بنایا گیا ہو' جیسا کہ بعض روایات سے بھی اشارہ ملتا ہے' اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آدم کی نوع سے ان کا جوڑا بنایا گیا' جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ اس لیے کہ نوع ایک ہے' جنسیں دو ہیں۔ انسان (Human beings) نوع (species) ایک ہے' لیکن اس کے اندر ہی سے جو جنسی تفریق (sexual differentiation) ہوئی ہے' اس کے حوالے سے اس کا جوڑا بنایا ہے۔

﴿وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ﴾ ''اور ان دونوں سے پھیلا دیے (زمین میں) کثیر تعداد میں مرد اور عورتیں۔''

''مِنْھُمَا'' سے مراد یقیناً آدم و حوا ہیں۔ یعنی اگر آپ اس تمدنِ انسانی کا سراغ لگانے کے لیے پیچھے سے پیچھے جائیں گے تو آغاز میں ایک انسانی جوڑا (آدم و حوا) پائیں گے۔ اس رشتہ سے پوری نوعِ انسانی اس سطح پر جا کر رشتۂ اخوت میں منسلک ہو جاتی ہے۔ ایک تو سگے بہن بھائی ہیں۔ دادا دادی پر جا کر cousins کا حلقہ بن جاتا ہے۔ اس سے اوپر پڑ دادا پڑ دادی پر جا کر ایک اور وسیع حلقہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح چلتے جائیے تو معلوم ہوگا کہ پوری نوعِ انسانی بالآخر ایک جوڑے (آدم و حوا) کی اولاد ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ﴾ ''اور تقویٰ اختیار کرو اُس اللہ کا جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو' اور رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو۔''

تقویٰ کی تاکید ملاحظہ کیجیے کہ ایک ہی آیت میں دوسری مرتبہ پھر تقویٰ کا حکم ہے۔ فرمایا کہ اُس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ فقیر بھی مانگتا ہے تو اللہ کے نام پر مانگتا ہے' اللہ کے واسطے مانگتا ہے' اور اکثر و بیشتر جو تمدنی معاملات ہوتے ہیں ان میں بھی اللہ کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ گھریلو جھگڑوں کو جب نمٹایا جاتا ہے تو آخر کار کہنا پڑتا ہے کہ اللہ کا نام مانو اور اپنی اس ضد سے باز آ جاؤ! تو جہاں آخری اپیل اللہ ہی کے حوالے سے کرنی ہے تو اگر اُس کا تقویٰ اختیار کرو تو یہ جھگڑے ہوں گے ہی نہیں۔ اُس نے اس معاشرے کے مختلف طبقات کے حقوق معین کر دیے ہیں' مثلاً مرد اور عورت کے حقوق' ربّ المال اور عامل کے حقوق' فرد اور اجتماعیت کے حقوق وغیرہ۔ اگر اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے اور اس کے عائد کردہ حقوق و فرائض کی پابندی کی جائے تو جھگڑا نہیں ہوگا۔

مزید فرمایا کہ رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو! جیسا کہ ابھی بتایا گیا کہ رحمی رشتوں کا اوّلین دائرہ بہن بھائی ہیں' جو اپنے والدین کی اولاد ہیں۔ پھر دادا دادی پر جا کر ایک بڑی تعداد پر مشتمل دوسرا دائرہ وجود میں آتا ہے۔ یہ رحمی رشتے ہیں۔ انہی رحمی رشتوں کو پھیلاتے جائیے تو کل بنی آدم اور کل بناتِ حوا سب ایک ہی نسل سے ہیں' ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (۱)﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔''

یہ تقویٰ کی روح ہے۔ اگر ہر وقت یہ خیال رہے کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے' میرا ہر عمل اُس کی نگاہ میں ہے' کوئی عمل اُس سے چھپا ہوا نہیں ہے تو انسان کا دل اللہ کے تقویٰ سے معمور ہو جائے گا۔ اگر یہ استحضار رہے کہ چاہے میں نے سب دروازے اور

کھڑکیاں بند کر دیں اور پردے گرا دیے ہیں لیکن ایک آنکھ سے میں نہیں چھپ سکتا تو یہی تقویٰ ہے۔ اور اگر تقویٰ ہوگا تو پھر اللہ کے ہر حکم کی پابندی کی جائے گی۔

یہ حکمتِ نبوت ہے کہ اس آیت کو نبی اکرم ﷺ نے خطبۂ نکاح میں شامل فرمایا۔ نکاح کا موقع وہ ہوتا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہو رہا ہے۔ یعنی آدم کا ایک بیٹا اور حوا کی ایک بیٹی پھر اسی رشتے میں منسلک ہو رہے ہیں جس میں آدم اور حوا تھے۔ جس طرح اُن دونوں سے نسل پھیلی ہے اسی طرح اب ان دونوں سے نسل آگے بڑھے گی۔ لیکن اس پورے معاشرتی معاملے میں، خاندانی معاملات میں، عائلی معاملات میں اللہ کا تقویٰ انتہائی اہم ہے۔ جیسے ہم نے سورۃ البقرۃ میں دیکھا کہ بار بار ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کی تاکید فرمائی گئی۔ اس لیے کہ اگر تقویٰ نہیں ہوگا تو پھر خالی قانون مؤثر نہیں ہوگا۔ قانون کو تو تختۂ مشق بھی بنایا جا سکتا ہے کہ بظاہر قانون کا تقاضا پورا ہو رہا ہو لیکن اس کی روح بالکل ختم ہو کر رہ جائے۔ سورۃ البقرۃ میں اسی طرزِ عمل کے بارے میں فرمایا گیا کہ: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ (آیت ۲۳۱) ''اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ''۔

آیت ۲ ﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ﴾ ''اور یتیموں کے مال ان کے حوالے کر دو''

معاشرے کے دبے ہوئے طبقات میں سے یتیم ایک اہم طبقہ تھا۔ دورِ جاہلیت میں ان کے کوئی حقوق نہیں تھے اور ان کے مال ہڑپ کر لیے جاتے تھے۔ وہ بہت کمزور تھے۔

﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ﴾ ''اور (اپنے) برے مال کو (ان کے) اچھے مال سے نہ بدلو''

ایسا ہرگز نہ ہو کہ یتیموں کے مال میں سے اچھا اچھا لے لیا اور اپنا رَدّی مال اس میں شامل کر دیا۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ﴾ ''اور ان کے مال اپنے مالوں میں شامل کر کے ہڑپ نہ کرو۔''

﴿اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②﴾ ''یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''

یتیموں کے بعض سرپرست جو تقویٰ اور خوفِ خدا سے تہی دامن ہوتے ہیں، اوّل تو ان کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں، اور اگر ایسا نہ بھی کریں تو ان کا اچھا مال خورد برد کر کے اپنا رَدّی اور بے کار مال اس میں شامل کر دیتے ہیں اور اس طرح تعداد پوری کر دیتے ہیں۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے ہیں تاکہ اسے بآسانی ہڑپ کر سکیں۔ ان کو ایسے سب ہتھکنڈوں سے روک دیا گیا۔

آیت ۳ ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ ''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے''

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ ''تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین، چار چار تک۔''

اس آیت میں ''یَتَامٰی'' سے مراد یتیم بچیاں اور خواتین ہیں۔ یتیم لڑکے تو عمر کی ایک خاص حد کو پہنچنے کے بعد اپنی آزاد مرضی سے زندگی گزار لیتے تھے، لیکن یتیم لڑکیوں کا معاملہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے ولی اور سرپرست ان کے ساتھ نکاح بھی کر لیتے تھے۔ اس طرح یتیم لڑکیوں کے مال بھی ان کے قبضے میں آ جاتے تھے، اور یتیم لڑکیوں کے پیچھے ان کے حقوق کی نگہداشت کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اگر ماں باپ ہوتے تو ظاہر ہے کہ وہ بچی کے حقوق کے بارے میں بھی کوئی بات کرتے۔ لہٰذا ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر تم ان یتیم بچیوں سے نکاح مت کرو، بلکہ دوسری عورتیں جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ اگر ضرورت ہو تو دو دو، تین تین، چار چار کی حد تک نکاح کر سکتے ہو، اس کی تمہیں اجازت ہے۔ لیکن تم یتیم بچیوں کے ولی بن کر ان کی شادیاں کہیں اور کرو تا کہ تم ان کے حقوق کے پاسبان بن کر کھڑے ہو سکو۔ ورنہ اگر تم نے ان کو اپنے گھروں میں ڈال لیا تو کون ہوگا جو ان کے حقوق کے بارے میں تم سے باز پُرس کر سکے؟ —— منکرینِ سنت اور منکرینِ حدیث نے اس آیت کی مختلف تعبیرات کی ہیں، جو یہاں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ اس کا صحیح مفہوم یہی ہے جو سلف سے چلا آ رہا ہے اور جو حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے۔ مزید برآں تعددِ ازدواج کے بارے میں یہی ایک آیت قرآن مجید میں ہے۔ اس آیت کی رو سے تعددِ ازدواج کو محدود کیا گیا ہے اور چار سے زائد بیویاں رکھنے کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ ''لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو''

یہ جو ہم نے اجازت دی ہے کہ دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کر لو، اس کی شرطِ لازم یہ ہے کہ بیویوں کے درمیان عدل کرو۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اس شرط کو پورا نہیں کر سکو گے اور ان میں برابری نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی شادی کرو، اس سے زائد نہیں۔ بیویوں کے مابین عدل و انصاف میں ہر اُس چیز کا اعتبار ہوگا جو شمار میں آ سکتی ہے۔ مثلاً ہر بیوی کے پاس جو وقت گزارا جائے اس میں مساوات ہونی چاہیے۔ نان نفقہ، زیورات، کپڑے اور دیگر مال و اسباب، غرضیکہ تمام مادّی چیزیں جو دیکھی بھالی جا سکتی ہیں ان میں انصاف اور عدل لازم ہے۔ البتہ دلی میلان اور رجحان جس پر انسان کو قابو نہیں ہوتا، اس میں گرفت نہیں ہے۔

﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ''یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکِ یمین ہوں''

یعنی وہ عورتیں جو جنگوں میں گرفتار ہو کر آئیں اور حکومت کی طرف سے لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے اور ان کی تعداد پر کوئی تحدید نہیں ہے۔

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③﴾ ''یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم ایک ہی طرف کو نہ جھک پڑو''

کہ بس ایک ہی بیوی کی طرف میلان ہے اور جیسا کہ آگے آئے گا، دوسری معلق ہو کر رہ گئی ہیں کہ نہ وہ شوہر والیاں ہیں اور نہ آزاد ہیں کہ کہیں اور نکاح کر لیں۔

آیت ۴ ﴿وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی کے ساتھ دیا کرو۔''

عورتوں کے مہر تاوان سمجھ کر نہ دیا کرو' بلکہ فرض جانتے ہوئے ادا کیا کرو۔ صَدُقَاتٌ صِدَاقٌ کی جمع ہے' جبکہ صَدَقَةٌ کی جمع صَدَقَاتٌ آتی ہے۔

﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا﴾ ''پھر اگر وہ خود اپنی رضامندی سے اس میں سے کوئی چیز تمہیں چھوڑ دیں''

تم نے جو مہر مقرر کیا تھا وہ انہیں ادا کر دیا' اب وہ تمہیں اس میں سے کوئی چیز ہدیہ کر رہی ہیں' تحفہ دے رہی ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

﴿فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ۝۴﴾ ''تو تم اس کو کھاؤ مزے سے خوشگواری سے۔''

تم اسے بے کھٹکے استعمال میں لا سکتے ہو' اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ ہو ان کی مرضی سے' زبردستی اور جبر کر کے نہ لے لیا جائے۔

آیت ۵ ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا﴾ ''اور مت پکڑا دو ناسمجھوں کو اپنے وہ مال جن کو اللہ نے تمہارے گزران کا ذریعہ بنایا ہے''

معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو نادانوں اور ناسمجھ لوگوں (سُفَهَاء) پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں بچے بھی شامل ہیں جو ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے۔ ایسے بچے اگر یتیم ہو جائیں تو وہ وراثت میں ملنے والے مال کو اللوں تللوں میں اڑا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں ہدایت کی گئی ہے کہ ایسے مال کے بے جا استعمال کی معاشرتی سطح پر روک تھام ہونی چاہیے۔ یہ تصور نا قابل قبول ہے کہ میرا مال ہے' میں جیسے چاہوں خرچ کروں! چنانچہ اس مال کو ''اَمْوَالَكُمْ'' کہا گیا کہ یہ اصل میں معاشرے کی مشترک بہبود کے لیے ہے۔ اگرچہ انفرادی ملکیت ہے' لیکن پھر بھی اسے معاشرے کی مشترک بہبود میں خرچ ہونا چاہیے۔

﴿وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ﴾ ''ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو''

﴿وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵﴾ ''اور ان سے بات کیا کرو اچھے انداز میں۔''

اسی اُصول کے تحت برطانوی دور کے ہندوستان میں Court of wards مقرر کر دیے جاتے تھے۔ اگر کوئی بڑا جاگیردار یا نواب فوت ہو جاتا اور یہ اندیشہ محسوس ہوتا کہ اس کا بیٹا آوارہ ہے اور وہ سب کچھ اڑا دے گا' ختم کر دے گا تو حکومت اس میراث کو اپنی حفاظت میں لے لیتی اور ورثاء کے لیے اس میں سے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیتی۔ باقی سب مال و اسباب جمع رہتا تھا تا کہ یہ ان کی آئندہ نسل کے کام آ سکے۔

آیت ۶ ﴿وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ ''اور یتیموں کی جانچ پرکھ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔''

﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ ''پھر اگر تم ان کے اندر سوجھ بوجھ پاؤ''

تم محسوس کرو کہ اب یہ باشعور ہو گئے ہیں' سمجھدار ہو گئے ہیں۔

﴿فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾ ''تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔''

﴿وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا﴾ ''اور تم اسے ہڑپ نہ کر جاؤ اسراف اور جلد بازی کر کے (اس ڈر سے) کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔''

ایسا نہ ہو کہ تم یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور جلد بازی میں خرچ کرنے لگو' اس خیال سے کہ بچے جوان ہو جائیں گے تو یہ مال ان کے حوالے کرنا ہے' لہٰذا اس سے پہلے پہلے ہم اس میں سے جتنا ہڑپ کر سکیں کر جائیں۔

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ﴾ ''اور جو کوئی غنی ہو اس کو چاہیے کہ وہ پرہیز کرے۔''

یتیم کا ولی اگر خود غنی ہے' اللہ نے اس کو دے رکھا ہے' اس کے پاس کشائش ہے تو اسے یتیم کے مال میں سے کچھ بھی لینے کا حق نہیں ہے۔ پھر اسے یتیم کے مال سے بچتے رہنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''اور جو کوئی محتاج ہو تو کھائے دستور کے مطابق۔''

اگر کوئی خود تنگ دست ہے' محتاج ہے اور وہ یتیم کی نگہداشت بھی کر رہا ہے' اس کا کچھ وقت بھی اس پر صرف ہو رہا ہے تو معروف طریقے سے اگر وہ یتیم کے مال میں سے کچھ کھا بھی لے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیم بڑی فطری ہے' اس میں غیر فطری بندشیں نہیں ہیں جن پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے۔

﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ﴾ ''پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو اس پر گواہ ٹھہرا لو۔''

ان کا مال و متاع گواہوں کی موجودگی میں ان کے حوالے کیا جائے کہ ان کی یہ یہ چیزیں آج تک میری تحویل میں تھیں' اب میں نے ان کے حوالے کر دیں۔

﴿وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۝۶﴾ ''اور اللہ کافی ہے حساب لینے کے لیے۔''

یہ دنیا کا معاملہ ہے کہ اس کے لیے لکھت پڑھت اور شہادت ہے۔ باقی اصل حساب تو تمہیں اللہ کے ہاں جا کر دینا ہے۔

آیت ۷ ﴿لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ ''مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں سے جو ترکہ چھوڑا ہو والدین نے اور رشتہ داروں نے''

﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ ''اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں سے جو ترکہ ہے

والدین اور رشتہ داروں کا۔‘‘

یہاں اب پہلی مرتبہ عورتوں کو وراثت کا حق دیا جا رہا ہے‘ ورنہ قبل از اسلام عرب معاشرے میں عورت کا کوئی حق وراثت نہیں تھا۔

﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ﴾ ’’چاہے وہ وراثت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا قانون اس پر ہر صورت میں پوری طرح نافذ ہونا چاہیے۔

﴿نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑦﴾ ’’یہ حصہ ہے (اللہ کی طرف سے) فرض کیا گیا۔‘‘

آگے آپ دیکھیں گے کہ اس قانونِ وراثت کی کس طرح بار بار تاکید آ رہی ہے۔ ساتھ ہی آپ یہ بھی دیکھتے رہیں کہ ہمارے معاشرے کے اندر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی کس طرح دھجیاں بکھرتی ہیں۔ خاص طور پر ہمارے شمالی علاقے میں ویسے تو نماز روزہ کا بہت اہتمام ہوتا ہے‘ لیکن وہاں کے لوگ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دینے کو کسی صورت تیار نہیں ہوتے‘ بلکہ اپنے رواج کی پیروی کرتے ہیں۔ شریعت کی کچھ چیزیں بہت اہم ہیں اور قرآن میں ان کا حکم انتہائی تاکید کے ساتھ آتا ہے۔

آیت ۸ ﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ﴾ ’’اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور محتاج‘‘

جب وراثت کی تقسیم ہو رہی ہو تو اب اگر وہاں کچھ قرابت دار‘ کچھ یتیم اور کچھ محتاج بھی آ جائیں۔

﴿فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧﴾ ’’تو انہیں بھی کچھ دے دلا دو اس میں سے اور ان سے معقول انداز میں بات کرو۔‘‘

وہ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور وہ بالکل محتاج ہیں‘ تو ان کے احساسِ محرومیت کا جو بھی مداوا ہو سکتا ہے کرو‘ اور ان سے بڑے اچھے انداز میں بات کرو۔ انہیں جھڑکو نہیں کہ ہماری وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور یہاں تم کون آ گئے ہو؟

آیت ۹ ﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠﴾ ’’اور ڈرتے رہنا چاہیے ان لوگوں کو کہ اگر انہوں نے بھی چھوڑے ہوتے اپنے پیچھے ناتواں بچے تو ان کے بارے میں انہیں کیسے کیسے اندیشے ہوتے۔‘‘

﴿فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ’’تو انہیں چاہیے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں‘‘

انہیں یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ یتیم جو اس وقت آ گئے ہیں یہ بھی کسی کے بچے ہیں‘ جن کے سر پر باپ کا سایہ نہیں رہا۔ لہٰذا وہ ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھیں۔

﴿وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨﴾ ’’اور سیدھی سیدھی (حق پر مبنی) بات کریں۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں ناحق‘‘

﴿اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ﴾ ’’وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں۔‘‘

﴿وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩﴾ ’’اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔‘‘

اندر کی آگ تو وہ خود اپنے پیٹوں میں ڈال رہے ہیں اور وہ خود بھی سموچے دوزخ کی بھڑکتی آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔ گویا ایک آگ ان کے اندر ہو گی اور ایک وسیع و عریض آگ ان کے باہر ہو گی۔ یہ دس آیتیں بڑی جامع ہیں‘ جن میں اس معاشرے کے پسماندہ طبقات میں سے ایک ایک کا خیال کر کے نہایت باریک بینی اور حکمت کے ساتھ احکام دیے گئے ہیں۔

آیات ۱۱ تا ۱۴

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ⑫ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑬ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑭﴾

سورۃ النساء کا دوسرا رکوع بڑا مختصر ہے اور اس میں صرف چار آیات ہیں‘ لیکن معنوی طور پر ان میں ایک قیامت مضمر ہے۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ چار آیتوں کے اندر اسلام کا پورا قانونِ وراثت بیان کر دیا گیا ہے جس پر پوری پوری جلدیں لکھی گئی ہیں۔

گویا جامعیت کی انتہا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں“

﴿لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ﴾ ”کہ لڑکے کے لیے حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر۔“

﴿فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ﴾ ”پھر اگر لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زیادہ تو ان کے لیے ترکے کا دو تہائی ہے۔“

﴿وَاِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ﴾ ”اور اگر ایک ہی لڑکی ہے تو اس کے لیے آدھا ہے۔“

ظاہر ہے اگر ایک ہی بیٹا ہے تو وہ پورے ترکے کا وارث ہو جائے گا۔ لہٰذا جب بیٹی کا حصہ بیٹے سے آدھا ہے تو اگر ایک ہی بیٹی ہے تو اسے آدھی وراثت ملے گی‘ آدھی دوسرے لوگوں کو جائے گی۔ وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے۔

﴿وَلِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ﴾ ”اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے جو اُس نے چھوڑا اگر میت کے اولاد ہو۔“

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو اس کی وراثت میں سے ان کا بھی معین حصہ ہے۔ اگر وفات پانے والا شخص صاحب اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے وراثت میں چھٹا حصہ ہے۔ یعنی میت کے ترکے میں سے ایک تہائی والدین کو چلا جائے گا اور دو تہائی اولاد میں تقسیم ہوگا۔

﴿فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ﴾ ”اور اگر اُس کے اولاد نہ ہو اور اُس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اُس کی ماں کا ایک تہائی ہے۔“

اگر کوئی شخص لاولد فوت ہو جائے تو اس کے ترکے میں سے اس کی ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملے گا۔ یعنی باپ کا حصہ ماں سے دو گنا ہو جائے گا۔

﴿فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ﴾ ”پھر اگر میت کے بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے“

اگر مرنے والا بے اولاد ہو لیکن اس کے بہن بھائی ہوں تو اس صورت میں ماں کا حصہ مزید کم ہو کر ایک تہائی کے بجائے چھٹا حصہ رہ جائے گا اور باقی باپ کو ملے گا‘ لیکن بہن بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا۔ وہ باپ کی طرف سے وراثت کے حق دار ہوں گے۔ لیکن ساتھ ہی فرما دیا:

﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ﴾ ”بعد اس وصیت کی تعمیل کے جو وہ کر جائے یا بعد ادائے قرض کے۔“

وراثت کی تقسیم سے پہلے دو کام کر لینے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس شخص کے ذمے کوئی قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر اُس نے کوئی وصیت کی ہے تو اس کو پورا کیا جائے۔ پھر وراثت تقسیم ہوگی۔

﴿اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ ۚ لَا تَدۡرُوۡنَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ لَکُمۡ نَفۡعًا ؕ﴾ ”تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے‘ تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہارے لیے زیادہ نافع ہے۔“

﴿فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ﴾ ”یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔“

تم اپنی عقلوں کو چھوڑو اور اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصوں کے مطابق وراثت تقسیم کرو۔ کوئی آدمی یہ سمجھے کہ میرے بوڑھے والدین ہیں‘ میری وراثت میں خواہ مخواہ ان کے لیے حصہ کیوں رکھ دیا گیا ہے؟ یہ تو کھا پی چکے‘ زندگی گزار چکے‘ وراثت تو اب میری اولاد ہی کو ملنی چاہیے‘ تو یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ تمہیں بس اللہ کا حکم ماننا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۱﴾﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔“

اس کا کوئی حکم علم اور حکمت سے خالی نہیں ہے۔

آیت ۱۲ ﴿وَلَکُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَکَ اَزۡوَاجُکُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہُنَّ وَلَدٌ ۚ﴾ ”اور تمہارا حصہ تمہاری بیویوں کے ترکے میں سے آدھا ہے اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔“

بیوی فوت ہو گئی ہے اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے تو جو وہ چھوڑ گئی ہے اس میں سے نصف شوہر کا ہو جائے گا۔ باقی جو نصف ہے وہ مرحومہ کے والدین اور بہن بھائیوں میں حسب قاعدہ تقسیم ہوگا۔

﴿فَاِنۡ کَانَ لَہُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡنَ﴾ ”اور اگر اُن کے اولاد ہے تو تمہارے لیے چوتھائی ہے اس میں سے جو انہوں نے چھوڑا“

﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ﴾ ”بعد اُس وصیت کی تعمیل کے جو وہ کر جائیں یا بعد ادائے قرض کے۔“

اگر مرنے والی نے اولاد چھوڑی ہو تو موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے ادائے دَین و انفاذِ وصیت کے بعد کل مال کا چوتھائی حصہ ملے گا اور باقی تین چوتھائی دوسرے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

﴿وَلَہُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّکُمۡ وَلَدٌ ۚ﴾ ”اور ان کے لیے چوتھائی ہے تمہارے ترکے کا اگر تمہارے اولاد نہیں ہے۔“

﴿فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ وَلَدٌ فَلَہُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ﴾ ”اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے تمہارے ترکے میں سے“

﴿مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ تُوۡصُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ﴾ ”اُس وصیت کی تعمیل کے بعد جو تم نے کی ہو یا قرض ادا کرنے کے بعد۔“

اگر مرنے والے نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو ادائے دَین وانفاذِ وصیت کے بعد اس کی بیوی کو اُس کے ترکے کا چوتھائی ملے گا' اور اگر اُس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے تو اس صورت میں بعد ادائے دَین و وصیت کے بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر بیوی ایک سے زائد ہے تو بھی مذکورہ حصہ سب بیویوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ﴾ ''اور اگر کوئی شخص جس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے کلالہ ہو' یا عورت ہو ایسی ہی''

''کلالہ'' وہ مرد یا عورت ہے جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔

﴿وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ﴾ ''اور اُس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔''

﴿فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ﴾ ''اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے''

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں کلالہ کی میراث کے حکم میں بھائی اور بہنوں سے مراد اَخیافی (ماں شریک) بھائی اور بہن ہیں۔ رہے عینی اور علاتی بھائی بہن تو ان کا حکم اسی سورت کے آخر میں ارشاد ہوا ہے۔ عربوں میں دراصل تین قسم کے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ ایک ''عینی''، جن کا باپ بھی مشترک ہو اور ماں بھی' جنہیں ہمارے ہاں ''حقیقی'' کہتے ہیں۔ دوسرے ''علاتی'' بہن بھائی' جن کا باپ ایک اور مائیں جدا ہوں۔ اہل عرب کے ہاں یہ بھی حقیقی بہن بھائی ہوتے ہیں اور ان کا حکم وہی ہے جو ''عینی'' بہن بھائیوں کا ہے۔ وہ انہیں ''سوتیلا'' نہیں سمجھتے۔ ان کے ہاں سوتیلا وہ کہلاتا ہے جو ایک ماں سے ہو لیکن اس کا باپ دوسرا ہو۔ یہ ''اَخیافی'' بہن بھائی کہلاتے ہیں۔ ایک شخص کی اولاد تھی' وہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی بیوی نے دوسری شادی کر لی۔ تو اب اس دوسرے خاوند سے جو اولاد ہے وہ پہلے خاوند کی اولاد کے اَخیافی بہن بھائی ہیں۔ تو کلالہ کی میراث کے حکم میں یہاں اَخیافی بھائی بہن مراد ہیں۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ﴾ ''اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو کی گئی یا ادائے قرض کے بعد''
یہ دو شرطیں بہر صورت باقی رہیں گی۔ مرنے والے کے ذمے اگر کوئی قرض ہے تو پہلے وہ ادا کیا جائے گا' پھر اس کی وصیت کی تعمیل کی جائے گی' اس کے بعد میراث وارثوں میں تقسیم کی جائے گی۔

﴿غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ﴾ ''بغیر کسی کو ضرر پہنچائے۔''
یہ سارا کام ایسے ہونا چاہیے کہ کسی کو ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔

﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ تاکید ہے اللہ کی طرف سے۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۱۲﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا کمال حلم والا ہے۔''
اُس کے حلم اور بردباری پر دھوکہ نہ کھاؤ کہ وہ تمہیں پکڑ نہیں رہا ہے۔ ع ''نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی!'' اُس کی پکڑ جب آئے گی تو اس سے بچنا ممکن نہیں ہوگا: ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝۱۲﴾ (البروج) ''یقیناً تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔''

آیت ۱۳ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔''

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ﴾ ''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ داخل کرے گا اسے ان باغات میں جس کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی''

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ﴾ ''ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۳﴾ ''اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔''

آیت ۱۴ ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ﴾ ''اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا اُس کی حدود سے''

﴿يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠﴾ ''وہ داخل کرے گا اس کو آگ میں جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔''

﴿وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۴﴾ ''اور اس کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔''

آیات ۱۵-۲۲

﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا
فَاَمْسِكُوْھُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَھُنَّ سَبِيْلًا ۝۱۵ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِھَا
مِنْكُمْ فَاٰذُوْھُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۱۶ اِنَّمَا التَّوْبَةُ
عَلَي اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰۗىِٕكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ
الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَھُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا
اَلِـيْمًا ۝۱۸ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْهَبُوْا
بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ

كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ
زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا
مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾ وَلَا
تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا
﴿٢٢﴾

اب اسلامی معاشرے کی تطہیر کے لیے احکام دیے جا رہے ہیں۔ مسلمان جب تک مکہ میں تھے تو وہاں کفار کا غلبہ تھا۔ اب مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ حیثیت دی ہے کہ اپنے معاملات کو سنوارنا شروع کریں۔ چنانچہ ایک ایک کر کے ان معاشرتی معاملات اور سماجی مسائل کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔ اسلامی معاشرے میں عفت و عصمت کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر معاشرے میں جنسی بے راہ روی موجود ہے تو اس کی روک تھام کیسے ہو؟ اس کے لیے ابتدائی احکام یہاں آ رہے ہیں۔ اس ضمن میں تکمیلی احکام سورۃ النور میں آئیں گے۔ معاشرتی معاملات کے ضمن میں احکام پہلے سورۃ النساء، پھر سورۃ الاحزاب، پھر سورۃ النور اور پھر سورۃ المائدۃ میں بتدریج آئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کو مصحف میں کافی آگے رکھا گیا ہے اور یہاں پر سورۃ النساء کے بعد سورۃ المائدۃ آ گئی ہے۔

آیت ۱۵ ﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ﴾ ''اور تمہاری عورتوں میں سے جو کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں''

﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ ''تو اُن پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔''

﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ﴾ ''پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو''

﴿حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ﴾ ''یہاں تک کہ موت ان کو لے جائے''

اسی حالت میں ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

﴿اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿١٥﴾﴾ ''یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکال دے۔''

بدکاری کے متعلق یہ ابتدائی حکم تھا۔ بعد میں سورۃ النور میں حکم آ گیا کہ بدکاری کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایسی لڑکیوں یا عورتوں کا تذکرہ ہے جو مسلمانوں میں سے تھیں مگر ان کا بدکاری کا معاملہ کسی غیر مسلم مرد سے ہو گیا جو اسلامی معاشرے کے دباؤ میں نہیں ہے۔ ایسی عورتوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی گئی کہ انہیں تاحکمِ ثانی گھروں کے اندر محبوس رکھا جائے۔

آیت ۱۶ ﴿وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ﴾ ''اور جو دونوں تم میں سے اس (بدکاری) کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو ایذا پہنچاؤ۔''

اگر بدکاری کا ارتکاب کرنے والے مرد و عورت دونوں مسلمانوں میں سے ہی ہوں تو دونوں کو اذیت دی جائے۔ یعنی ان کی توہین و تذلیل کی جائے اور مارا پیٹا جائے۔

﴿فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان کو چھوڑ دو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

واضح رہے کہ یہ بالکل ابتدائی احکام ہیں۔ اسی لیے ان کی وضاحت میں تفسیروں میں بہت سے اقوال مل جائیں گے۔ اس لیے کہ جب حدود نافذ ہو گئیں تو یہ عبوری اور عارضی احکام منسوخ قرار پائے۔ جیسے کہ سورۃ النساء میں قانونِ وراثت نازل ہونے کے بعد سورۃ البقرۃ میں وارد شدہ وصیت کا حکم ساقط ہو گیا۔

آیت ۱۷ ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ﴾ ''اللہ کے ذمے ہے توبہ قبول کرنا ایسے لوگوں کی جو کوئی بری حرکت کر بیٹھتے ہیں جہالت اور نادانی میں''

﴿ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ﴾ ''پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں''

ایک صاحبِ ایمان پر کبھی ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ خارجی اثرات اتنے شدید ہو جائیں یا نفس کے اندر کا ہیجان اسے جذبات سے مغلوب کر دے اور وہ کوئی گناہ کا کام کر گزرے۔ لیکن اس کے بعد اسے جیسے ہی ہوش آئے گا اس پر شدید ندامت طاری ہو جائے گی اور وہ اللہ کے حضور توبہ کرے گا۔ ایسے شخص کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمے ہے۔

﴿فَاُولٰۗىِٕكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ''تو یہی ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا۔''

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور حکیم و دانا ہے۔''

آیت ۱۸ ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ﴾ ''اور ایسے لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے توبہ کا جو برے کام کیے چلے جاتے ہیں۔''

مسلسل حرام خوریاں کرتے رہتے ہیں، زندگی بھر عیش اُڑاتے رہتے ہیں۔

﴿حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْــٰٔنَ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اُس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں''

﴿وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَھُمْ كُفَّارٌ ۭ﴾ ''اور نہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو کفر کی حالت میں ہی مر جاتے ہیں۔''

ان کی توبہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔

﴿اُولٰٓئِکَ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۸﴾﴾ ''ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرۡہًا ؕ﴾ ''اے اہل ایمان! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی وراثت میں لے لو۔''

یہ بھی عرب جاہلیت کی ایک مکروہ رسم تھی جس میں عورتوں کے طبقے پر شدید ظلم ہوتا تھا۔ ہوتا یوں تھا کہ ایک شخص فوت ہوا ہے' اس کی چار پانچ بیویاں ہیں' تو اس کا بڑا بیٹا وارث بن گیا ہے۔ اب اس کی حقیقی ماں تو ایک ہی ہے' باقی سوتیلی مائیں ہیں' تو وہ ان کو وراثت میں لے لیتا تھا کہ یہ میرے قبضے میں رہیں گی' بلکہ ان سے شادیاں بھی کر لیتے تھے یا بغیر نکاح اپنے گھروں میں ڈالے رکھتے تھے' یا پھر یہ کہ اختیار اپنے ہاتھ میں رکھ کر ان کی شادیاں کہیں اور کرتے تھے تو مہر خود لے لیتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ اے اہل ایمان' تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو! جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا وہ آزاد ہے۔ عدت گزار کر جہاں چاہے جائے اور جس سے چاہے نکاح کر لے۔

﴿وَ لَا تَعۡضُلُوۡہُنَّ لِتَذۡہَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ﴾ ''اور نہ یہ جائز ہے کہ تم انہیں روکے رکھو تاکہ تم ان سے واپس لے لو اس کا کچھ حصہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے''

نکاح کے وقت تو بڑے چاؤ تھے' بڑے لاڈ اٹھائے جا رہے تھے اور کیا کیا دے دیا تھا' اور اب وہ سب واپس ہتھیانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال ہو رہے ہیں' انہیں تنگ کیا جا رہا ہے' ذہنی طور پر تکلیف پہنچائی جا رہی ہے۔

﴿اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ۚ﴾ ''ہاں اگر وہ صریح بدکاری کی مرتکب ہوئی ہوں (تو تمہیں ان کو تنگ کرنے کا حق ہے)۔''

اگر کسی سے صریح حرام کاری کا فعل سرزد ہو گیا ہو اور اس پر اسے کوئی سزا دی جائے (جیسے کہ اوپر آ چکا ہے فَاٰذُوۡہُمَا) اس کی تو اجازت ہے۔ اس کے بغیر کسی پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ خاص طور پر اگر نیت یہ ہو کہ میں اس سے اپنا مہر واپس لے لوں' یہ انتہائی کمینگی ہے۔

﴿وَ عَاشِرُوۡہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ﴾ ''اور عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے پر معاشرت اختیار کرو۔''

ان کے ساتھ بھلے طریقے پر' خوش اسلوبی سے' نیکی اور راستی کے ساتھ گزر بسر کرو۔

﴿فَاِنۡ کَرِہۡتُمُوۡہُنَّ فَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡئًا وَّ یَجۡعَلَ اللّٰہُ فِیۡہِ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ﴿۱۹﴾﴾ ''اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو بعید نہیں کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اس میں اللہ نے تمہارے لیے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو۔''

اگر تمہیں کسی وجہ سے اپنی عورتیں ناپسند ہو گئی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کسی شے کو تم ناپسند کرو' درآنحالیکہ اللہ نے اسی میں تمہارے لیے خیر کثیر رکھ دیا ہو۔ ایک عورت کسی ایک اعتبار سے آپ کے دل سے اُتر گئی ہے' طبیعت کا میلان نہیں رہا ہے' لیکن پتا نہیں اس میں اور کون کون سی خوبیاں ہیں اور وہ کس کس اعتبار سے آپ کے لیے خیر کا ذریعہ بنتی ہے۔ تو اس معاملے کو اللہ کے حوالے کرو' اور ان کے حقوق ادا کرتے ہوئے' ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کرو۔ البتہ اگر معاملہ ایسا ہو گیا ہے کہ ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے تو طلاق کا راستہ کھلا ہے' شریعت اسلامی نے اس میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ یہ مسیحیت کی طرح کا کوئی غیر معقول نظام نہیں ہے کہ طلاق ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت ۲۰ ﴿وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّکَانَ زَوۡجٍ ۙ﴾ ''اور اگر تمہارا ارادہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ہو''

اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہو کہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانی ہے۔

﴿وَّ اٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰہُنَّ قِنۡطَارًا﴾ ''اور ان میں سے کسی ایک کو تم نے ڈھیروں مال دیا ہو''

﴿فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡہُ شَیۡئًا ؕ﴾ ''تو اس میں سے کوئی بھی شے واپس نہ لو۔''

عورتوں کو تم نے جو مہر دیا تھا وہ ان کا ہے' اب اس میں سے کچھ واپس نہیں لے سکتے۔

﴿اَتَاۡخُذُوۡنَہٗ بُہۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۲۰﴾﴾ ''کیا تم اسے واپس لو گے بہتان لگا کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر؟''

آیت ۲۱ ﴿وَ کَیۡفَ تَاۡخُذُوۡنَہٗ وَ قَدۡ اَفۡضٰی بَعۡضُکُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ﴾ ''اور تم اسے کیسے واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو؟''

کچھ عقل کے ناخن لو' کچھ شعور اور شرافت کا ثبوت دو۔ تم ان سے وہ مال کس طرح واپس لینا چاہتے ہو جبکہ تمہارے مابین دنیا کا انتہائی قریبی تعلق قائم ہو چکا ہے۔

﴿وَّ اَخَذۡنَ مِنۡکُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ﴿۲۱﴾﴾ ''اور وہ تم سے مضبوط قول و قرار لے چکی ہیں۔''

یہ قول و قرار نکاح کے وقت ہوتا ہے جب مرد عورت کے مہر و نفقہ کی پوری ذمہ داری لیتا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَ لَا تَنۡکِحُوۡا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے تم نکاح مت کرو''

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا' ایامِ جاہلیت میں سوتیلی ماؤں کو نکاح کر کے یا بغیر نکاح کے گھر میں ڈال لیا جاتا تھا۔ ایسے نکاح کو اُس معاشرے میں بھی ''نکاحِ مقت'' کہا جاتا تھا۔ یعنی یہ بہت ہی برا نکاح ہے۔ ظاہر ہے فطرتِ انسانی تو ایسے تعلق سے ابا کرتی ہے' مگر ان کے ہاں یہ رواج تھا۔ قرآن مجید نے اس مقام پر اس کا سختی سے سدّ باب کیا ہے۔

﴿اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ﴾ ''سوائے اس کے جو ہو چکا۔''

﴿اِنَّــہٗ کَـانَ فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا ؕ﴾ ''یقیناً یہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے والی ہے۔''

﴿وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۲۲﴾﴾ ''اور بہت ہی برا راستہ ہے۔''

اگلی آیت میں محرماتِ ابدیہ کا بیان ہے کہ کن رشتوں میں نکاح کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایک مرد اپنی کن کن رشتہ دار خواتین سے شادی نہیں کر سکتا۔

آیات ۲۳ تا ۲۵

﴿حُـرِّمَـتْ عَـلَيْــكُـمْ اُمَّهٰتُـكُمْ وَبَنٰتُـكُمْ وَاَخَوٰتُـكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْـتِ وَاُمَّهٰتُــكُمُ الّٰتِـىْٓ اَرْضَعْنَـكُمْ وَاَخَوٰتُـكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَـآئِبُـكُمُ الّٰتِـىْ فِـىْ حُـجُـوْرِكُـمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَـاِنْ لَّـمْ تَـكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَـيْـكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْـنَـآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَـيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ الـلّٰـهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَّالْـمُـحْـصَـنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ج كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ج وَاُحِـلَّ لَــكُـمْ مَّـا وَرَآءَ ذٰلِـكُـمْ اَنْ تَـبْـتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَـمْتَـعْتُـمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَـاحَ عَـلَـيْـكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ م بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّـمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّـنْـكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَـكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰـتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ م بَعْضٍ ج فَـانْـكِـحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ج فَـاِذَآ اُحْـصِـنَّ فَـاِنْ اَتَـيْـنَ بِـفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّـكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾﴾

آیت ۲۳ ﴿حُـرِّمَـتْ عَلَيْـكُمْ اُمَّهٰتُـكُمْ وَبَنٰتُـكُمْ وَاَخَوٰتُـكُمْ﴾ ''حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں''

﴿وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ﴾ ''اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں''

﴿وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ ''اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں''

﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىْٓ اَرْضَعْنَـكُمْ﴾ ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے''

﴿وَاَخَوٰتُـكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ ''اور تمہاری دودھ شریک بہنیں''

﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ ''اور تمہاری بیویوں کی مائیں''

جن کو ہم ساس یا خوش دامن کہتے ہیں۔

﴿وَرَبَــــآئِبُــكُمُ الّٰتِـىْ فِـىْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ''اور تمہاری ربیبائیں جو تمہاری گودوں میں پلی بڑھی ہوں''

﴿مِّــنْ نِّسَــآئِــكُـمُ الّٰتِـىْ دَخَـلْـتُـمْ بِهِـنَّ ز﴾ ''تمہاری اُن بیویوں سے جن کے ساتھ تم نے مقاربت کی ہو''

﴿فَاِنْ لَّمْ تَـكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَـيْـكُمْ ز﴾ ''اور اگر تم نے ان بیویوں سے مقاربت نہ کی ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں''

''ربیبہ'' بیوی کی اُس لڑکی کو کہا جاتا ہے جو اس کے سابق شوہر سے ہو۔ اگر موجودہ شوہر اس بیوی سے تعلق زن و شو قائم ہونے کے بعد اس کو طلاق دے دے تو ربیبہ کو اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا' یہ اس کے لیے حرام ہے۔ لیکن اگر اس بیوی کے ساتھ تعلق زن و شو قائم نہیں ہوا اور اسے طلاق دے دی تو پھر ربیبہ کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر تم نے ان بیویوں کے ساتھ مقاربت نہ کی ہو تو پھر (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں۔

﴿وَحَلَآئِلُ اَبْــنَــآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا﴾ ''اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں''

جن کو ہم بہوئیں کہتے ہیں۔ اپنے صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے۔ البتہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح میں کوئی حرج نہیں۔

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَـيْنِ﴾ ''اور یہ (بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) کہ تم بیک وقت دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو''

﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ﴾ ''سوائے اس کے کہ جو گزر چکا۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ غفور اور رحیم ہے۔''

جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا۔ اب گڑے مردے تو اکھاڑے نہیں جا سکتے۔ لیکن آئندہ کے لیے یہ محرماتِ ابدیہ ہیں۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اضافہ کیا ہے کہ جس طرح دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں نہیں رکھ سکتے اسی طرح خالہ بھانجی کو اور پھوپھی بھتیجی کو بھی بیک وقت نکاح میں نہیں رکھ سکتے۔ یہ محرماتِ ابدیہ ہیں کہ جن کے ساتھ کسی حال میں' کسی وقت شادی نہیں ہو سکتی۔

اب وہ محرمات بیان ہو رہی ہیں جو عارضی ہیں۔

آیت ۲۴ ﴿وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ ’’اور وہ عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) جو کسی اور کے نکاح میں ہوں‘‘
چونکہ وہ کسی اور کے نکاح میں ہیں اس لیے آپ پر حرام ہیں۔ ایک عورت کو اگر اس کا شوہر طلاق دے دے تو آپ اس سے نکاح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ حرمت ابدی نوعیت کی نہیں ہے۔ ’’مُحۡصَنٰت‘‘ اُن عورتوں کو کہا جاتا ہے جو کسی کی قید نکاح میں ہوں۔ ’’حِصن‘‘ قلعے کو کہتے ہیں اور ’’اِحصان‘‘ کے معنی کسی شے کو اپنی حفاظت میں لینے کے بھی اور کسی کی حفاظت میں ہونے کے بھی۔ چنانچہ ’’مُحۡصَنٰت‘‘ وہ عورتیں ہیں جو ایک خاندان کے قلعے کے اندر محفوظ ہیں اور شوہر والیاں ہیں۔ نیز یہ لفظ لونڈیوں کے مقابل آزاد خاندانی شریف زادیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

﴿اِلَّا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ۚ﴾ ’’سوائے اس کے کہ جو تمہاری مِلکِ یمین بن جائیں۔‘‘
یعنی جنگ کے نتیجے میں تمہارے ہاں کنیزیں بن کر آ جائیں۔ یہ عورتیں اگرچہ مشرکوں کی بیویاں ہیں لیکن وہ لونڈیوں کی حیثیت سے آپ کے لیے جائز ہوں گی۔

﴿کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ ۚ﴾ ’’یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا فریضہ ہے۔‘‘
یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کر دی گئی ہے۔

﴿وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ﴾ ’’ان کے سوا جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لیے حلال ہیں‘‘
آپ نے دیکھا کہ کتنی تھوڑی سی تعداد میں محرمات ہیں‘ جن سے نکاح حرام قرار دے دیا گیا ہے‘ باقی کثیر تعداد حلال ہے۔ یعنی مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے جبکہ محرمات کا دائرہ بہت محدود ہے۔

﴿اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ﴾ ’’کہ تم اپنے مال کے ذریعے ان کے طالب بنو‘‘
یعنی ان کے مہر ادا کر کے ان کے ساتھ نکاح کرو۔

﴿مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ ؕ﴾ ’’بشرطیکہ حصارِ نکاح میں ان کو محفوظ کرو‘ نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔‘‘
یعنی نیت گھر بسانے کی ہو‘ صرف مستی نکالنے کی نہیں۔ اس کو محض ایک کھیل اور مشغلہ نہ بنا لو۔

﴿فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِہٖ مِنۡہُنَّ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ فَرِیۡضَۃً ؕ﴾ ’’پس جو بھی تم نے ان سے تمتع کیا ہو تو اس کے بدلے ان کے مہر ادا کرو‘ جو مقرر ہوئے تھے۔‘‘

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا تَرٰضَیۡتُمۡ بِہٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِیۡضَۃِ ؕ﴾ ’’البتہ اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ مہر مقرر ہونے کے بعد باہمی رضامندی سے کوئی کمی بیشی کر لو۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۲۴﴾﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔‘‘

آیت ۲۵ ﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡکِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ﴾ ’’اور جو کوئی تم میں سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں سے شادی کر سکے‘‘

﴿فَمِنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ﴾ ’’تو وہ تمہاری اُن لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور مؤمنہ ہوں۔‘‘
یہاں ’’مُحۡصَنٰت‘‘ دوسرے معنی میں آیا ہے‘ یعنی شریف زادیاں‘ آزاد مسلمان عورتیں۔ اور ظاہر ہے آزاد مسلمان عورتوں کا تو مہر ادا کرنا پڑے گا۔ اس حوالے سے اگر کوئی بے چارہ مفلس ہے‘ ایک خاندانی عورت کا مہر ادا نہیں کر سکتا تو وہ کیا کرے؟ ایسے لوگوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ معاشرے میں موجود مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔

﴿وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِکُمۡ ؕ﴾ ’’اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے۔‘‘
یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون مؤمن ہے اور کون نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو بھی قانونی اعتبار سے مسلمان ہے دنیا میں وہ مؤمن سمجھا جائے گا۔

﴿بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ﴾ ’’تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔‘‘

﴿فَانۡکِحُوۡہُنَّ بِاِذۡنِ اَہۡلِہِنَّ﴾ ’’سو اُن سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے‘‘
کسی لونڈی کا مالک اس سے جنسی تعلق قائم کر سکتا ہے۔ لیکن جب ایک شخص اُس کی اجازت سے اس کی لونڈی سے نکاح کر لے تو اب لونڈی کے مالک کا یہ تعلق منقطع ہو جائے گا۔ اب وہ لونڈی اس اعتبار سے اس کے کام میں نہیں آ سکتی‘ بلکہ اب وہ ایک مسلمان کی منکوحہ ہو جائے گی۔ اسی لیے اُس نکاح کے لیے ’’بِاِذۡنِ اَہۡلِہِنَّ‘‘ کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اُس وقت کے معاشرے میں بالفعل یہ شکلیں موجود تھیں۔ یہ نہیں کہا جا رہا کہ یہ شکلیں پیدا کرو۔ غلام اور لونڈیوں کا معاملہ اُس وقت کے بین الاقوامی حالات اور اسیرانِ جنگ کے مسئلے کے ایک حل کے طور پر پہلے سے موجود تھا۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس معاشرے میں قرآن نے اصلاح کا عمل شروع کیا اس میں فی الواقع کیا صورت حال تھی اور اس میں کس کس اعتبار سے تدریجاً بہتری پیدا کی گئی۔

﴿وَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ ’’اور انہیں ان کے مہر ادا کرو معروف طریقے پر‘‘

﴿مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ﴾ ’’ان کو حصارِ نکاح میں لا کر‘ نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے والیاں ہوں‘‘
ان سے نکاح کا تعلق ہوگا‘ جس میں نیت گھر میں بسانے کی ہونی چاہیے‘ محض مستی نکالنے کی اور شہوت رانی کی نیت نہ ہو۔ یہ حصارِ نکاح میں محفوظ ہو کر رہیں‘ آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں۔

﴿وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ﴾ ’’اور نہ ہی چوری چھپے آشنائیاں کریں۔‘‘
کسی کی لونڈی سے کسی کا نکاح ہو تو کھلم کھلا ہو۔ معلوم ہو کہ فلاں کی لونڈی اب فلاں کے نکاح میں ہے۔ جیسے حضرت سمیہؓ سے حضرت یاسرؓ نے نکاح کیا تھا۔ حضرت سمیہؓ ابوجہل کے چچا کی لونڈی تھیں‘ جو ایک شریف انسان تھا۔ حضرت یاسرؓ جب

یمن سے آ کر مکہ میں آباد ہوئے تو انہوں نے ابوجہل کے چچا سے اجازت لے کر ان کی لونڈی سمیہؓ سے شادی کر لی۔ ان سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے۔ یہ تین افراد کا ایک کنبہ تھا۔ یاسرؓ عمار بن یاسر اور عمار کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم۔ ابوجہل کا شریف النفس چچا جب فوت ہو گیا تو ابوجہل کو اس کنبے پر اختیار حاصل ہو گیا اور اُس نے اس خاندان کو بدترین ایذائیں دی۔

﴿فَاِذَآ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ﴾ ''پس جب وہ قیدِ نکاح میں آ جائیں تو پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں''

﴿فَعَلَیۡہِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ﴾ ''تو اُن پر اُس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے۔''

لونڈیاں اگر قیدِ نکاح میں آنے کے بعد بدچلنی کی مرتکب ہوں تو بدکاری کی جو سزا آزاد عورتوں کو دی جائے گی انہیں اس کی نصف سزا دی جائے گی۔ واضح رہے کہ یہ ابتدائی احکامات ہیں۔ ابھی تک نہ تو سو کوڑوں کی سزا کا حکم آیا تھا اور نہ رجم کا۔ چنانچہ ''فَاٰذُوۡہُمَا'' کے حکم کی تعمیل میں بدکاری کی جو سزا ابھی آزاد خاندانی عورتوں کو دی جاتی تھی ایک منکوحہ لونڈی کو اس سے نصف سزا دینے کا حکم دیا گیا۔ اس لیے کہ ایک شریف خاندان کی عورت جسے ہر طرح کا تحفظ حاصل ہو اس کا معاملہ اور ہے اور ایک بے چاری غریب لونڈی کا معاملہ اور ہے۔

﴿ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ الۡعَنَتَ مِنۡکُمۡ ؕ﴾ ''یہ اجازت تم میں سے ان کے لیے ہے جن کو گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔''

مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لینے کی اجازت تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی شہوت اور جنسی جذبے کو روک نہ سکتے ہوں اور انہیں فتنے میں مبتلا ہو جانے اور گناہ میں ملوث ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

﴿وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ﴾ ''اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

چونکہ عام طور پر اُس معاشرے میں جو باندیاں تھیں وہ بلند کردار نہیں تھیں' لہٰذا فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ تم ان سے نکاح کرنے سے بچو اور تعفف اختیار کرو۔

﴿وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔''

آیات ۲۶ تا ۲۸

﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمۡ وَیَہۡدِیَکُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَیَتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ ۟ وَیُرِیۡدُ الَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الشَّہَوٰتِ اَنۡ تَمِیۡلُوۡا مَیۡلًا عَظِیۡمًا ﴿۲۷﴾ یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ ۚ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ﴿۲۸﴾﴾

ان تین آیات میں احکامِ شریعت کے ضمن میں فلسفہ وحکمت کا بیان ہو رہا ہے۔ احکامِ شریعت کو انسان اپنے اوپر بوجھ سمجھنے لگتا ہے۔ اسے جب حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کرو اور یہ مت کرو تو آدمی کی طبیعت ناگواری محسوس کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے شریعت کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کرسمس کے موقع پر میں لندن میں تھا۔ وہاں میں نے ایک عیسائی دانشور کی تقریر سنی تھی' جس نے کہا تھا کہ شریعت لعنت ہے۔ خواہ مخواہ ایک انسان کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ حلال ہے' یہ حرام ہے۔ جب وہ حرام سے رُک نہیں سکتا تو اس کا دل میلا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خطاکار سمجھنے لگتا ہے اور مجرم ضمیر (guilty conscience) ہو جاتا ہے۔ اس احساس کے تحت وہ منفی نفسیات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک اس ساری خرابی کا سبب یہ ہے کہ آپ نے حرام اور حلال کا فلسفہ چھیڑا۔ اگر سب کام حلال سمجھ لیے جائیں تو کوئی حرام کام کرتے ہوئے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہو گا۔ دنیا میں ایسے ایسے فلسفے بھی موجود ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک فلسفۂ احکام یہ ہے:

آیت ۲۶ ﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمۡ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے اپنے احکام واضح کر دے''

﴿وَیَہۡدِیَکُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ﴾ ''اور تمہیں ہدایت بخشے ان راستوں کی جو تم سے پہلے کے لوگوں کے تھے''

پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں نیکوکار بھی تھے اور بدکار بھی۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم انبیاء وصلحاء اور نیکوکاروں کا راستہ اختیار کرو ﴿صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ﴾ اور تم دوسرے راستوں سے بچ سکو۔

﴿وَیَتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ ؕ﴾ ''اور تم پر نظرِ عنایت فرمائے۔''

﴿وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ﴾ ''اور اللہ سب کچھ جاننے والا کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿وَاللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ ۟﴾ ''اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے۔''

﴿وَیُرِیۡدُ الَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الشَّہَوٰتِ اَنۡ تَمِیۡلُوۡا مَیۡلًا عَظِیۡمًا ﴿۲۷﴾﴾ ''اور وہ لوگ جو شہوات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ حق سے بھٹک کر دور نکل جاؤ۔''

وہ چاہتے ہیں کہ تمہارا رجحان صراطِ مستقیم کے بجائے غلط راستوں کی طرف ہو جائے اور اُدھر ہی تم بھٹکتے چلے جاؤ۔ آج بھی عورت کی آزادی (Women Lib) کی بنیاد پر اور حقوقِ نسواں کے نام پر دنیا میں جو تحریکیں برپا ہیں یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ حدود و قیود کو توڑ کر جنسی بے راہروی پھیلانے کی ایک عظیم سازش ہے جو دنیا میں چل رہی ہے۔

آیت ۲۸ ﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ ۚ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ کو ہلکا کرے۔''

تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تم پر بوجھ ڈال رہا ہے۔ اللہ تو تم پر تخفیف چاہتا ہے' تم سے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم ان چیزوں پر عمل نہیں کرو گے تو معاشرے میں گندگیاں پھیلیں گی' فساد برپا ہو گا' جھگڑے ہوں گے' بدگمانیاں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اس سب کی روک تھام چاہتا ہے' وہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے۔

﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾﴾ ''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

اس کے اندر کمزوری کے پہلو بھی موجود ہیں۔ جہاں ایک بہت اونچا پہلو ہے کہ اس میں روحِ ربانی پھونکی گئی ہے' وہاں اس کے اندر نفس بھی تو ہے' جس میں ضعف کے پہلو موجود ہیں۔

آیات ۲۹ تا ۳۵

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ قف وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْہِ نَارًا ط وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ط وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ط وَسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ط وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا ﴿۳۳﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ ط فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ط وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ج فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا ج اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ﴿۳۵﴾﴾

آیت ۲۹ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ''اے اہل ایمان' اپنے مال آپس میں باطل طریقے پر ہڑپ نہ کرو'

﴿اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ قف﴾ ''سوائے اس کے کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔''

تجارت اور لین دین کی بنیاد جب حقیقی باہمی رضامندی پر ہو تو اس سے حاصل ہونے والا منافع جائز اور حلال ہے۔ فرض کیجیے کہ آپ کی جوتوں کی دکان ہے۔ آپ نے گاہک کو ایک جوتا دکھایا اور اس کے دام دو سو روپے بتائے۔ اُس نے جوتا پسند کیا اور دو سو روپے میں خرید لیا۔ یہ باہمی رضامندی سے سودا ہے جو سیدھے سادھے اور صحیح طریقے پر ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ اس میں سے کچھ نہ کچھ نفع تو آپ نے کمایا ہے۔ آپ نے اس کے لیے محنت کی ہے' کہیں سے خرید کر لائے ہیں' اسے سٹور میں محفوظ کیا ہے' دکان کا کرایہ دیا ہے' لہٰذا یہ منافع آپ کا حق ہے اور گاہک کو اس میں تأمل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ نے یہی جوتا جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر فروخت کیا کہ میں نے تو خود اتنے کا لیا ہے تو اس طرح آپ نے اپنی ساری محنت بھی ضائع کی اور آپ نے حرام کما لیا۔ اسی طرح معاملت اور لین دین کے وہ تمام طریقے جن کی بنیاد جھوٹ اور دھوکہ دہی پر ہو ناجائز اور حرام ہیں۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط﴾ ''اور نہ اپنے آپ کو قتل کرو۔''

یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ تمدن کی بنیاد دو چیزوں پر ہے' احترامِ جان اور احترامِ مال۔ میرے لیے آپ کا مال اور آپ کی جان محترم ہے' میں اسے کوئی گزند نہ پہنچاؤں' اور آپ کے لیے میرا مال اور میری جان محترم ہے' اسے آپ گزند نہ پہنچائیں۔ اگر ہمارے مابین یہ شریفانہ معاہدہ (Gentleman's agreement) قائم رہے تب تو ہم ایک معاشرے اور ایک ملک میں رہ سکتے ہیں' جہاں اطمینان' امن وسکون اور چین ہوگا۔ اور جہاں یہ دونوں احترام ختم ہو گئے' جان کا اور مال کا' تو ظاہر بات ہے کہ پھر وہاں امن وسکون' چین اور اطمینان کہاں سے آئے گا؟ اس آیت میں باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے اور قتلِ نفس دونوں کو حرام قرار دے کر ان دونوں حرمتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ﴿۲۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا﴾ ''اور جو کوئی بھی یہ کام کرے گا تعدی اور ظلم کے ساتھ''

یعنی یہ دونوں کام —— باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانا اور قتلِ نفس۔

﴿فَسَوْفَ نُصْلِیْہِ نَارًا ط﴾ ''تو ہم جلد اس کو جھونک دیں گے آگ میں۔''

﴿وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾﴾ ''اور یہ چیز اللہ پر بہت آسان ہے۔''

یہ مت سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نوعِ انسانی کے بہت بڑے حصے کو جہنم میں کیسے جھونک دے گا؟ یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اگلی دو آیات میں انسانی تمدن کے دو بہت اہم مسائل بیان ہو رہے ہیں' جو بڑے گہرے اور فلسفیانہ اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا مسئلہ گناہوں کے بارے میں ہے' جن میں کبائر اور صغائر کی تقسیم ہے۔ بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک اور پھر کفر ہے۔ پھر یہ کہ جو فرائض ہیں ان کا ترک کرنا اور جو حرام چیزیں ہیں ان کا ارتکاب کبائر میں شامل ہوگا۔ ایک ہیں چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں جو انسان سے اکثر ہو جاتی ہیں' مثلاً آداب میں یا احکام کی جزئیات میں کوئی کوتاہی ہو گئی' یا بغیر کسی ارادے کے کہیں کسی کو ایسی بات کہہ بیٹھے کہ جو غیبت کے حکم میں آ گئی' وغیرہ وغیرہ۔ اس ضمن میں صحت مندانہ رویہ یہ ہے کہ کبائر سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے کہ اس سے انسان بالکل پاک ہو جائے۔ فرائض کی پوری ادائیگی ہو' محرمات سے

مطلق اجتناب ہو' اور یہ جو چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں ان کے بارے میں نہ تو ایک دوسرے پر زیادہ گرفت اور نکیر کی جائے اور نہ ہی خود زیادہ دل گرفتہ ہوا جائے' بلکہ ان کے بارے میں توقع رکھی جائے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ ان کے بارے میں استغفار بھی کیا جائے اور یہی صغائر ہیں جو نیکیوں کے ذریعے سے خود بخود بھی ختم ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ اَعضائے وضو دھوتے ہوئے ان اعضاء کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کرتا ہے تو جب وہ کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈالتا ہے تو اُس کے منہ اور ناک سے اس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں سے اُس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے گناہ نکل جاتے ہیں' یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ دھل جاتے ہیں۔ جب وہ سر کا مسح کرتا ہے تو اُس کے سر اور کانوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے گناہ نکل جاتے ہیں' یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔ پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا اس کی نیکیوں میں اضافہ بنتا ہے۔(۱)

یہ صغیرہ گناہ ہیں جو نیکیوں کے اثر سے معاف ہوتے رہتے ہیں' از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ﴾ (ھود:۱۱۴) ''یقیناً نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں''۔ ان برائیوں سے مراد کبائر نہیں' صغائر ہیں۔ کبائر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے (اِلاّ ماشاءاللہ!) ان کے لیے توبہ کرنی ہوگی۔ اور جو اکبر الکبائر یعنی شرک ہے اس کے بارے میں تو اس سورت میں دو مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ﴾ (آیت ۴۸ و ۱۱۶) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ یہ بات تو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے' اور اس کے ماسوا جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا''۔ لیکن ہمارے ہاں مذہب کا جو مسخ شدہ (perverted) تصور موجود ہے اس سے ایک ایسا مذہبی مزاج وجود میں آتا ہے کہ جو کبائر ہیں وہ تو ہو رہے ہیں' سود خوری ہو رہی ہے' حرام خوری ہو رہی ہے' مگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر نکیر ہو رہی ہے۔ ساری گرفت ان باتوں پر ہو رہی ہے کہ تمہاری داڑھی کیوں شرعی نہیں ہے' اور تمہارا پائنچہ ٹخنوں سے نیچے کیوں ہے؟ قرآن مجید میں اس معاملے کو تین جگہ نقل کیا گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں درگزر سے بھی کام لو اور یہ کہ بہت زیادہ متفکر بھی نہ ہو۔ اس معاملے میں باہمی نسبت و تناسب پیش نظر رہنی چاہیے۔ فرمایا:

آیت ۳۱ ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ ''اگر تم اجتناب کرتے رہو گے اُن بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا جا رہا ہے''

﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ﴾ ''تو ہم تمہاری چھوٹی برائیوں کو تم سے دور کر دیں گے''

ہم تمہیں ان سے پاک صاف کرتے رہیں گے۔ تم جو بھی نیک کام کرو گے ان کے حوالے سے تمہاری سیّئات خود بخود ڈھلتی رہیں گی۔

﴿وَّنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾﴾ ''اور تمہیں داخل کریں گے بہت باعزت جگہ پر۔''

یہ مضمون سورۃ الشوریٰ میں بھی آیا ہے اور پھر سورۃ النجم میں بھی۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں اور یہ مضمون قرآن میں تین بار آیا ہے۔

دوسرا مسئلہ انسانی معاشرے میں فضیلت کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک جیسا تو نہیں بنایا ہے۔ کسی کو خوبصورت بنا دیا تو کسی کو بدصورت۔ کوئی صحیح سالم ہے تو کوئی ناقص الاعضاء ہے۔ کسی کا قد اونچا ہے تو کوئی ٹھگنے قد کا ہے اور لوگ اس پر ہنستے ہیں۔ کسی کو مرد بنا دیا' کسی کو عورت۔ اب کوئی عورت اندر ہی اندر کڑھتی رہے کہ مجھے اللہ نے عورت کیوں بنایا تو اس کا حاصل کیا ہوگا؟ اسی طرح کوئی بدصورت انسان ہے یا ٹھگنا ہے یا کسی اور اعتبار سے کمتر ہے اور وہ دوسرے شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ تو بڑا اچھا ہے' تو اب اس پر کڑھنے کے بجائے یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے اس پر صبر اور شکر کرے۔ اللہ کا فضل کسی اور پہلو سے بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ ارادہ کرے کہ میں نیکی اور خیر کے کاموں میں آگے بڑھ جاؤں' میں علم میں آگے بڑھ جاؤں۔ اس طرح انسان دوسری چیزوں سے ان چیزوں کی تلافی کر لے جو اسے میسر نہیں ہیں' بجائے اس کے کہ ایک منفی نفسیات پروان چڑھتی چلی جائے۔ اس طرح انسان احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور اندر ہی اندر کڑھتے رہنے سے طرح طرح کی ذہنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ذہنی الجھنوں' محرومیوں اور ناکامیوں کے احساسات کے تحت انسان اپنا ذہنی توازن تک کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے اس ضمن میں کس قدر عمدہ تعلیم دی جا رہی ہے:

آیت ۳۲ ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ﴾ ''اور تمنا نہ کیا کرو اُس شے کی جس کے ذریعے سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دے دی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو ان کی خلقی صفات کے اعتبار سے دوسروں پر فضیلت دی ہے۔ آدمی کی یہ ذہنیت کہ جہاں کسی دوسرے کو اپنے مقابلہ میں کسی حیثیت سے بڑھا ہوا دیکھے بے چین ہو جائے' اس کے اندر حسد' رقابت اور عداوت کے جذبات پیدا کر دیتی ہے۔ اس آیت میں اسی ذہنیت سے بچنے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔ فضیلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مرد بنایا' کسی کو عورت۔ یہ چیز بھی خلقی ہے اور کسی عورت کی مرد بننے یا کسی مرد کی عورت بننے کی تمنا نری حماقت ہے۔ البتہ دنیا میں قسمت آزمائی اور جدوجہد کے مواقع سب کے لیے موجود ہیں۔ چنانچہ پہلی بات یہ بتائی جا رہی ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ﴾ ''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں گے۔''

﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ﴾ ''اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں گی۔''

یعنی جہاں تک نیکیوں' خیرات اور حسنات کا معاملہ ہے' یا سیئات و منکرات کا معاملہ ہے' مرد و زن میں بالکل مساوات ہے۔ مرد نے جو نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے اور عورت نے جو نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے۔ مسابقت کا یہ میدان دونوں کے لیے کھلا ہے۔ عورت نیکی میں مرد سے آگے نکل سکتی ہے۔ کروڑوں مرد ہوں گے جو قیامت کے دن حضرت خدیجہ' حضرت عائشہ

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مقام پر رشک کریں گے اور ان کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ آدمی کا طرزِ عمل تسلیم و رضا کا ہونا چاہیے کہ جو بھی اللہ نے مجھے بنا دیا اور جو کچھ مجھے عطا فرمایا اس حوالے سے مجھے بہتر سے بہتر کرنا ہے۔ میرا ''شاکلہ'' تو اللہ کی طرف سے آ گیا ہے' جس سے میں تجاوز نہیں کر سکتا: ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ﴾ (بنی اسراء یل:٨٤) اور ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ﴾ (آیت ٢٨٦) لہٰذا میری ''وسعت'' جو ہے وہ اللہ نے بنا دی ہے۔

سورۃ النساء کی زیر مطالعہ آیت سے بعض لوگ یہ مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عورتیں بھی مال کما سکتی ہیں۔ یہ بات سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید میں صرف ایک مقام (البقرۃ:٢٦٧) پر ''کسب'' کا لفظ معاشی جدوجہد اور معاشی کمائی کے لیے آیا ہے: ﴿اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾۔ باقی پورے قرآن میں ''کسب'' جہاں بھی آیا ہے اعمال کے لیے آیا ہے۔ کسب حسنات نیکیاں کمانا ہے اور کسب سیئات بدیاں کمانا۔ آپ اس آیت کے الفاظ پر دوبارہ غور کیجیے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ﴾ ''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا' اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا''۔ تو کیا ایک عورت کی تنخواہ اگر دس ہزار ہے تو اسے اس میں سے پانچ ہزار ملیں گے؟ نہیں' بلکہ اسے پوری تنخواہ ملے گی۔ لہٰذا اس آیت میں ''کسب'' کا اطلاق دُنیوی کمائی پر نہیں کیا جا سکتا۔ ایک خاتون کوئی کام کرتی ہے یا کہیں ملازمت کرتی ہے تو اگر اس میں کوئی حرام پہلو نہیں ہے' شریفانہ جاب ہے' اور وہ ستر و حجاب کے آداب بھی ملحوظ رکھتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو بھی کمائی ہو گی وہ پوری اس کی ہو گی' اس میں اس کا حصہ تو نہیں ہو گا۔ البتہ یہ اسلوب جزائے اعمال کے لیے آتا ہے کہ انہیں ان کی کمائی میں سے حصہ ملے گا۔ اس لیے کہ اعمال کے مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس عمل میں خلوصِ نیت کتنا تھا اور آداب کتنے ملحوظ رکھے گئے۔ ہم سورۃ البقرۃ میں حج کے ذکر میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ﴾ (آیت ٢٠٢) یعنی جو انہوں نے کمایا ہو گا اس میں سے انہیں حصہ ملے گا۔ اسی طرح یہاں پر بھی اکتساب سے مراد اچھے یا برے اعمال کمانا ہے۔ یعنی اخلاقی سطح پر اور انسانی عزت و تکریم کے لحاظ سے عورت اور مرد برابر ہیں' لیکن معاشرتی ذمہ داریوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جو تقسیم کار رکھی ہے اس کے اعتبار سے فرق ہے۔ اب اگر عورت اس فرق کو قبول کرنے پر تیار نہ ہو' مفاہمت پر رضا مند نہ ہو' اور وہ اس پر کڑھتی رہے اور مرد کے بالکل برابر ہونے کی کوشش کرے تو ظاہر ہے کہ معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

﴿وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ ''اور اللہ سے اس کا فضل طلب کرو۔''

یعنی جو فضیلت اللہ نے دوسروں کو دے رکھی ہے اس کی تمنا نہ کرو' البتہ اُس سے فضل کی دعا کرو کہ اے اللہ! تو نے اس معاملے میں مجھے کمتر رکھا ہے' تو مجھے دوسرے معاملات کے اندر ہمت دے کہ میں ترقی کروں۔ اللہ تعالیٰ جس پہلو سے مناسب سمجھے گا اپنا فضل تمہیں عطا فرما دے گا۔ وہ بہت سے لوگوں کو کسی اور پہلو سے نمایاں کر دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿٣٢﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔''

آیت ٣٣ ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ﴾ ''اور ہر ایک کے لیے ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں جو بھی والدین اور رشتہ دار چھوڑیں۔''

قانونِ وراثت کی اہمیت کو دیکھئے کہ اب آخر میں ایک مرتبہ پھر اس کا ذکر فرمایا۔

﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ﴾ ''اور جن کے ساتھ تمہارے عہد و پیمان ہوں تو ان کو ان کا حصہ دو۔''

ایک نیا مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ جن لوگوں کے ساتھ دوستی اور بھائی چارہ ہے یا مواخات کا رشتہ ہے (مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا تھا) تو کیا ان کا وراثت میں بھی حصہ ہے؟ اس آیت میں فرمایا گیا کہ وراثت تو اُسی قاعدہ کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہونی چاہیے جو ہم نے مقرر کر دیا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ تمہارے دوستی اور بھائی چارے کے عہد و پیمان ہیں' یا جو منہ بولے بھائی یا بیٹے ہیں ان کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے' البتہ اپنی زندگی میں ان کے ساتھ جو بھلائی کرنا چاہو کر سکتے ہو' انہیں جو کچھ دینا چاہو دے سکتے ہو' اپنی وراثت میں سے بھی کچھ وصیت کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ لیکن جو قانونِ وراثت طے ہو گیا ہے اُس میں کسی ترمیم و تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ وراثت میں حق دار کوئی اور نہیں ہو گا سوائے اُس کے جس کو اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔''

اب آ رہی ہے اصل میں وہ کانٹے دار آیت جو عورتوں کے حلق سے بہت مشکل سے اُترتی ہے' کانٹا بن کر اٹک جاتی ہے۔ اب تک اس ضمن میں جو باتیں آئیں وہ دراصل اس کی تمہید کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پہلی تمہید سورۃ البقرۃ میں آ چکی ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ﴾ (آیت ٢٢٨) ''اور عورتوں کے لیے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں ہیں دستور کے مطابق' البتہ مردوں کے لیے اُن پر ایک درجہ فوقیت کا ہے''۔ یہ کہہ کر بات چھوڑ دی گئی۔ اس کے بعد ابھی ہم نے پڑھا: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ﴾ یہ ہدایت عورتوں کے لیے مزید ذہنی تیاری کی غرض سے دی گئی۔ اور اب دوٹوک انداز میں ارشاد ہو رہا ہے:

آیت ٣٤ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں''

یہ ترجمہ میں زور دے کر کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ یہاں قَامَ 'عَلٰی' کے صلہ کے ساتھ آ رہا ہے۔ قَامَ 'بِ' کے ساتھ آئے گا تو معنی ہوں گے ''کسی شے کو قائم کرنا''۔ اسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر یہ الفاظ آئیں گے: ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ﴾ ''عدل کو قائم کرنے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ!'' جبکہ قَامَ عَلٰی کا مفہوم ہے کسی کے اوپر مسلط ہونا' یعنی حاکم اور منتظم ہونا۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ سے یہ واضح ہدایت ملتی ہے کہ گھر کے ادارے میں حاکم ہونے کی حیثیت مرد کو حاصل ہے'

سربراہِ خاندان مرد ہے‘ عورت نہیں ہے۔ عورت کو بہرحال اس کے ساتھ ایک وزیر کی حیثیت سے کام کرنا ہے۔ یوں تو ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ میری بات مانی جائے۔ گھر کے اندر مرد بھی یہ چاہتا ہے اور عورت بھی۔ لیکن آخر کار کس کی بات چلے گی؟ یا تو دونوں باہمی رضامندی سے کسی مسئلے میں متفق ہو جائیں‘ بیوی اپنے شوہر کو دلیل سے‘ اپیل سے‘ جس طرح ہو سکے قائل کرلے تو معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ لیکن اگر معاملہ طے نہیں ہو رہا تو اب کس کی رائے فیصلہ کن ہوگی؟ مرد کی! عورت کی رائے جب مسترد ہو گی تو اُسے اس سے ایک صدمہ تو پہنچے گا۔ اسی صدمے کا اثر کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت میں نسیان کا مادہ زیادہ رکھ دیا ہے‘ جو ایک safety valve کا کام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانونِ شہادت میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کا نصاب رکھا گیا ہے ’’تا کہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائے تو دوسری یاد کرا دے‘‘۔ اس پر ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۸۲) میں بھی گفتگو کر چکے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے گھر کے ادارے کا سربراہ مرد کو بنایا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ مرد اگر اپنی اس حیثیت کا غلط استعمال کرتا ہے‘ عورت پر ظلم کرتا ہے اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اللہ کے ہاں بڑی سخت پکڑ ہوگی۔ آپ کو ایک اختیار دیا گیا ہے اور آپ اس کا غلط استعمال کر رہے ہیں‘ اس کو ظلم کا ذریعہ بنا رہے ہیں تو اس کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو مل جائے گی۔

﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ’’بسبب اُس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے‘‘

مرد کو بعض صفات میں عورت پر نمایاں تفوّق حاصل ہے‘ جن کی بنا پر قوّامیت کی ذمہ داری اس پر ڈالی گئی ہے۔

﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ﴾ ’’اور بسبب اس کے کہ جو وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال۔‘‘

اسلام کے معاشرتی نظام میں کفالتی ذمہ داری تمام تر مرد کے اوپر ہے۔ شادی کے آغاز ہی سے مرد اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ شادی اگرچہ مرد کی بھی ضرورت ہے اور عورت کی بھی‘ لیکن مرد مہر دیتا ہے‘ عورت مہر وصول کرتی ہے۔ پھر گھر میں عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمے ہے۔

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ ’’پس جو نیک بیویاں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں‘‘

مرد کو قوّامیت کے منصب پر فائز کرنے کے بعد اب نیک بیویوں کا رویہ بتایا جا رہا ہے۔ یوں سمجھئے کہ قرآن کے نزدیک ایک خاتونِ خانہ کی جو بہترین روش ہونی چاہیے وہ یہاں تین الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ﴾۔

﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ﴾ ’’غیب میں حفاظت کرنے والیاں‘‘

وہ مردوں کی غیر موجودگی میں ان کے اموال اور حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔ ظاہر ہے مرد کا مال تو گھر میں ہی ہوتا ہے‘ وہ کام پر چلا گیا تو اب وہ بیوی کی حفاظت میں ہے۔ اسی طرح بیوی کی عصمت درحقیقت مرد کی عزت ہے۔ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت کرتی ہے۔ اسی طرح مرد کے راز ہوتے ہیں‘ جن کی سب سے زیادہ بڑھ کر رازدان بیوی ہوتی ہے۔ تو یہ حفاظت تین اعتبارات سے ہے‘ شوہر کے مال کی‘ شوہر کی عزت و ناموس کی‘ اور شوہر کے رازوں کی۔

﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ﴾ ’’اللہ کی حفاظت سے۔‘‘

اصل حفاظت و نگرانی تو اللہ کی ہے‘ لیکن انسان کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی پڑتی ہے۔ جیسے رازق تو اللہ ہے‘ لیکن انسان کو کام کر کے رزق کمانا پڑتا ہے۔

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ﴾ ’’اور وہ خواتین جن کے بارے میں تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو‘‘

اگر کسی عورت کے رویے سے ظاہر ہو رہا ہو کہ یہ سرکشی‘ سرتابی‘ ضد اور ہٹ دھرمی کی روش پر چل پڑی ہے‘ شوہر کی بات نہیں مان رہی بلکہ ہر صورت میں اپنی بات منوانے پر مصر ہے اور اس طرح گھر کی فضا خراب کی ہوئی ہے تو یہ نشوز ہے۔ اگر عورت اپنی اس حیثیت کو ذہناً تسلیم نہ کرے کہ وہ شوہر کے تابع ہے تو ظاہر بات ہے کہ مزاحمت (friction) ہوگی اور اس کے نتیجے میں گھر کے اندر ایک فساد پیدا ہوگا۔ ایسی صورت حال میں مرد کو قوّام ہونے کی حیثیت سے بعض تادیبی اختیارات دیے گئے ہیں‘ جن کے تین مراحل ہیں:

﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ ’’پس ان کو نصیحت کرو‘‘

پہلا مرحلہ سمجھانے بجھانے کا ہے‘ جس میں ڈانٹ ڈپٹ بھی شامل ہے۔

﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ﴾ ’’اور ان کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو‘‘

اگر نصیحت و ملامت سے کام نہ چلے تو دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ان سے اپنے بستر علیحدہ کر لو اور اس کے ساتھ تعلق زن و شو کچھ عرصہ کے لیے منقطع کر لو۔

﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ﴾ ’’اور ان کو مارو۔‘‘

اگر اب بھی وہ اپنی روش نہ بدلیں تو مرد کو جسمانی سزا دینے کا بھی اختیار ہے۔ اس ضمن میں آنحضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ چہرے پر نہ مارا جائے اور کوئی ایسی مار نہ ہو جس کا مستقل نشان جسم پر پڑے۔ مذکورہ بالا تادیبی ہدایات اللہ کے کلام کے اندر بیان فرمائی گئی ہیں اور انہیں بیان کرنے میں ہمارے لیے کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیے۔ معاشرتی زندگی کو درست رکھنے کے لیے ان کی ضرورت پیش آئے تو انہیں اختیار کرنا ہوگا۔

﴿فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ﴾ ’’پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف (خواہ مخواہ زیادتی کی) راہ مت تلاش کرو۔‘‘

اگر عورت سرکشی و سرتابی کی روش چھوڑ کر اطاعت کی راہ پر آ جائے تو پچھلی کدورتیں بھلا دینی چاہئیں۔ اس سے انتقام لینے کے بہانے تلاش نہیں کرنے چاہئیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے‘ بہت بڑا ہے۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا﴾ ’’اور اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو‘‘

''اب اگر کوئی تدبیر نتیجہ خیز نہ ہو اور ان دونوں کے مابین ضدم ضدا کی کیفیت پیدا ہو چکی ہو کہ عورت بھی اکڑ گئی ہے' مرد بھی اکڑا ہوا ہے' اور اب ان کا ساتھ چلنا مشکل نظر آتا ہو تو اصلاحِ احوال کے لیے ایک دوسری تدبیر اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔''

﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ﴾ ''تو ایک حَکم مرد کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک حَکم عورت کے خاندان سے۔''

﴿اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ﴾ ''اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔''

''اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا'' میں مراد زوجین بھی ہو سکتے ہیں اور حکمین بھی۔ یعنی ایک تو یہ کہ اگر واقعتاً شوہر اور بیوی موافقت چاہتے ہیں تو اللہ ان کے درمیان سازگاری پیدا فرما دے گا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کی خواہش ہوتی ہے کہ معاملہ درست ہو جائے' لیکن کوئی نفسیاتی گرہ ایسی بندھ جاتی ہے جسے کھولنا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔ اب اگر دونوں کے خاندانوں میں سے ایک ایک ثالث آ جائے گا اور وہ دونوں مل بیٹھ کر خیر خواہی کے جذبے سے اصلاحِ احوال کی کوشش کریں گے تو اس گرہ کو کھول سکیں گے۔ یہ دونوں اسبابِ اختلاف کی تحقیق کریں گے' میاں بیوی دونوں کے گلے شکوے اور وضاحتیں سنیں گے اور دونوں کو سمجھا بجھا کر تصفیہ کی کوئی صورت نکالیں گے۔ ''اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا'' میں مراد حکمین بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر وہ اصلاح کی پوری کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے مابین موافقت پیدا فرما دے گا۔ لیکن میرا رجحان پہلی رائے کی طرف زیادہ ہے کہ اس سے مراد میاں بیوی ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔''

آیات ۳۶ تا ۴۳

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَـنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُــوْرَۨا ۝۳۶ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝۳۸ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَھُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِــيْمًا ۝۳۹ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۴۰ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۝۴۱ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝۴۲ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳﴾

اس سے قبل سورۃ البقرۃ آیت ۸۳ میں بنی اسرائیل سے لیے جانے والے میثاق کا ذکر آیا تھا۔ اس میثاق میں جو باتیں مذکور تھیں وہ گویا اُمہاتِ شریعت یا دین کی بنیادیں ہیں۔ ارشاد ہوا: ''اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ تم نہیں عبادت کرو گے کسی کی سوائے اللہ کے' اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو گے اور قرابت داروں' یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھی' اور لوگوں سے اچھی بات کہو' اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو''۔ اب یہ دوسرا مقام آ رہا ہے کہ شریعت کے اندر جو چیزیں اہم تر ہیں اور جنہیں معاشرتی سطح پر مقدم رکھنا چاہیے وہ بیان کی جا رہی ہیں۔ فرمایا:

آیت ۳۶ ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا﴾ ''اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ''

سب سے پہلا حق اللہ کا ہے کہ اُسی کی بندگی اور پرستش کرو' اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

﴿وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ ''اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو''

قرآن حکیم میں ایسے چار مقامات ہیں جہاں اللہ کے حق کے فوراً بعد والدین کے حق کا تذکرہ ہے۔ یہ بھی ہمارے خاندانی نظام کے لیے بہت اہم بنیاد ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ہو' ان کا ادب واحترام ہو' ان کی خدمت کی جائے' ان کے سامنے آواز پست رکھی جائے۔ یہ بات سورۂ بنی اسرائیل میں بڑی تفصیل سے آئے گی۔ ہمارے معاشرے میں خاندان کے استحکام کی یہ ایک بہت اہم بنیاد ہے۔

﴿وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ ''اور قرابت داروں' یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ''

﴿وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ ''اور قرابت دار ہمسائے اور اجنبی ہمسائے کے ساتھ''

پہلے عام طور پر محلے ایسے ہی ہوتے تھے کہ ایک قبیلہ ایک ہی جگہ رہ رہا ہے' رشتہ داری بھی ہے اور ہمسائیگی بھی۔ لیکن کوئی اجنبی ہمسایہ بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے آج کل شہروں میں ہمسائے اجنبی ہوتے ہیں۔

﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَـنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ﴾ ''اور ہم نشین ساتھی اور مسافر کے ساتھ''

ایک ہمسائیگی عارضی نوعیت کی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً آپ بس میں بیٹھے ہوئے ہیں' آپ کے برابر بیٹھا ہوا شخص آپ کا ہمسایہ ہے۔ نیز جو لوگ کسی بھی اعتبار سے آپ کے ساتھی ہیں' آپ کے پاس بیٹھنے والے ہیں' وہ سب آپ کے حسنِ سلوک کے مستحق ہیں۔

﴿وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط﴾ ''اور وہ لونڈی غلام جو تمہارے ملکِ یمین ہیں (ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو)۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿٣٦﴾﴾ ''اللہ بالکل پسند نہیں کرتا اُن لوگوں کو جو شیخی خورے اور اکڑنے والے ہوں۔''

آیت ۳۷ ﴿نِ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ ''جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں''

جن میں یہ شیخی خوری اور اکڑ ہوتی ہے پھر وہ بخیل بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ غرور و تکبر عام طور پر دولت کی بنا پر ہوتا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ہمارے پاس جو دولت ہے اگر یہ خرچ ہوگئی تو ہمارا وہ مقام نہیں رہے گا' لوگوں کی نظروں میں ہماری عزت نہیں رہے گی۔ لہٰذا وہ اپنا مال خرچ کرنے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ اس پر انہیں یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں ملامت کریں گے کہ تم بڑے بخیل ہو' چنانچہ وہ خود لوگوں کو اس طرح کے مشورے دینے لگتے ہیں کہ بابا اس طرح کھلا خرچ نہ کیا کرو' تم خواہ مخواہ پیسے اڑاتے ہو' عقل کے ناخن لو' کچھ نہ کچھ بچا کے رکھا کرو' وقت پر کام آئے گا۔ اس طرح وہ لوگوں کو بھی بخل ہی کا مشورہ دیتے ہیں۔

﴿وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط﴾ ''اور وہ چھپاتے ہیں اس کو جو اللہ نے انہیں اپنے فضل میں سے دیا ہے۔''

اپنی دولت کو چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ انہیں یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ دولت ظاہر ہوگی تو کوئی سائل سوال کر بیٹھے گا۔ لہٰذا خود ہی مسکین صورت بنائے رکھتے ہیں کہ کوئی ان کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے۔

﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٣٧﴾﴾ ''اور ایسے ناشکروں کے لیے ہم نے بڑا اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۳۸ ﴿وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ﴾ ''اور وہ لوگ (بھی اللہ کو ناپسند ہیں) جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے''

﴿وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط﴾ ''اور وہ حقیقت میں ایمان نہیں رکھتے نہ اللہ پر نہ یوم آخر پر۔''

﴿وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿٣٨﴾﴾ ''(ایسے لوگ گویا شیطان کے ساتھی ہیں) اور جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ بہت ہی برا ساتھی ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''ان لوگوں پر کیا آفت آ جاتی اگر یہ اللہ اور یوم آخر پر (صدقِ دل سے) ایمان لے آتے''

﴿وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ط﴾ ''اور خرچ کرتے (کھلے دل کے ساتھ) اس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے۔''

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿٣٩﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح واقف ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ج﴾ ''یقیناً اللہ کسی پر ذرّے کے ہم وزن بھی ظلم نہیں کرے گا۔''

﴿وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا﴾ ''اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا بڑھائے گا''

﴿وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾﴾ ''اور خاص اپنے خزانہ فضل سے مزید بہت بڑا اجر دے گا۔''

اس سورۂ مبارکہ کی اگلی آیت بڑی اہم ہے۔ یہ اُس شہادت علی الناس سے متعلق ہے جو مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴۳) میں آیا تھا کہ اے مسلمانو! تمہیں اب شہداء علی الناس بنایا گیا ہے' جیسے کہ نبیؐ نے تم پر شہادت دی ہے۔ نبی مکرمﷺ قیامت کے دن کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ میرے پاس جو دین آیا تھا میں نے انہیں پہنچا دیا تھا' اب یہ اپنے طرزِ عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔ یہی بات قیامت کے دن کھڑے ہو کر تمہیں کہنی ہے کہ اے اللہ ہم نے اپنے زمانے کے لوگوں تک تیرا دین پہنچا دیا تھا' اب اس کے بعد اپنے طرزِ عمل کے یہ خود جواب دہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ الٹا وہ ہمارے اوپر مقدمہ کریں کہ اے اللہ ان بدبختوں نے ہمیں تیرا دین نہیں پہنچایا' یہ خزانے کے سانپ بن کر بیٹھے رہے۔ یہ تو شہادت کا ایک رخ ہے' لیکن جس کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہو' واقعہ یہ ہے کہ اس کے لیے تو یہ ایک بہت بھاری بوجھ ہے۔ یہاں اس کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن کیا ہوگا۔

آیت ۴۱ ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ﴾ ''تو اُس دن کیا صورت حال ہوگی جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے''

یعنی اُس نبی اور رسول کو گواہ بنا کر کھڑا کریں گے جس نے اس اُمت کو دعوت پہنچائی ہوگی۔

﴿وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾﴾ ''اور (اے نبی) آپ کو لائیں گے ہم ان پر گواہ بنا کر۔''

یعنی آپؐ کو کھڑے ہو کر کہنا ہوگا کہ اے اللہ! میں نے ان تک تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ ہماری عدالتی اصطلاح میں اسے استغاثہ کا گواہ (prosecution witness) کہا جاتا ہے۔ گویا عدالتِ خداوندی میں نبی مکرمﷺ استغاثہ کے گواہ کی

حیثیت سے پیش ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ! تیرا پیغام جو مجھ تک پہنچا تھا میں نے انہیں پہنچا دیا تھا' اب یہ خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ چنانچہ اپنی ہی قوم کے خلاف گواہی آ گئی نا؟ یہاں الفاظ نوٹ کر لیجیے: عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا اور عَلٰی ہمیشہ مخالفت کے لیے آتا ہے۔ ہم تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے شفاعت کی امید میں ہیں اور یہاں ہمارے خلاف مقدمہ قائم ہونے چلا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ دربارِ خداوندی میں ہمارے خلاف گواہی دیں گے کہ اے اللہ! میں نے تیرا دین ان کے سپرد کیا تھا' اب اسے دنیا میں پھیلانا ان کا کام تھا' لیکن انہوں نے خود دین کو چھوڑ دیا۔ سورۃ الفرقان میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾﴾ ''اور رسول کہیں گے کہ پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا تھا''۔

سورۃ النساء کی آیت زیر مطالعہ کے بارے میں ایک واقعہ بھی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ! انہوں نے عرض کیا حضور آپ کو سناؤں؟ آپؐ پر تو نازل ہوا ہے۔ فرمایا: ہاں، لیکن مجھے کسی دوسرے سے سن کر کچھ اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی۔ حضورؐ بھی سن رہے تھے' باقی اور صحابہؓ بھی ہوں گے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گردن جھکائے پڑھتے جا رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾﴾ تو حضور ﷺ نے فرمایا: حَسْبُکَ' حَسْبُکَ (بس کرو' بس کرو!) عبداللہ بن مسعودؓ نے سر اٹھا کر دیکھا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس وجہ سے کہ مجھے اپنی قوم کے خلاف گواہی دینی ہوگی۔

آیت ۴۲ ﴿يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ﴾ ''اُس دن تمنا کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ کاش ان کے سمیت زمین برابر کر دی جائے''۔

یعنی کسی طرح زمین پھٹ جائے اور ہم اس میں دفن ہو جائیں' ہمیں نسیاً منسیاً کر دیا جائے۔

﴿وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾﴾ ''اور وہ اللہ سے کوئی بات بھی چھپا نہیں سکیں گے''۔

آیت ۴۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی﴾ ''اے اہل ایمان' نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے کی حالت میں ہو''

﴿حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ ''یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جو کچھ تم کہہ رہے ہو''

سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں شراب اور جوئے کے بارے میں محض اظہارِ ناراضگی فرمایا گیا تھا کہ ﴿اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾ ''ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے''۔ اب اگلے قدم کے طور پر شراب کے اندر جو خباثت' شناعت اور برائی کا پہلو ہے اسے ایک مرتبہ اور اجاگر کیا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کرو۔ جب تک نشہ اُتر نہ جائے اور تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اُس وقت تک نماز نہ پڑھا کرو۔ چونکہ شراب کی حرمت کا حکم ابھی نہیں آیا تھا لہٰذا بعض اوقات لوگ نشے کی حالت ہی میں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے۔ ایسے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ کسی نے نشے میں نماز پڑھائی اور ''لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ'' کے بجائے ''اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ'' پڑھ دیا۔ اس پر خاص طور پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ کے الفاظ قابل غور ہیں کہ جب تک کہ تم شعور کے ساتھ سمجھ نہ رہے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو! اس میں ایک اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ بے سمجھے نماز مت پڑھا کرو! یعنی ایک تو مدہوشی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آ رہا اور غلط سلط پڑھ رہے ہیں تو اس سے روکا جا رہا ہے' اور ایک سمجھتے ہی نہیں کہ نماز میں کیا پڑھ رہے ہیں۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم کہہ کیا رہے ہو۔ اب جنہیں قرآن مجید کے معنی نہیں آتے' نماز کے معنی نہیں آتے' انہیں کیا پتا کہ وہ نماز میں کیا کہہ رہے ہیں!

﴿وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ۭ﴾ ''اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے قریب نہ جاؤ) جب تک غسل نہ کر لو' الا یہ کہ راستے سے گزرتے ہوئے''۔

اگر تم نے اپنی بیویوں سے مباشرت کی ہو یا احتلام وغیرہ کی شکل ہو گئی ہو تب بھی تم نماز کے قریب مت جاؤ جب تک کہ غسل نہ کر لو۔ ''اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ'' کے بارے میں بہت سے قول ہیں۔ بعض فقہاء اور مفسرین نے اس کا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ حالتِ جنابت میں مسجد میں نہ جانا چاہیے' الا یہ کہ کسی کام کے لیے مسجد میں سے گزرنا ہو' جبکہ بعض نے اس سے مراد سفر لیا ہے۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰی سَفَرٍ﴾ ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو''

آدمی کو تیز بخار ہے یا کوئی اور تکلیف ہے جس میں غسل کرنا مضر ثابت ہو سکتا ہے تو تیمّم کی اجازت ہے۔ اسی طرح کوئی شخص سفر میں ہے اور اسے پانی دستیاب نہیں ہے تو وہ تیمّم کر لے۔

﴿اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ﴾ ''یا تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت کے بعد آیا ہو''

﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ﴾ ''یا تم نے عورتوں کے ساتھ مباشرت کی ہو''

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً﴾ ''پھر تم پانی نہ پاؤ''

﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ ''تو پاک مٹی کا قصد کرو''

یعنی وہ تمام صورتیں جن میں غسل یا وضو واجب ہے' ان میں اگر بیماری غسل سے مانع ہو' حالت سفر میں نہانا ممکن نہ ہو' قضائے حاجت یا عورتوں سے مباشرت کے بعد پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیا جائے۔

﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ﴾ ''اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو''۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لیلۃ القدر کی جو دعا مروی ہے اس میں یہی لفظ آیا ہے: ((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ)) ''اے اللہ! تو معاف فرمانے والا ہے' معافی کو پسند کرتا ہے' پس تو مجھے معاف فرما دے!''

سورۃ النساء کی ان تینتالیس آیات میں وہی سورۃ البقرۃ کا انداز ہے کہ شریعت کے احکام مختلف گوشوں میں' مختلف پہلوؤں سے بیان ہوئے۔ عبادات کے ضمن میں تیمّم کا ذکر آ گیا' وراثت کا قانون پوری تفصیل سے بیان ہو گیا اور معاشرے

میں جنسی بے راہ روی کی روک تھام کے لیے احکام آ گئے‘ تا کہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں آئے جہاں ایک مستحکم خاندانی نظام ہو۔ اب یہاں ایک مختصر سا خطاب اہل کتاب کے بارے میں آ رہا ہے۔

آیات ۴۴ تا ۵۷

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَۃَ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۴۴﴾
وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا ٭۫ وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیۡرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا یُحَرِّفُوۡنَ
الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا وَاسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَـیًّۢا بِاَلۡسِنَتِہِمۡ وَطَعۡنًا
فِی الدِّیۡنِ ؕ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ وَاَقۡوَمَ ۙ وَلٰکِنۡ
لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۴۶﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡہًا فَنَرُدَّہَا عَلٰۤی اَدۡبَارِہَاۤ اَوۡ نَلۡعَنَہُمۡ کَمَا لَعَنَّاۤ
اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ؕ وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ
ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ
اَنۡفُسَہُمۡ ؕ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ
وَکَفٰی بِہٖۤ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ
وَیَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہٰۤؤُلَآءِ اَہۡدٰی مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِیۡلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ ؕ
وَمَنۡ یَّلۡعَنِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا ﴿۵۲﴾ اَمۡ لَہُمۡ نَصِیۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡکِ فَاِذًا لَّا یُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِیۡرًا
﴿۵۳﴾ اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ
وَاٰتَیۡنٰہُمۡ مُّلۡکًا عَظِیۡمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِہٖ وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡہُ ؕ وَکَفٰی بِجَہَنَّمَ سَعِیۡرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِیۡہِمۡ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُہُمۡ بَدَّلۡنٰہُمۡ جُلُوۡدًا غَیۡرَہَا
لِیَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُہُمۡ
جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ لَہُمۡ فِیۡہَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ ۫ وَّنُدۡخِلُہُمۡ ظِلًّا
ظَلِیۡلًا ﴿۵۷﴾﴾

آیت ۴۴ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ﴾ ’’کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا‘‘

وہ ’’الکتاب‘‘ ایک حقیقت ہے جس میں سے ایک حصہ تورات اور ایک حصہ انجیل کے نام سے نازل ہوا اور پھر وہ کتاب ہر اعتبار سے کامل ہو کر قرآن کی شکل میں نازل ہوئی۔

﴿یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَۃَ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۴۴﴾﴾ ’’وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔‘‘

مشرکین مکہ بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے کہ لوگ لہو ولعب میں مشغول رہیں اور قرآن نہ سنیں۔ انہوں نے ایران سے رستم و اسفندیار کے قصے منگوا کر داستان گوئی کا سلسلہ شروع کیا اور گانے بجانے والی لونڈیوں اور آلاتِ موسیقی کا انتظام کیا تا کہ لوگ انہی چیزوں میں مشغول رہیں اور حضورﷺ کی بات کوئی نہ سنے۔ اسی طرح مدینہ میں یہود کا بھی یہی معاملہ تھا کہ وہ خود بھی گمراہ کن مشاغل اختیار کرتے اور دوسروں کو بھی اس میں مشغول کرنے کی کوشش کرتے۔ ہمارے زمانے میں اس قسم کے مشاغل کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ہمارے ہاں جب کرکٹ میچ ہو رہے ہوتے ہیں اور ٹی وی پر دکھائے جاتے ہیں تو پوری قوم کا یہ حال ہوتا ہے گویا دنیا کی اہم ترین شے کرکٹ ہی ہے۔ اسی طرح دنیا میں دوسرے کھیل تماشے دیکھے جاتے ہیں کہ دنیا ان کے پیچھے پاگل ہو جاتی ہے۔ شیطان کو اور کیا چاہیے؟ وہ تو یہی چاہتا ہے نا کہ لوگوں کی حقائق کی طرف نگاہ ہی نہ ہو۔ کسی کو یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو کہ زندگی کس لیے ہے؟ جینا کاہے کے لیے ہے؟ موت ہے تو اس کے بعد کیا ہونا ہے؟ انسان یا تو حیوانی سطح پر زندگی گزار دے کہ اسے حلال وحرام کی تمیز ہی نہ رہے کہ وہ کیا کما رہا ہے اور کیا کھا رہا ہے‘ اور یا پھر اس طرح کے لہو ولعب کے اندر زندگی گزار دے۔ ان چیزوں کے فروغ کے لیے بڑے مستحکم نظام ہیں اور ان کھلاڑیوں وغیرہ کے لیے بہت بڑے بڑے انعامات ہوتے ہیں۔ فرمایا: یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی سیدھے راستے سے بھٹکا دیں‘ راہِ حق سے منحرف کر دیں۔

آیت ۴۵ ﴿وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ﴾ ’’اللہ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے۔‘‘

﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا ٭۫ وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیۡرًا ﴿۴۵﴾﴾ ’’اور اللہ کافی ہے تمہارے ولی اور پشت پناہ ہونے کی حیثیت سے اور وہ کافی ہے تمہارے مددگار ہونے کے اعتبار سے۔‘‘

آیت ۴۶ ﴿مِنَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ﴾ ’’ان یہودیوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو کلام کو اس کے اصل مقام و محل سے پھیرتے ہیں‘‘

﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا﴾ ’’وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نہیں مانا‘‘

یہود اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر الفاظ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے۔ رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو احکامِ الٰہی سن کر کہتے سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا۔ بظاہر وہ اہل ایمان کی طرح سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا (ہم نے سنا اور ہم نے قبول کیا) کہہ رہے ہوتے لیکن زبان کو مروڑ کر حقیقت میں سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا کہتے۔

﴿وَاسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ﴾ ”اور (کہتے ہیں) سنیئے نہ سنا جائے۔“

وہ حضور ﷺ کی مجلس میں آپؐ کو مخاطب کر کے کہتے ذرا ہماری بات سنیئے! ساتھ ہی چپکے سے کہہ دیتے کہ آپ سے سنا نہ جائے‘ ہمیں آپ کو سنانا مطلوب نہیں ہے۔ اس طرح وہ شانِ رسالت میں گستاخی کے مرتکب ہوتے۔

﴿وَّرَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلۡسِنَتِہِمۡ﴾ ”اور (کہتے ہیں) رَاعِنَا اپنی زبانوں کو موڑ کر“

رَاعِــنَـــا کا مفہوم تو ہے ”ہماری رعایت کیجیے“ لیکن وہ اسے کھینچ کر رَاعِیۡــنَـــا بنا دیتے۔ یعنی اے ہمارے چرواہے!

﴿وَطَعۡنًا فِی الدِّیۡنِ ؕ﴾ ”اور دین میں طعن کرنے کے لیے۔“

یہود اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر ایسے کلمات کہتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص واقعی نبی ہوتا تو ہمارا فریب اس پر ظاہر ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو ظاہر کر دیا۔

﴿وَلَوۡ اَنَّہُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ وَاَقۡوَمَ ۙ﴾ ”اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی‘ اور آپ ہماری بات سن لیجیے‘ اور ذرا ہمیں مہلت دیجیے‘ تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا اور بہت درست اور سیدھی بات ہوتی“

﴿وَلٰکِنۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ﴾ ”لیکن اللہ نے تو ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی ہے“

﴿فَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۴۶﴾﴾ ”تو اب وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں مگر شاذ ہی کوئی۔“

آیت ۴۷ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا﴾ ”اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی تھی! ایمان لاؤ اُس پر جو ہم نے نازل کیا ہے“

یہود کی شرارتوں پر لعنت و ملامت کے ساتھ ہی انہیں قرآن کریم پر ایمان کی دعوت بھی دی جا رہی ہے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ﴾ ”جو اُس کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہے جو تمہارے پاس ہے“

﴿مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡہًا فَنَرُدَّہَا عَلٰۤی اَدۡبَارِہَاۤ﴾ ”اس سے قبل کہ ہم چہروں کو مٹا ڈالیں‘ پھر ان کو ان کی پیٹھوں کی طرف موڑ دیں“

یعنی چہرے اس طرح مسخ کر دیے جائیں کہ بالکل سپاٹ ہو جائیں‘ ان پر کوئی نشان باقی نہ رہے اور پھر انہیں پشت کی طرف موڑ دیا جائے کہ چہرہ پیچھے اور گدی سامنے ہو۔

﴿اَوۡ نَلۡعَنَہُمۡ کَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ؕ﴾ ”یا ہم ان پر بھی اسی طرح لعنت کر دیں جس طرح ہم نے اصحاب سبت پر لعنت کی تھی۔“

اصحاب سبت کے واقعے کی تفصیل سورۃ الاعراف میں آئے گی‘ لیکن اجمالاً یہ واقعہ سورۃ البقرۃ میں آ چکا ہے۔

﴿وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا ﴿۴۷﴾﴾ ”اور اللہ کا حکم تو نافذ ہو کر رہنا ہے۔“

آیت ۴۸ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ﴾ ”یقیناً اللہ اس بات کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے“

﴿وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ﴾ ”اس سے کم تر جو کچھ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔“

گویا یہ بھی کھلا لائسنس نہیں ہے کہ آپ سمجھ لیں کہ باقی سب گناہ تو معاف ہو ہی جائیں گے۔ اس کی اُمید دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی تمام گناہوں کو بغیر توبہ کے بھی معاف کر سکتا ہے‘ لیکن شرک کے معاف ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

﴿وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿۴۸﴾﴾ ”اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے اس نے تو بہت بڑے گناہ کا افترا کیا۔“

اللہ تعالیٰ تو واحد و یکتا ہے۔ اُس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک کرنا بہت بڑا جھوٹ‘ افترا اور بہتان ہے‘ اور عظیم ترین گناہ ہے۔

آیت ۴۹ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ ٹھہراتے ہیں؟“

یہاں یہود کے اُسی فلسفے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت پاک باز اور اعلیٰ و ارفع سمجھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ”We are the chosen people of the Lord“۔ سورۃ المائدۃ میں ان کا یہ قول نقل ہوا ہے: ﴿نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ؕ﴾ (آیت ۱۸) یعنی ہم تو اللہ کے بیٹوں کی طرح ہیں بلکہ اس کے بہت ہی چہیتے اور لاڈلے ہیں۔ ان کے نزدیک دوسرے تمام لوگ Goyems اور Gentiles ہیں‘ جو دیکھنے میں انسان نظر آتے ہیں‘ حقیقت میں حیوان ہیں۔ ان کو تو جس طرح چاہو لوٹ کر کھا جاؤ‘ جس طرح سے چاہو ان کو دھوکہ دو‘ ان کا استحصال کرو‘ ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہم ان کا قول پڑھ چکے ہیں: ﴿لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیۡلٌ ۚ﴾ (آیت ۷۵) ”ان اُمیوں کے معاملے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے“۔ ہم سے ان کے بارے میں کوئی محاسبہ اور کوئی مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ جیسے آپ نے گھوڑے کو تانگے میں جوت لیا یا ہرن کا شکار کر کے کھا لیا تو آپ سے اس پر کون مؤاخذہ کرے گا؟

﴿بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ ”بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے“

﴿وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾﴾ ”اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

ان کو اگر پاکیزگی نہیں ملتی تو اس کا سبب ان کے اپنے کرتوت ہیں‘ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جاتا۔ فَـتِیۡل دراصل اُس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کے اندر گٹھلی کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں جو چھوٹی سے چھوٹی چیزیں لوگوں کے مشاہدے میں آتی تھیں ظاہر ہے کہ وہیں سے کسی چیز کے چھوٹا ہونے کے لیے مثال پیش کی

جاسکتی تھی۔

آیت ۵۰ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط﴾ ''دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ رہے ہیں؟''

﴿وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾﴾ ''اور صریح گناہ ہونے کے لیے تو یہی کافی ہے۔''

یعنی ان کی گرفت کے لیے اور ان کو عذاب دینے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے جو انہوں نے گھڑی ہے۔

آیت ۵۱ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا''

﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾ ''وہ ایمان لاتے ہیں بتوں پر اور شیطان پر''

﴿وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾﴾ ''اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا (یعنی مشرکین) کہ ان اہل ایمان سے زیادہ ہدایت پر تو یہ ہیں۔''

یہود اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس حد تک پہنچ گئے تھے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیؓ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ میں ان سے مشابہ تھے، پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتے تھے اور تورات کو اللہ کی کتاب مانتے تھے۔ لیکن اہل ایمان کے ساتھ ضدم ضدا اور عداوت میں وہ اس حد تک آگے بڑھے کہ مشرکین مکہ سے مل کر ان کے بتوں کی تعظیم کی اور کہا کہ یہ مشرک مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں اور ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے۔

آیت ۵۲ ﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ط﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمادی ہے۔''

﴿وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿٥٢﴾﴾ ''اور جس پر اللہ لعنت کر دے پھر تم اُس کے لیے کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔''

آیت ۵۳ ﴿اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ﴾ ''کیا ان کا کوئی حصہ ہے اقتدار میں؟''

انہوں نے یہ جو تقسیم کرلی ہے کہ دنیا میں یہ سب کچھ ہمارے لیے ہے، باقی تمام انسان Goyems اور Gentiles ہیں، تو انسانوں میں یہ تقسیم اور تفریق کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے؟ کیا ان کا اللہ کی حکومت میں کوئی حصہ ہے؟ زمین و آسمان کی بادشاہی تو اللہ کی ہے، مالک الملک اللہ ہے۔ تو کیا ان کو اُس کے پاس سے کوئی اختیار ملا ہوا ہے؟

﴿فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾﴾ ''اگر ایسا کہیں ہوتا تو یہ دوسرے لوگوں کو تل کے برابر بھی کوئی شے دینے کو تیار نہ ہوتے۔''

آیت ۵۴ ﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ج﴾ ''کیا یہ حسد کر رہے ہیں لوگوں سے اس پر کہ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل میں سے عطا کر دیا ہے؟''

دراصل یہ سب اس حسد کا نتیجہ ہے جو یہ مسلمانوں سے رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان اُمیین میں اپنا آخری نبی بھیج دیا اور انہیں اپنی آخری کتاب عطا فرمادی جنہیں یہ حقیر سمجھتے تھے۔ اب یہ اس حسد کی آگ میں جل رہے ہیں۔

﴿فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾﴾ ''تو ہم نے آلِ ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بہت بڑی حکومتیں بھی دیں۔''

یعنی تمہیں بھی اگر تورات اور انجیل ملی تھی تو ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے ناتے سے ملی تھی، تو یہ جو اسماعیلؑ کی نسل ہے یہ بھی تو ابراہیمؑ ہی کی نسل ہے۔ ہاں بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت علیحدہ علیحدہ ملی۔ تورات کتاب تھی اور انجیل حکمت تھی، جبکہ یہاں کتاب اور حکمت اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جگہ پر قرآن میں بتمام و کمال جمع کر دی ہیں۔ مزید برآں جیسے ان کو مُلکِ عظیم دیا تھا، اب ہم ان مسلمانوں کو اس سے بڑا ملک دیں گے۔ یہ مضمون سورۃ النور میں آئے گا: ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص﴾ (آیت ۵۵) ''ہم لازماً ان اہل ایمان کو دنیا میں حکومت اور خلافت عطا کریں گے جیسے ان سے پہلوں کو عطا کی تھی۔''

آیت ۵۵ ﴿فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْھُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ط﴾ ''پس ان میں سے وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور وہ بھی ہیں جو اس سے رُک گئے ہیں۔''

﴿وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾﴾ ''اور ایسے لوگوں کے لیے تو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے۔''

آیت ۵۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ط﴾ ''یقیناً جو لوگ ہماری آیات کا کفر کریں گے ایک وقت آئے گا کہ ہم انہیں آگ میں جھونک دیں گے۔''

﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا﴾ ''اور جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی ہم ان کو دوسری کھالیں بدل دیں گے''

﴿لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ط﴾ ''تاکہ وہ عذاب کا مزا چکھتے رہیں۔''

یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت ہے جسے میڈیکل سائنس نے دریافت کیا ہے کہ درد کا احساس انسان کی کھال (skin) ہی میں ہے۔ اس کے نیچے گوشت اور عضلات وغیرہ میں درد کا احساس نہیں ہے۔ کسی کو چٹکی کاٹی جائے، کانٹا چبھے، چوٹ لگے یا کوئی حصہ جل جائے تو تکلیف اور درد کا سارا احساس جلد ہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ان جہنمیوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب بھی ان کی کھال آتشِ جہنم سے جل جائے گی تو اس کی جگہ نئی کھال دے دی جائے گی تاکہ ان کی تکلیف اور سوزش مسلسل رہے، جلن کا احساس برقرار رہے، اس میں کمی نہ ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾﴾ ''یقیناً اللہ زبردست ہے، کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۵۷ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے''

یہاں بھی وہی فوری تقابل (simultaneous contrast) ہے کہ اہل جہنم کے تذکرے کے فوراً بعد اہل جنت کا

تذکرہ ہے۔

﴿سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ﴾ ''عنقریب انہیں ہم داخل کریں گے ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی''

﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ﴾ ''وہ رہیں گے ان میں ہمیشہ ہمیش۔''

﴿لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫﴾ ''ان کے لیے اس میں ہوں گی بڑی پاک باز بیویاں''

﴿وَّنُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِیۡلًا ﴿٥٧﴾﴾ ''اور ہم انہیں داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں۔''

انہیں ایسی گہری اور ٹھنڈی چھاؤں میں رکھا جائے گا جو دھوپ کی حدت اور تمازت سے بالکل محفوظ ہو گی۔

یہاں وہ حصہ ختم ہوا جس میں اہل کتاب کی طرف روئے سخن تھا۔ اب پھر مسلمانوں سے خطاب ہے۔

آیات ۵۸ تا ۷۰

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ سَمِیۡعًا ۢ بَصِیۡرًا ﴿٥٨﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ
وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ
تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿٥٩﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ
اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ
اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿٦٠﴾ وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی
مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوۡلِ رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡکَ صُدُوۡدًا ﴿٦١﴾ فَکَیۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ
مُّصِیۡبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡکَ یَحۡلِفُوۡنَ ٭ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِیۡقًا ﴿٦٢﴾
اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ٭ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًۢا
بَلِیۡغًا ﴿٦٣﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُ
وۡکَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّکَ لَا
یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ
وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوۡ اَنَّا کَتَبۡنَا عَلَیۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِیَارِکُمۡ مَّا
فَعَلُوۡهُ اِلَّا قَلِیۡلٌ مِّنۡهُمۡ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا مَا یُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ لَکَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ وَاَشَدَّ تَثۡبِیۡتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا
لَّاٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّاۤ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَیۡنٰهُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ
فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ
اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِکَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیۡمًا ﴿٧٠﴾﴾

یہ دو آیات (۵۸'۵۹) قرآن مجید کی نہایت اہم آیات ہیں' جن میں اسلام کا سارا سیاسی' قانونی اور دستوری نظام موجود ہے۔ فرمایا:

آیت ۵۸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا ۙ﴾ ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو''

﴿وَاِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ﴾ ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ جو بھی سیاسی نظام بناتے ہیں اس میں مناصب ہوتے ہیں' جن کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں اور اختیارات بھی۔ لہٰذا ان مناصب کے انتخاب میں آپ کی رائے کی حیثیت امانت کی ہے۔ آپ اپنی رائے دیکھ بھال کر دیں کہ کون اس کا اہل ہے۔ اگر آپ نے ذات برادری' رشتہ داری وغیرہ کی بنا پر یا مفادات کے لالچ میں یا کسی کی دھونس کی وجہ سے کسی کے حق میں رائے دی تو یہ صریح خیانت ہے۔ حقِ رائے دہی ایک امانت ہے اور اس امانت کا استعمال صحیح صحیح ہونا چاہیے۔ عام معنی میں بھی امانت کی حفاظت ضروری ہے اور جو بھی امانت کسی نے رکھوائی ہے اسے واپس لوٹانا آپ کی شرعی ذمہ داری ہے۔ لیکن یہاں یہ بات اجتماعی زندگی کے اہم اصولوں کی حیثیت سے آ رہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ گویا پہلی ہدایت سیاسی نظام سے متعلق ہے کہ امیر المؤمنین یا سربراہِ ریاست کا انتخاب اہلیت کی بنیاد پر ہو گا' جبکہ دوسری ہدایت عدلیہ (Judiciary) کے استحکام کے بارے میں ہے کہ وہاں بلا امتیاز ہر ایک کو عدل وانصاف میسر آئے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِهٖ ؕ﴾ ''یقیناً یہ بہت ہی اچھی نصیحتیں ہیں جو اللہ تمہیں کر رہا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ کَانَ سَمِیۡعًا ۢ بَصِیۡرًا ﴿٥٨﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

اگلی آیت میں تیسری ہدایت مقنّنہ (Legislature) کے بارے میں آ رہی ہے کہ اسلامی ریاست کی دستوری بنیاد کیا ہو گی۔ جدید ریاست کے تین ستون انتظامیہ (Executive)' عدلیہ (Judiciary) اور مقنّنہ (Legislature) گنے جاتے ہیں۔ پہلی آیت میں انتظامیہ اور عدلیہ کے ذکر کے بعد اب دوسری آیت میں مقنّنہ کا ذکر ہے کہ قانون سازی کے اصول کیا ہوں گے۔ فرمایا:

آیت ۵۹ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ ''اے اہل ایمان! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی'' ؔ

یعنی کوئی قانون اللہ اور اس کے رسول کی منشا کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا۔ اصولی طور پر یہ بات پاکستان کے دستور میں بھی تسلیم کی گئی ہے:

"No Legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah."

لیکن اس کی تنفیذ و تعمیل کی کوئی ضمانت موجود نہیں ہے' لہٰذا اس وقت ہمارا دستور منافقت کا پلندہ ہے۔ اس آیت کی رو سے اللہ کے احکام اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام قانون سازی کے دو مستقل ذرائع (sources) ہیں۔ اس طرح یہاں منکرین سنت کی نفی ہوتی ہے جو مؤخر الذکر کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۚ﴾ ''اور اپنے میں سے اولوالامر کی بھی (اطاعت کرو)۔''

یہاں بہت عجیب اسلوب ہے کہ تین ہستیوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے: اللہ کی' رسول کی اور اولوالامر کی' لیکن پہلے دو کے لیے ''اَطِیۡعُوۡا'' کا لفظ آیا ہے' جبکہ تیسرے کے لیے نہیں ہے۔ ایک اسلوب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ''اَطِیۡعُوۡا'' ایک مرتبہ آتا اور اس کا اطلاق تینوں پر ہو جاتا: ''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ''۔ اس طرح تینوں برابر ہو جاتے۔ دوسرا اسلوب یہ ہو سکتا تھا کہ ''اَطِیۡعُوۡا'' تیسری مرتبہ بھی آتا: ''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاَطِیۡعُوۡۤا اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ''۔ لیکن قرآن نے جو اسلوب اختیار کیا ہے کہ ''اَطِیۡعُوۡا'' دو کے ساتھ ہے' تیسرے کے ساتھ نہیں ہے' اس سے اولوالامر کی اطاعت کا مرتبہ (status) متعین ہو جاتا ہے۔ ایک تو ''مِنۡکُمۡ'' کی شرط سے واضح ہو گیا کہ اولوالامر تم ہی میں سے ہونے چاہئیں' یعنی مسلمان ہوں۔ غیر مسلم کی حکومت کو ذہناً تسلیم کرنا اللہ سے بغاوت ہے۔ وہ کم از کم مسلمان تو ہوں۔ پھر یہ کہ متذکرہ بالا اسلوب سے واضح ہو گیا کہ ان کی اطاعت مطلق' دائم اور غیر مشروط نہیں۔ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت مطلق' دائم' غیر مشروط اور غیر محدود ہے' لیکن صاحبِ امر کی اطاعت اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہو گی۔ وہ جو حکم بھی لائے اسے بتانا ہو گا کہ میں کتاب و سنت سے کیسے اس کا استنباط کر رہا ہوں۔ گویا اسے کم از کم یہ ثابت کرنا ہو گا کہ یہ حکم کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہے۔ ایک مسلمان ریاست میں قانون سازی اسی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ دورِ جدید میں قانون ساز ادارہ کوئی بھی ہو' کانگریس ہو' پارلیمنٹ ہو یا مجلس ملی ہو' وہ قانون سازی کرے گی' لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ یہ قانون سازی قرآن و سنت سے متصادم نہ ہو۔

﴿فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ﴾ ''پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں اختلافِ رائے ہو جائے''

ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ اولوالامر کہے کہ میں تو اسے عین اسلام کے مطابق سمجھتا ہوں' لیکن آپ کہیں کہ نہیں' یہ بات خلافِ اسلام ہے' تو اب کہاں جائیں؟ فرمایا:

﴿فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ﴾ ''تو اسے لوٹا دو اللہ اور رسول کی طرف''

یعنی اب جو بھی اپنی بات ثابت کرنا چاہتا ہے اسے اللہ اور اس کے رسول سے یعنی قرآن و سنت سے دلیل لانی پڑے گی۔ میری پسند' میرا خیال' میرا نظریہ والا استدلال قابل قبول نہیں ہوگا۔ استدلال کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول کی مرضی ہوگی۔ یہ بات ماننی پڑے گی کہ ابھی یہاں ایک خلا ہے۔ وہ خلا یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ فریقین میں سے کس کی رائے صحیح ہے۔ اور آج کے ریاستی نظام میں آ کر وہ خلا پُر ہو چکا ہے کہ یہ عدلیہ (Judiciary) کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب عرب میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اس طرح علیحدہ علیحدہ ریاستی ادارے ابھی پوری طرح وجود میں نہیں آئے تھے اور ان کی الگ الگ شناخت نہیں تھی کہ یہ مقننہ (Legislature) ہے' یہ عدلیہ (Judiciary) ہے اور یہ انتظامیہ (Executive) ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں تو کوئی قاضی تھے ہی نہیں۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے شعبہ قضاء شروع کیا۔ تو رفتہ رفتہ یہ ریاستی ادارے پروان چڑھے۔ جدید دور میں ان تنازعات کے حل کا ادارہ عدلیہ ہے۔ وہاں ہر شخص جائے اور اپنی دلیل پیش کرے۔ علماء جائیں' قانون دان جائیں اور سب جا کر دلائل دیں۔ وہاں سے فیصلہ ہو جائے گا کہ یہ بات واقعتاً قرآن و سنت سے متصادم ہے یا نہیں۔

﴿اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ﴾ ''اگر تم واقعتاً اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔''

﴿ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿۵۹﴾﴾ ''یہی طریقہ بہتر بھی ہے اور نتائج کے اعتبار سے بھی بہت مفید ہے۔''

آگے پھر منافقین کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے۔ یاد رہے کہ میں نے آغاز میں عرض کیا تھا کہ اس سورۂ مبارکہ کا سب سے بڑا حصہ منافقین سے خطاب اور ان کے تذکرے پر مشتمل ہے۔

آیت ۶۰ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ﴾ ''کیا تم نے غور نہیں کیا اُن لوگوں کی طرف جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اُس پر بھی جو (اے نبیؐ!) آپؐ پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا''

لیکن ان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ:

﴿یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ﴾ ''وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات کے فیصلے طاغوت سے کروائیں''

یہاں واضح طور پر ''طاغوت'' سے مراد وہ حاکم یا وہ ادارہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ پچھلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔ گویا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر کاربند ہو گیا وہ طاغوت سے خارج ہو گیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو قبول نہیں کرتا وہ طاغوت ہے' اس لیے کہ وہ اپنی حد سے تجاوز کر گیا۔ چنانچہ غیر مسلم حاکم یا منصف جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا پابند نہیں وہ طاغوت ہے۔

﴿وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ ؕ﴾ ’’حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا کفر کریں۔‘‘

منافقین مدینہ کی عام روش یہ تھی جس مقدمہ میں انہیں اندیشہ ہوتا کہ فیصلہ ان کے خلاف ہوگا اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لانے کے بجائے یہودی عالموں کے پاس لے جاتے۔ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کے پاس جائیں گے تو حق اور انصاف کی بات ہوگی۔ ایک یہودی اور ایک مسلمان جو منافق تھا‘ ان کا آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ یہودی کہنے لگا کہ چلو محمد (ﷺ) کے پاس چلتے ہیں۔ اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ میں حق پر ہوں۔ لیکن یہ منافق کہنے لگا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں جو ایک یہودی عالم تھا۔ بہرحال وہ یہودی اس منافق کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ آپؐ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ وہاں سے باہر نکلے تو منافق نے کہا کہ چلو اب حضرت عمرؓ کے پاس چلتے ہیں‘ وہ جو فیصلہ کر دیں وہ مجھے منظور ہوگا۔ وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ منافق کو یہ امید تھی کہ حضرت عمرؓ میرا زیادہ لحاظ کریں گے‘ کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ جب یہودی نے یہ بتایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ میرے حق میں کر چکے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ‘ تلوار لی اور اس منافق کی گردن اڑا دی کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہے اور اس کے بعد مجھ سے فیصلہ کروانا چاہتا ہے اس کے حق میں میرا یہ فیصلہ ہے! اس پر اس منافق کے خاندان والوں نے بڑا واویلا مچایا۔ وہ چیختے چلاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مقتول حضرت عمرؓ کے پاس یہودی کو لے کر اس وجہ سے گیا تھا کہ وہ اس معاملہ میں باہم مصالحت کرا دیں‘ اس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے انکار نہیں تھا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اصل حقیقت ظاہر فرما دی گئی۔

﴿وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّہُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۶۰﴾﴾ ’’اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور کی گمراہی میں ڈال دے۔‘‘

آیت ۶۱ ﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوۡلِ﴾ ’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور آؤ رسول کی طرف‘‘

اپنے مقدمات کے فیصلے اللہ کے رسول ﷺ سے کراؤ۔

﴿رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡکَ صُدُوۡدًا ﴿۶۱﴾﴾ ’’تو (اے نبی!) آپ دیکھتے ہیں کہ یہ منافق آپ کے پاس آنے سے کنی کتراتے ہیں۔‘‘

صَدَّ یَصُدُّ کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ رُکنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روکنے کے معنی میں بھی۔

آیت ۶۲ ﴿فَکَیۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ﴾ ’’پھر اُس وقت کیا ہوا جب ان پر کوئی مصیبت آ گئی ان کے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے‘‘

وہ چیختے چلاتے آئے کہ عمر نے ہمارا آدمی مار ڈالا‘ ہمیں اس کا قصاص دلایا جائے۔

﴿ثُمَّ جَآءُوۡکَ یَحۡلِفُوۡنَ ٭ۖ بِاللّٰہِ﴾ ’’پھر وہ آپ کے پاس آئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے‘‘

﴿اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِیۡقًا ﴿۶۲﴾﴾ ’’کہ ہم تو صرف بھلائی اور موافقت چاہتے تھے۔‘‘

ہم تو عمرؓ کے پاس محض اس لیے گئے تھے کہ کوئی مصالحت اور راضی نامہ ہو جائے۔

آیت ۶۳ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰہُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ٭﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے۔‘‘

﴿فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ﴾ ’’تو (اے نبی!) آپ ان سے چشم پوشی کیجیے‘‘

﴿وَعِظۡہُمۡ﴾ ’’اور ان کو ذرا نصیحت کیجیے‘‘

﴿وَقُلۡ لَّہُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ قَوۡلًۢا بَلِیۡغًا ﴿۶۳﴾﴾ ’’اور ان سے خود ان کے بارے میں ایسی بات کہیے جو ان کے دلوں میں اُتر جائے۔‘‘

یہ آیات نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بری قرار دیا کہ اللہ کی طرف سے ان کی براءت آ گئی ہے‘ اور اسی دن سے ان کا لقب ’’فاروق‘‘ قرار پایا‘ یعنی حق و باطل میں فرق کر دینے والا۔

اب ایک بات نوٹ کر لیجیے کہ اس سورۂ مبارکہ میں منافقت جو زیر بحث آئی ہے وہ تین عنوانات کے تحت ہے۔ منافقوں پر تین چیزیں بہت بھاری تھیں‘ جن میں سے اوّلین رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تھی۔ اور یہ بڑی نفسیاتی بات ہے۔ ایک انسان کے لیے دوسرے انسان کی اطاعت بڑا مشکل کام ہے۔ ہم جو رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے ایک ادارے (institution) کی حیثیت رکھتے ہیں‘ رسولؐ شخصاً ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ جبکہ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ شخصاً موجود تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ ان کے بھی دو ہاتھ ہیں‘ دو پاؤں ہیں‘ دو آنکھیں ہیں‘ لہٰذا بظاہر اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت ان پر بہت شاق تھی۔ جیسا کہ جماعتوں میں ہوتا ہے کہ امیر کی اطاعت بہت شاق گزرتی ہے‘ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ امیر کی رائے پر چلنے کے لیے اپنی رائے کو پیچھے ڈالنا پڑتا ہے۔ جو صادق الایمان مسلمان تھے انہیں تو یہ یقین تھا کہ یہ محمد بن عبد اللہ جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں‘ حقیقت میں محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ہم ان کی اسی حیثیت میں ان پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن جن کے دلوں میں یہ یقین نہیں تھا یا کمزور تھا ان کے لیے حضور ﷺ کی شخصی اطاعت بڑی بھاری اور بڑی کٹھن تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مواقع پر وہ کہتے تھے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنے پاس سے کہہ رہے ہیں۔ کیوں نہیں کوئی سورت نازل ہو جاتی؟ کیوں نہیں کوئی آیت نازل ہو جاتی؟ اور سورۂ محمدؐ اسی انداز میں نازل ہوئی ہے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ نے خود اپنی طرف سے اقدام کر دیا ہے۔ اس پر اللہ نے کہا کہ لو پھر ہم قتال کی آیات نازل کر دیتے ہیں۔ دوسری چیز جو اُن پر کٹھن تھی وہ ہے قتال‘ یعنی

اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنا۔ ان کا حال یہ تھا کہ ع مرحلہ سخت ہے اور جان عزیز! تیسری کٹھن چیز ہجرت تھی۔ اس کا اطلاق منافقین مدینہ پر نہیں ہوتا تھا بلکہ مکہ اور اردگرد کے جو منافق تھے ان پر ہوتا تھا۔ ان کا ذکر بھی آگے آئے گا۔ ظاہر ہے گھر بار اور خاندان والوں کو چھوڑ کر نکل جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اب سب سے پہلے اطاعتِ رسولؐ کی اہمیت بیان کی جا رہی ہے:

آیت ۶۴ ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لیے کہ اُس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔''

﴿وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ﴾ ''اور اگر وہ' جبکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا' آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے''

﴿فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ﴾ ''اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے''

﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ﴿۶۴﴾﴾ ''تو وہ یقیناً اللہ کو بڑا توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔''

آیت ۶۵ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوۡكَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ﴾ ''پس نہیں' آپ کے رب کی قسم! یہ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو حَکَم نہ مانیں اُن تمام معاملات میں جو ان کے مابین پیدا ہو جائیں''

اس میں انہیں کوئی اختیار (choice) حاصل نہیں ہے۔ ان کے مابین جو بھی نزاعات اور اختلافات ہوں ان میں اگر یہ آپ کو حَکَم نہیں مانتے تو آپ کے رب کی قسم یہ مؤمن نہیں ہیں۔ کلامِ الٰہی کا دوٹوک اور پُرجلال انداز ملاحظہ کیجیے۔

﴿ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ﴾ ''پھر جو کچھ آپ فیصلہ کر دیں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں''

اگر آپؐ کا فیصلہ قبول بھی کر لیا' لیکن دل کی تنگی اور کدورت کے ساتھ کیا تب بھی یہ مؤمن نہیں ہیں۔

﴿وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۶۵﴾﴾ ''اور سرِتسلیم خم کریں' جیسے کہ سرِتسلیم خم کرنے کا حق ہے۔''

واضح رہے کہ یہ حکم صرف رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک محدود نہیں تھا' بلکہ یہ قیامت تک کے لیے ہے۔

آیت ۶۶ ﴿وَلَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا عَلَیۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ﴾ ''اور اگر ہم نے ان پر یہ فرض کر دیا ہوتا کہ قتل کرو اپنے آپ کو''

﴿اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِیَارِكُمۡ﴾ ''یا نکلو اپنے گھروں سے''

﴿مَّا فَعَلُوۡهُ اِلَّا قَلِیۡلٌ مِّنۡهُمۡ ؕ﴾ ''تو یہ اس کی تعمیل نہ کرتے سوائے ان میں سے چند ایک کے۔''

﴿وَلَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا مَا یُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ﴾ ''اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جا رہی ہے''

اس کا ترجمہ اس طرح بھی کیا گیا ہے: ''اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی انہیں ہدایت کی جاتی''یعنی اپنے آپ کو قتل کرنا اور اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہونا۔

﴿لَكَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ وَاَشَدَّ تَثۡبِیۡتًا ﴿۶۶﴾﴾ ''تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا اور انہیں دین پر ثابت قدم رکھنے والا ہوتا۔''

آیت ۶۷ ﴿وَّاِذًا لَّاٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّاۤ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۶۷﴾﴾ ''اور اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے بہت بڑا اجر دیتے۔''

آیت ۶۸ ﴿وَّلَهَدَیۡنٰهُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ﴿۶۸﴾﴾ ''اور انہیں ہدایت فرما دیتے سیدھی راہ کی طرف۔''

اکثر مفسرین نے اس آیت کے الفاظ کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ حکم دے کہ اپنے آپ کو قتل کرو' خودکشی کرو' تو ہمیں یہ کرنا ہو گی۔ اگر اللہ تعالیٰ حکم دے کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو نکلنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے۔ اس کی طرف سے دیا گیا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔ البتہ ﴿اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ﴾ کے الفاظ میں ایک مزید اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۵۴) میں ہم تاریخ بنی اسرائیل کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی ان کو مرتد ہونے کی جو سزا دی گئی تھی اس کے لیے یہی الفاظ آئے تھے: ﴿فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ﴾ ''پس قتل کرو اپنے آپ کو''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو قتل کرو جنہوں نے اس کفر و شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ ان کی حمایت میں اکثر و بیشتر ان کے خاندان والے' رشتہ دار' ان کے گھرانے والے ان کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ تو یہاں شاید یہ بتایا جا رہا ہے کہ بجائے اس کے کہ تم ان کی حمایت کرو' تمہارا طرزِ عمل اس کے بالکل برعکس ہونا چاہیے کہ تم اپنے اندر سے خود دیکھو کہ کون منافق ہیں جو اصل میں آستین کے سانپ ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم نہیں دیا' مگر وہ یہ حکم بھی دے سکتا تھا کہ ہر گھرانہ اپنے ہاں کے منافقین کو خود قتل کرے۔ یہ تو حضرت عمرؓ نے اپنی غیرتِ ایمانی کی وجہ سے اس منافق کو قتل کیا تھا' جبکہ اُس منافق کے خاندان کے لوگ حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا تو یہ بھی تمہیں کرنا چاہیے تھا' لیکن یہ اللہ کے علم میں ہے کہ تم میں سے بہت کم لوگ ہوتے جو اس حکم کی تعمیل کرتے۔ اور اگر وہ یہ کر گزرتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور ان کے ثباتِ قلبی اور ثباتِ ایمانی کا باعث ہوتا۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں خاص اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا اور انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا۔

اب جو آیت آ رہی ہے یہ اطاعتِ رسول کے موضوع پر قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے۔ فرمایا:

آیت ۶۹ ﴿وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ﴾ ''اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی اور رسولؐ کی تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں معیت حاصل ہو گی اُن کی جن پر اللہ کا انعام ہوا''

﴿مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ﴾ ''یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین۔''

﴿وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾﴾ ''اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفاقت کے لیے۔''

یعنی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرنے والوں کا شمار ان لوگوں کے زمرے میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں ہم نے یہ الفاظ پڑھے تھے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ آیت زیر مطالعہ ''اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کی تفسیر ہے۔ ان مراتب کو ذرا سمجھ لیجیے۔ صالح مسلمان گویا baseline پر ہے۔ وہ ایک نیک نیت مسلمان ہے جس کے دل میں خلوص کے ساتھ ایمان ہے۔ وہ اللہ اور رسولؐ کے احکام پر عمل کر رہا ہے' محرّمات سے بچا ہوا ہے۔ وہ اس سے اوپر اٹھے گا تو ایک اونچا درجہ شہداء کا ہے' اس سے بلند تر درجہ صدیقین کا ہے اور بلند ترین درجہ انبیاء کا ہے۔ اس بلند ترین درجے پر تو کوئی نہیں پہنچ سکتا' اس لیے کہ وہ کوئی کسبی چیز نہیں ہے' وہ تو ایک وہبی چیز تھی' جس کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے۔ البتہ مرتبہ صالحیت سے بلند تر دو درجے ابھی موجود ہیں کہ انسان اپنی ہمت' محنت اور کوشش سے شہادت اور صدیقیت کے مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔ یہ مضمون ان شاء اللہ سورۃ الحدید میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہو گا۔

آیت ۷۰ ﴿ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اُن پر کہ جنہیں آخرت میں انبیاء کرام' صدیقین عظام' شہداء اور صالحین کی معیت حاصل ہو جائے۔ اس کے لیے دُعا کرنی چاہیے: وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ اے اللہ ہمیں موت دیجیو اپنے وفادار و نیکوکار بندوں کے ساتھ!

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾﴾ ''اور اللہ کافی ہے ہر شے کے جاننے کے لیے۔''

یعنی کون کس استعداد کا حامل ہے اور کس قدر و منزلت کا مستحق ہے' اللہ خوب جانتا ہے۔ حقیقت جاننے کے لیے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے۔

آیات ۷۱ تا ۷۶

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾﴾

اب ذکر آ رہا ہے قتال فی سبیل اللہ کا۔ یہ دوسری چیز تھی جو منافقین پر بہت بھاری تھی۔ مادی اعتبار سے یہ بڑا سخت امتحان تھا۔ اطاعت رسولؐ زیادہ تر ایک نفسیاتی مرحلہ تھا' ایک نفسیاتی الجھن تھی' لیکن اپنا مال خرچ کرنا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا ایک خالص محسوس مادی شے تھی۔

آیت ۷۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ ''اے اہل ایمان' اپنے تحفظ کا سامان (اور اپنے ہتھیار) سنبھالو'

﴿فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾﴾ ''اور (جہاد کے لیے) نکلو' خواہ ٹکڑیوں کی صورت میں خواہ فوج کی شکل میں۔''

یعنی جیسا موقع ہو اس کے مطابق الگ الگ دستوں کی شکل میں یا اکٹھے فوج کی صورت میں نکلو۔ رسول اللہ ﷺ موقع کی مناسبت سے کبھی چھوٹے چھوٹے گروپ بھیجتے تھے۔ جیسے غزوۂ بدر سے قبل آپؐ نے آٹھ مہمیں روانہ فرمائیں' جبکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں آپؐ پوری فوج لے کر نکلے۔

آیت ۷۲ ﴿وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ﴾ ''اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو دیر لگا دیتے ہیں''

حکم ہو گیا ہے کہ جہاد کے لیے نکلنا ہے' فلاں وقت کوچ ہوگا' لیکن وہ تیاری میں ڈھیل برت رہے ہیں اور پھر بہانہ بنا دیں گے کہ بس ہم تو تیاری کر ہی رہے تھے اب نکلنے ہی والے تھے۔ اور وہ منتظر رہتے ہیں کہ جنگ کا فیصلہ ہو جائے تو اس وقت ہم کہیں گے کہ ہم بس نکلنے ہی والے تھے کہ یہ فیصلہ ہم کو پہنچ گیا۔

﴿فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ ''پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے''

اگر جنگ کے لیے نکلنے والے مسلمانوں کو کوئی تکلیف پیش آ جائے' کوئی گزند پہنچ جائے' وقتی طور پر کوئی ہزیمت ہو جائے۔

﴿قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾﴾ ''تو وہ کہے گا کہ مجھ پر تو اللہ نے بڑا انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا۔''

آیت ۷۳ ﴿وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''اور اگر تمہیں کوئی فضل پہنچ جائے اللہ کی طرف سے''

یعنی تمہیں فتح ہو جائے اور تم کامرانی کے ساتھ مالِ غنیمت لے کر واپس آؤ۔

﴿لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ﴾ ''تو اُس وقت وہ پھر (حسرت کے ساتھ) کہے گا' جیسے تمہارے اور اس کے درمیان محبت کا کوئی تعلق تھا ہی نہیں''

﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾ ''اے کاش کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا ہوتا تو یہ بڑی کامیابی مجھے بھی حاصل ہو جاتی۔''

یہ منافقین کا کردار تھا جس کا یہاں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

آیت ۷۴ ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''پس اللہ کی راہ میں قتال کرنا چاہیے ان لوگوں کو جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

جو لوگ یہ طے کر چکے ہوں کہ ہم نے دنیا کی زندگی کے بدلے میں آخرت قبول کی' ان کے لیے تو قتال فی سبیل اللہ میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر انہوں نے واقعی یہ سودا اللہ سے کیا ہے تو پھر انہیں اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ﴾ ''اور جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں قتال کرے گا' تو خواہ وہ مارا جائے یا غالب ہو''

اللہ کی راہ میں قتال کرنے والے کے لیے دو ہی امکانات ہیں' ایک یہ کہ وہ قتل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز ہو جائے اور دوسرے یہ کہ وہ دشمن پر غالب رہے اور فتح مند ہو کر واپس آئے۔

﴿فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ ''ہم اسے (دونوں حالتوں میں) بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔''

اگلی آیت میں خاص طور پر ان مسلمانوں کی نصرت وحمایت کے لیے قتال کے لیے ترغیب دلائی جا رہی ہے جو مختلف علاقوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان میں کمزور بھی تھے' بیمار اور بوڑھے بھی تھے' خواتین اور بچے بھی تھے۔ یہ لوگ ایمان تو لے آئے تھے لیکن ہجرت کے قابل نہیں تھے۔ یہ اپنے اپنے علاقوں میں اور اپنے اپنے قبائل میں تھے اور وہاں ان پر ظلم ہو رہا تھا' انہیں ستایا جا رہا تھا' انہیں تشدد وتعذیب کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ تو خاص طور پر ان کی مدد کے لیے نکلنا ان کی جان چھڑانا اور ان کو بچا کر لے آنا' غیرتِ ایمانی کا بہت ہی شدید تقاضا ہے' بلکہ یہ غیرت انسانی کا بھی تقاضا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۷۵ ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم قتال نہیں کرتے اللہ کی راہ میں''

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ ''اور ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر جو مغلوب بنا دیے گئے ہیں''

﴿الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا﴾ ''جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار' ہمیں نکال اس بستی سے جس کے رہنے والے لوگ ظالم ہیں''

﴿وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝﴾ ''اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنا دے اور ہمارے لیے خاص اپنے فضل سے کوئی مددگار بھیج دے۔''

ان کی یہ آہ و بکا تمہیں آمادہ پیکار کیوں نہیں کر رہی؟ ان پر ظلم ہو رہا ہے' ان پر ستم ڈھائے جا رہے ہیں اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے نکلنے کو تیار نہیں ہو؟ بعض لوگ اس آیت کا انطباق ان مختلف قسم کے سیاسی جہادوں پر بھی کر دیتے ہیں جو کہ آج کل ہمارے ہاں جاری ہیں اور ان پر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا لیبل لگایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ہی قیاس مع الفارق ہے۔ واضح رہے کہ یہ خطاب اُن اہل ایمان سے ہو رہا ہے جن کے ہاں اسلام قائم ہو چکا تھا۔ ہم اپنے ملک میں اسلام قائم کر نہیں سکتے۔ یہاں پر دین کے غلبہ واقامت کی کوئی جدوجہد نہیں کر رہے۔ ہمارے ہاں کفر کا نظام چل رہا ہے۔ اس کے مخاطب اہل ایمان ہیں' اور اہل ایمان کا فرض یہ ہے کہ پہلے اپنے گھر کو درست کرو' پہلے اپنے ملک کے اندر اسلام قائم کرو' لہٰذا جہاد کرنا ہے تو یہاں کرو' جانیں دینی ہیں تو یہاں دو۔ یہاں پر طاغوت کی حکومت ہے' غیر اللہ کی حکومت ہے' قرآن کے سوا کوئی اور قانون چل رہا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ ...... ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾ ...... ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾ (المائدۃ) ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں ...... وہی تو ظالم ہیں ...... وہی تو فاسق ہیں۔'' چنانچہ کافر' ظالم اور فاسق تو ہم خود ہیں۔ ہمیں پہلے اپنے گھر کی حالت درست کرنا ہوگی۔ اس کے بعد ایک جمعیت قائم ہوگی۔ ہماری حکومت تو ان لوگوں سے دوستیاں کرتی پھرتی ہے جن کے خلاف یہاں جہاد کا نعرہ بلند ہو رہا ہے' جس میں جانیں دی جا رہی ہیں۔ تو یہ آیت اپنی جگہ ہے۔ ہر چیز کو اس کے سیاق وسباق کے اندر رکھنا چاہیے۔

آیت ۷۶ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''جب لوگ ایمان والے ہیں وہ قتال کرتے ہیں اللہ کی راہ میں''

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ﴾ ''اور جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں قتال کر رہے ہیں''

جنگ تو وہ بھی کر رہے ہیں' جانیں وہ بھی دے رہے ہیں۔ ابوجہل بھی تو لشکر لے کر آیا تھا۔ ان کی ساری جدوجہد طاغوت کی راہ میں ہے۔

﴿فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ﴾ ''تو تم جنگ کرو شیطان کے ساتھیوں سے''

تم شیطان کے حمایتیوں سے' حزب الشیطان سے قتال کرو۔

﴿اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا﴾ ''یقیناً شیطان کی چال بڑی کمزور ہے۔''

شیطان کی چال بظاہر بڑی زوردار بڑی بارعب دکھائی دیتی ہے' لیکن جب مردِ مؤمن اس کے مقابل کھڑے ہو جائیں تو پھر معلوم ہو جاتا ہے کہ بڑی بودی اور پھسپھسی چال ہے۔

آیات ۷۷ تا ۸۷

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۷﴾ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ﴿۸۰﴾ وَیَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى

یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾﴾

آیت ۷۷ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ﴾ ''تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟''

مکہ مکرمہ میں بارہ برس تک مسلمانوں کو یہی حکم تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ اس دور میں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے' انہیں بہت بری طرح ستایا جارہا تھا' تشدد وتعذیب کی نئی تاریخ رقم کی جارہی تھی۔ اس پر مسلمانوں کا خون کھولتا تھا اور بہت سے مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ہمیں اجازت دی جائے تو ہم اپنے بھائیوں پر ہونے والے اس ظلم وستم کا بدلہ لیں' آخر ہم نامرد نہیں ہیں' بے غیرت نہیں ہیں' بزدل نہیں ہیں۔ لیکن انہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ منہج انقلابِ نبویؐ کا ''صبرِ محض'' کا مرحلہ تھا اس وقت حکم یہ تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔

نغمہ ہے بلبل شوریدہ تیرا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

ایک وقت آئے گا کہ تمہارے ہاتھ کھول دیے جائیں گے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ﴾ فعل مجہول ہے۔ یہ کہا کس نے تھا؟ مکی قرآن میں تو ''كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ'' کا حکم موجود نہیں ہے۔ یہ حکم تھا محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ حضور ﷺ نے اہل ایمان کو ہاتھ اٹھانے سے روکا تھا۔ یہ آیت سورۃ النساء میں نازل ہو رہی ہے جو مدنی ہے۔ کہ اس وقت بھی وہ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا' جس کو اللہ نے اپنا حکم قرار دیا۔ گویا یہ اللہ ہی کی طرف سے تھا۔ وحی جلی تو یہ قرآن ہے۔ اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ پر وحی خفی بھی نازل ہوتی تھی۔ تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکی دور میں وحی خفی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہو جو یہاں نقل ہوا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا اپنا اجتہاد ہو جسے اللہ نے برقرار رکھا ہو' اسے قبول (own) کیا ہو۔

اب یہ بات یہاں محذوف ہے کہ اُس وقت تو کچھ لوگ بڑے جوش وجذبہ سے اور بڑے زور شور سے کہتے تھے کہ ہمیں اجازت ہونی چاہیے کہ ہم جنگ کریں' لیکن اب کیا حال ہوا:

﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً ۚ﴾ ''تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اس طرح ڈر رہے ہیں جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے' بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈر رہے ہیں۔''

ظاہر بات ہے کہ یہ مکہ کے مہاجرین نہیں تھے' بلکہ یہ حال منافقین مدینہ کا تھا' لیکن فرق وتفاوت واضح کرنے کے لیے مکی دور کی کیفیت سے تقابل کیا گیا کہ اصل ایمان تو وہ تھا' اور یہ جو صورت حال ہے یہ کمزوریٔ ایمان اور نفاق کی علامت ہے۔

﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں پروردگار! تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر

دی؟''

﴿لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ؕ﴾ ''کیوں نہ ابھی ہمیں کچھ اور مہلت دی؟''
اس حکم کو کچھ دیر کے لیے مزید مؤخر کیوں نہ کیا؟

﴿قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ ۚ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے دنیا کا ساز و سامان بہت تھوڑا ہے۔''

﴿وَالۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ۟﴾ ''اور آخرت بہت بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کرے''

﴿وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۷۷﴾﴾ ''اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔''
تمہاری حق تلفی قطعاً نہیں ہوگی اور تمہارے جو بھی اعمال ہیں' انفاق ہے' قتال ہے' اللہ کی راہ میں ایثار ہے' اس کا تمہیں بھرپور اجر و ثواب دے دیا جائے گا۔

آیت ۷۸ ﴿اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ﴾ ''تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تم کو پالے گی''
ظاہر ہے قتال سے جی چرانے کا اصل سبب موت کا خوف تھا۔ چنانچہ ان کے دلوں کے اندر جو خوف تھا اسے ظاہر کیا جا رہا ہے۔ ان پر واضح کیا جا رہا ہے کہ موت سے کوئی مفر نہیں' تم جہاں کہیں بھی ہوگے موت تمہیں پالے گی۔

﴿وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ﴾ ''خواہ تم بڑے مضبوط قلعوں کے اندر ہی ہو۔''
اگرچہ تم بہت مضبوط (fortified) قلعوں کے اندر اپنے آپ کو محصور کرلو۔ پھر بھی موت سے نہیں بچ سکتے۔

﴿وَاِنۡ تُصِبۡہُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ۚ﴾ ''اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''
منافقین کا ایک طرزِ عمل یہ بھی تھا کہ اگر مسلمانوں کو کوئی کامیابی حاصل ہو جاتی' فتح نصیب ہو جاتی' کوئی اور بھلائی پہنچ جاتی' حضور ﷺ کی تدبیر کے اچھے نتائج نکل آتے تو اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے' بلکہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے' یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

﴿وَاِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِکَ ؕ﴾ ''اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ (اے محمد ﷺ) یہ آپ کی وجہ سے ہے۔''
آپؐ نے یہ غلط اقدام کیا تو اس کے نتیجے میں ہم پر یہ مصیبت آ گئی۔ یہ آپ کا فیصلہ تھا کہ کھلے میدان میں جا کر جنگ کریں گے' ہم نے تو آپ کو مشورہ دیا تھا کہ مدینے کے اندر محصور ہو کر جنگ کریں۔

﴿قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''
یہ سب چیزیں' خیر ہو' شر ہو' تکلیف ہو' آسانی ہو' مشکل ہو' جو بھی صورتیں ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

﴿فَمَالِ ہٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ حَدِیۡثًا ﴿۷۸﴾﴾ ''تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات بھی نہیں سمجھتے!''

آیت ۷۹ ﴿مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ ؕ﴾ ''(اے مسلمان!) تجھے جو بھلائی بھی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے' اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ خود تیرے نفس کی طرف سے ہے۔''
اس آیت کے بارے میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ یہاں تحویلِ خطاب ہے۔ پہلی آیت میں خطاب ان مسلمانوں کو جن کی طرف سے کمزوری یا نفاق کا اظہار ہو رہا تھا' لیکن اس آیت میں بحیثیتِ مجموعی خطاب ہے کہ دیکھو اے مسلمانو! جو بھی کوئی خیر تمہیں ملتا ہے اس پر تمہیں یہی کہنا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور کوئی شر پہنچ جائے تو اسے اپنے کسب و عمل کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ خیر بھی اللہ کی طرف سے ہے اور شر بھی۔ ''ایمان مفصل'' میں الفاظ آتے ہیں: ''وَالۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی'' لیکن ایک مسلمان کے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ خیر ملے تو اسے اللہ کا فضل سمجھے۔ اور اگر کوئی خرابی ہو جائے تو سمجھے کہ یہ میری کسی غلطی کے سبب ہوئی ہے' مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے' جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی تادیب فرمانی چاہی ہے۔

﴿وَاَرۡسَلۡنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا ؕ﴾ ''اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو تو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''
اس مقام کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ درمیانی ٹکڑے میں بھی خطاب تو رسول اللہ ﷺ ہی سے ہے' لیکن استعجاب کے انداز میں کہ اچھا! جو کچھ انہیں خیر مل جائے وہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور جو کوئی برائی آ جائے تو وہ آپ کی طرف سے ہے! یعنی کیا بات یہ کہہ رہے ہیں! جبکہ اللہ نے تو آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی یہ دو تعبیریں ہیں۔ میرے نزدیک پہلی تعبیر راجح ہے۔

﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ﴿۷۹﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہ کے طور پر۔''

آیت ۸۰ ﴿مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ﴾ ''جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی۔''
یہ ٹکڑا بہت اہم ہے۔ اس لیے کہ یہ دوٹوک انداز میں واضح کر رہا ہے کہ رسولؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے یہ حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنۡ اَطَاعَنِیۡ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ' وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَقَدۡ عَصَی اللّٰہَ' وَمَنۡ اَطَاعَ اَمِیۡرِیۡ فَقَدۡ اَطَاعَنِیۡ' وَمَنۡ عَصٰی اَمِیۡرِیۡ فَقَدۡ عَصَانِیۡ)) (۱)

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔''

رسول اللہ ﷺ کی ساری جدوجہد جماعتی نظم کے تحت ہو رہی تھی۔ جہاد و قتال کے لیے فوج تیار ہوتی تو اس میں اوپر سے

نیچے تک سمع و طاعت کی ایک زنجیر بنتی چلی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ کمانڈر انچیف تھے' آپ ؐ لشکر کے میمنہ' میسرہ' قلب اور عقب وغیرہ پر' ہراول دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر فرماتے۔ ان امراء کے بارے میں آپ ؐ نے فرمایا کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی' اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔

﴿وَمَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا ﴿۸۰﴾﴾ ''اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا ہے۔''

اے نبیؐ! ہم نے آپ کو ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا۔ اپنے طرزِ عمل کے یہ خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر یہ اُس کے محاسبے کا خود سامنا کر لیں گے۔

آیت ۸۱ ﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ طَاعَۃٌ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ سر تسلیم خم ہے''

ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ آپ کے سامنے تو کہتے ہیں کہ ہم مطیع فرمان ہیں' آپ ؐ نے جو فرمایا قبول ہے' ہم اس پر عمل کریں گے۔

﴿فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِکَ بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ مِّنۡهُمۡ غَیۡرَ الَّذِیۡ تَقُوۡلُ ؕ﴾ ''پھر جب آپ کے پاس سے ہٹتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ آپس میں ایسے مشورے کرتا ہے جو ان کے اپنے قول کے خلاف ہے۔''

جا کر ایسے مشورے آپس میں شروع کر دیتا ہے جو خلاف ہے اس کے جو وہ وہاں کہہ کر گئے ہیں۔ سامنے وہ ہو گئی بعد میں جا کر جو ہے ریشہ دوانی' سازش۔

﴿وَاللّٰهُ یَکۡتُبُ مَا یُبَیِّتُوۡنَ ۚ﴾ ''اور اللہ لکھ رہا ہے جو بھی وہ مشورے کرتے ہیں''

﴿فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ﴾ ''تو (اے نبیؐ) آپ ان سے چشم پوشی کیجیے''

آپ ان کی پروا نہ کیجیے' یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ابھی ان کے خلاف اقدام کرنا خلافِ مصلحت ہے۔ جیسے ایک دور میں فرمایا گیا: ﴿فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا﴾ (البقرۃ:۱۰۹) یعنی ان یہودیوں کو ذرا نظر انداز کیجیے' ابھی ان کی شرارتوں پر تکفیر نہ کیجیے' جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے' اس لیے کہ مصلحت کا تقاضا ہے کہ ابھی یہ محاذ نہ کھولا جائے۔ اسی طرح یہاں منافقین کے بارے میں کہا گیا کہ ابھی ان سے اعراض کیجیے۔ چنانچہ ان کی ریشہ دوانیوں سے کچھ عرصے تک چشم پوشی کی گئی اور پھر غزوۂ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان پر گرفت شروع کی۔ پھر وہ وقت آ گیا کہ اب تک ان کی شرارتوں پر جو پردے پڑے رہے تھے وہ پردے اٹھا دیے گئے۔

﴿وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور آپ اللہ پر توکل کیجیے۔''

﴿وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیۡلًا ﴿۸۱﴾﴾ ''اور اللہ کافی ہے بھروسے کے لیے۔''

آپ ؐ کو سہارے کے لیے اللہ کافی ہے۔ ان کی ساری ریشہ دوانیاں' یہ مشورے' یہ سازشیں' سب پادر ہوا ہو جائیں گی' آپ فکر نہ کیجیے۔

آیت ۸۲ ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴾ ''کیا یہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟''

یہ قرآن پڑھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں' لیکن اس پر غور و فکر نہیں کرتے۔ نمازیں تو وہ پڑھتے تھے۔ اُس وقت جو بھی منافق تھا اسے نماز تو پڑھنی پڑتی تھی' ورنہ اس کو مسلمان نہ مانا جاتا۔ آج تو مسلمان مانے جانے کے لیے نماز ضروری نہیں ہے' اس وقت تو ضروری تھی۔ بلکہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی تو پہلی صف میں ہوتا تھا اور جمعہ کے روز تو خاص طور پر خطبے سے پہلے کھڑے ہو کر اعلان کرتا تھا کہ لوگو ان کی بات توجہ سے سنو' یہ اللہ کے رسول ہیں۔ گویا اپنی چودھراہٹ کے اظہار کے لیے یہ انداز اختیار کرتا۔ تو وہ نمازیں پڑھتے تھے' قرآن سنتے تھے' لیکن قرآن پر تدبر نہیں کرتے تھے۔ قرآن ان کے سروں کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ یا ان کے ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتا تھا۔

﴿وَلَوۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِیۡهِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا ﴿۸۲﴾﴾ ''تو اس میں وہ بہت سے تضادات پاتے۔''

اس پر غور کرو' یہ بہت مربوط کلام ہے۔ اس کا پورا فلسفہ منطقی طور پر بہت مربوط ہے' اس کے اندر کہیں کوئی تضاد نہیں ہے۔

آیت ۸۳ ﴿وَاِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ ؕ﴾ ''اور جب ان کے پاس کوئی خبر پہنچتی ہے امن کی یا خطرے کی تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں۔''

منافقین کی ایک روش یہ بھی تھی کہ جوں ہی کوئی اطمینان بخش یا خطرناک خبر سن پاتے اسے لے کر پھیلا دیتے۔ کہیں سے خبر آ گئی کہ فلاں قبیلہ چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا ہے' اس کی طرف سے حملے کا اندیشہ ہے تو وہ فوراً اسے عام کر دیتے' تاکہ لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو جائے۔ ''اِذَاعَۃ'' کا لفظ آج کل نشریاتی (broadcasting) اداروں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ''مِذۡیَاع'' ریڈیو سیٹ کو کہا جاتا ہے۔

﴿وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَی الرَّسُوۡلِ وَاِلٰۤی اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ﴾ ''اور اگر وہ اس کو رسولؐ اور اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کرتے''

﴿لَعَلِمَهُ الَّذِیۡنَ یَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ ؕ﴾ ''تو یہ بات ان میں سے ان لوگوں کے علم میں آ جاتی جو بات کی تہہ تک پہنچنے والے ہیں۔''

اگر یہ لوگ ایسی خبروں کو رسول اللہ ﷺ تک یا ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے' مثلاً اوس کے سردار سعد بن عبادہ ؓ اور خزرج کے سردار سعد بن معاذ ؓ' تو یہ ان کی تحقیق کر لیتے کہ بات کس حد تک درست ہے اور اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے اور پھر جائزہ لیتے کہ ہمیں اس ضمن میں کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ لیکن ان کی روش یہ تھی کہ محض سنسنی پھیلانے اور سراسیمگی پیدا کرنے کے لیے ایسی خبریں لوگوں میں عام کر دیتے۔

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ ’’اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی‘‘

﴿لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾﴾ ’’تو تم سب کے سب شیطان کی پیروی کرتے‘ سوائے چند ایک کے۔‘‘

آیت ۸۴ ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ﴾ ’’پس (اے نبیؐ!) آپ جنگ کریں اللہ کی راہ میں!‘‘

قتال کے ضمن میں یہ قرآن مجید کی غالباً سخت ترین آیت ہے‘ لیکن اس میں سختی لفظی نہیں‘ معنوی ہے۔

﴿لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ﴾ ’’آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے اپنی ذات کے‘‘

﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴾ ’’البتہ اہل ایمان کو آپ اس کے لیے اُکسائیں۔‘‘

آپؐ اہل ایمان کو قتال فی سبیل اللہ کے لیے جس قدر ترغیب وتشویق دے سکتے ہیں دیجیے۔ انہیں اس کے لیے جوش دلایئے‘ ابھاریے۔ لیکن اگر کوئی اور نہیں نکلتا تو اکیلے نکلئے جیسے حضرت ابوبکر ؓ کا قول بھی نقل ہوا ہے جب ان سے کہا گیا کہ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں نرمی کیجیے تو آپؓ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں اکیلا جاؤں گا‘ عزیمت کا یہ عالم ہے! تو اے نبیؐ آپ کو تو یہ کام کرنا ہے‘ آپ کا تو یہ فرضِ منصبی ہے۔ آپ کو ہم نے بھیجا ہی اس لیے ہے کہ روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کر دیں۔

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ﴾ ’’بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی ان کافروں کی قوت کو روک دے۔‘‘

کفار و مشرکین کی جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں‘ بڑی چلت پھرت ہو رہی ہے‘ یہ تو کچھ عرصے کی بات ہے وہ وقت بس آیا چاہتا ہے کہ ان میں دم نہیں رہے گا کہ آپ کا مقابلہ کریں۔ اور وہ وقت جلد ہی آ گیا کہ مشرکین کی کمر ٹوٹ گئی۔ سورۃ النساء کی یہ آیت ۴ ہجری میں نازل ہوئی اور ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب پیش آیا۔ جس کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ ((لن تغزوکم قریش بعد عامکم ھذا ولکنکم تغزونھم)) (۲۱) ’’اس سال کے بعد قریش تم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کریں گے‘ بلکہ اب تم ان پر حملہ آور ہو گے۔‘‘ غزوۂ احزاب کے فوراً بعد سورۃ الصّف نازل ہوئی۔ جس میں اہل ایمان کو فتح ونصرت کی بشارت دی گئی۔ ﴿وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اس سے اگلے سال ۶ ہجری میں آپ ﷺ نے عمرے کا سفر کیا‘ جس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ ہوگئی‘ جسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾۔ اس کے بعد ساتویں سال اللہ تعالیٰ نے فتح خیبر عطا فرما دی اور آٹھویں سال میں مکہ فتح ہوگیا۔ اس طرح ایک کے بعد ایک‘ سارے بند دروازے کھلتے چلے گئے۔

﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾﴾ ’’اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت شدید ہے قوت میں بھی اور سزا دینے میں بھی۔‘‘

منافقین سے خطاب کے بعد اب پھر کچھ تمدنی آداب کا ذکر ہو رہا ہے۔ منافقین سے خطاب میں دو باتوں کو نمایاں کیا گیا۔ ایک اطاعت رسولؐ جو ان پر بہت شاق گزرتی تھی اور ایک قتال فی سبیل اللہ جو ان کے لیے بہت بڑا امتحان بن جاتا تھا۔ اب پھر اہل ایمان سے خطاب آ رہا ہے۔

آیت ۸۵ ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ﴾ ’’جو کوئی سفارش کرے گا بھلائی کی اُسے اس میں سے حصہ ملے گا۔‘‘

انسانی معاشرے کے اندر کسی کے لیے سفارش کرنا بھی بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص ہے‘ اس کی کوئی احتیاج ہے‘ آپ جانتے ہیں کہ صحیح آدمی ہے‘ بہروپیا نہیں ہے۔ دوسرے شخص کو آپ جانتے ہیں کہ وہ اس کی مدد کر سکتا ہے تو آپ کو دوسرے شخص کے پاس جا کر اس کے حق میں سفارش کرنی چاہیے کہ میں اس کو جانتا ہوں‘ یہ واقعتاً ضرورت مند ہے۔ اس طرح اُس کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور اس نیکی کے ثواب میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے۔ اسی طرح کسی پر کوئی مقدمہ قائم ہو گیا ہے اور آپ کے علم میں اس کی بے گناہی کے بارے میں حقائق اور شواہد ہیں تو آپ کو عدالت میں پیش ہو کر یہ حقائق اور شواہد پیش کرنے چاہئیں‘ تاکہ اس کی گلوخلاصی ہو سکے۔ اس آیت کی رو سے نیکی‘ بھلائی‘ خیر اور عدل وانصاف کی خاطر اگر کسی کی سفارش کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

﴿وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ﴾ ’’اور جو کوئی سفارش کرے گا برائی کی تو اسے اس میں سے حصہ ملے گا۔‘‘

کسی نے کسی کی جھوٹی اور غلط سفارش کی‘ حقائق کو توڑا مروڑا تو وہ بھی اس کے جرم میں شریک ہو گیا اور وہ اس جرم کی سزا میں بھی حصہ دار ہو گا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قوت رکھنے والا ہے۔‘‘

آیت ۸۶ ﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ﴾ ’’اور جب تمہیں سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم بھی سلامتی کی اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔‘‘

ہر معاشرے میں کچھ ایسے دعائیہ کلمات رائج ہوتے ہیں جو معاشرے کے افراد باہمی ملاقات کے وقت استعمال کرتے ہیں۔ جیسے مغربی معاشرے میں گڈ مارننگ اور گڈ ایوننگ وغیرہ۔ عربوں کے ہاں صباح الخیر اور مساء الخیر کے علاوہ سب سے زیادہ رواج ’’حَيَّاكَ اللّٰه‘‘ کہنے کا تھا۔ یعنی اللہ تمہاری زندگی بڑھائے۔ جیسے ہمارے ہاں سرائیکی علاقے میں کہا جاتا ہے ’’حیاتی ہووے‘‘۔ درازیٔ عمر کی اس دعا کو تَحِيَّة کہا جاتا ہے۔ سلام اور اس کے ہم معنی دوسرے دعائیہ کلمات بھی سب اس کے اندر شامل ہو جاتے ہیں۔ عرب میں جب اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تو دیگر دعائیہ کلمات بھی باقی رہے‘ البتہ ’’اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ‘‘ کو ایک خاص اسلامی شعار کی حیثیت حاصل ہو گی۔ اس آیت میں ہدایت کی جا رہی ہے کہ جب تمہیں کوئی سلامتی کی دعا دے تو اس کے جواب کا اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ اس سے بہتر طریقے پر جواب دو۔ ’’اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ‘‘ کے جواب میں ’’وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ‘‘ کے ساتھ ’’وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ‘‘ کا اضافہ کر کے اسے لوٹائیں۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم اسی کے الفاظ اس کی طرف

لوٹادو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ۝۸۶﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔''

یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں جو ہیں انسانی زندگی میں ان کی بھی اہمیت ہے۔ان معاشرتی آداب سے معاشرتی زندگی کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے' آپس میں محبت ومودت پیدا ہوتی ہے۔

آیت ۸۷ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ﴾ ''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

﴿لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ۭ﴾ ''وہ تمہیں لازماً جمع کرے گا قیامت کے دن' جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔''

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۝۸۷﴾ ''اور اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا کون ہوگا؟''

منافقین پر جو تین چیزیں بہت شاق تھیں' اب ان میں سے تیسری چیز کا تذکرہ آ رہا ہے' یعنی ہجرت۔ایک تو وہ لوگ تھے جو بیمار تھے' بوڑھے تھے' سفر کے قابل نہیں تھے' یا عورتیں اور بچے تھے' ان کا معاملہ تو پہلے ذکر ہو چکا کہ ان کے لیے تمہیں قتال کرنا چاہیے تاکہ انہیں ظالموں کے چنگل سے چھڑاؤ۔ایک وہ لوگ تھے جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان تو کر چکے تھے لیکن اپنے کافر قبیلوں اور اپنی بستیوں کے اندر آرام سے رہ رہے تھے اور ہجرت نہیں کر رہے تھے' جبکہ ہجرت اب فرض کر دی گئی تھی۔ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ ہجرت فرض کیوں کر دی گئی؟ اس لیے کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تحریک اس مرحلے میں داخل ہو گئی کہ اب باطل کے خلاف اقدام کرنا ہے' تو اب اہل ایمان کی جتنی بھی دستیاب طاقت تھی اسے ایک مرکز پر مجتمع کرنا ضروری تھا' مکی دور میں جو پہلی ہجرت ہوئی تھی یعنی ہجرت حبشہ وہ اختیاری تھی۔اس کی صرف اجازت تھی' حکم نہیں تھا لیکن ہجرتِ مدینہ کا تو حکم تھا۔لہٰذا اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس بنا پر منافق قرار پائے کہ وہ ہجرت نہیں کر رہے ہیں۔

آیات ۸۸ تا ۹۱

﴿فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ۝۸۸ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَاۗءَ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝۸۹ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ۝۹۰ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَیُلْقُوْٓا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَیَكُفُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۝۹۱﴾

آیت ۸۸ ﴿فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ﴾ ''پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟''

بات آگے واضح ہو جائے گی کہ یہ کن منافقین کا تذکرہ ہے' جن کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان دو رائیں پائی جاتی تھیں۔اہل ایمان میں سے بعض کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ نرمی ہونی چاہیے' آخر یہ ایمان تو لائے تھے' اب نہیں ہجرت کر سکے۔جبکہ کچھ لوگ اللہ کے حکم کے معاملے میں ان سے سخت رویہ اختیار کرنے کے حق میں تھے۔چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے بارے میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہو؟

﴿وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ﴾ ''اور اللہ نے تو ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب الٹ دیا ہے۔''

ان کا ہجرت نہ کرنا درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ الٹے پھیر دیے گئے ہیں۔یعنی ان کا ایمان سلب ہو چکا ہے۔ہاں کوئی مجبوری ہوتی' عذر ہوتا تو بات تھی۔

﴿اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ ان کو ہدایت دے دو جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے؟''

جن کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہے۔

﴿وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ۝۸۸﴾ ''اور جس کو اللہ راستے سے ہٹا دے اُس کے لیے تم کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔''

جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے آخری مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہو اس کے لیے پھر کون سا راستہ باقی رہ جاتا ہے؟

﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً﴾ ''یہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جس طرح انہوں نے کفر کیا ہے تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ''

یہ لوگ جو ان کے بارے میں نرمی کی باتیں کر رہے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ جیسے انہوں نے کفر کیا ہے تم بھی کرو' تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔دُم کٹی بلی چاہتی ہے کہ سب بلیوں کی دُمیں کٹ جائیں۔

﴿فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَاۗءَ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''تو اب ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اللہ کی راہ میں۔''

یہ گویا اب ان کے ایمان کا ٹمس ٹیسٹ ہے۔اگر وہ ہجرت نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مؤمن نہیں منافق

ہیں۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠﴾ ’’اور اگر وہ پیٹھ موڑ لیں (ہجرت نہ کریں) تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔‘‘

یعنی اگر وہ ہجرت نہیں کرتے جو ان پر فرض کر دی گئی ہے تو پھر وہ کافروں کے حکم میں ہیں‘ چاہے وہ کلمہ پڑھتے ہوں۔ تم انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑو اور قتل کرو۔

﴿وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾﴾ ’’اور ان میں سے کسی کو بھی اپنا ساتھی اور مددگار مت بناؤ۔‘‘

آیت ۹۰ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ ’’سوائے ان کے جن کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے‘‘

یعنی اس حکم سے صرف وہ منافقین مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں جس کے ساتھ تمہارا صلح کا معاہدہ ہے۔ اس معاہدے سے انہیں بھی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔

﴿اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ﴾ ’’یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ دل برداشتہ ہوں‘‘

﴿اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ﴾ ’’اس بات سے کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں۔‘‘

یعنی ان میں اتنی جرأت نہیں رہی کہ وہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم کے خلاف لڑیں یا اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تمہارے خلاف لڑیں۔ انسانی معاشرے میں ہر سطح کے لوگ ہر دور میں رہے ہیں اور ہر دور میں رہیں گے۔ لہٰذا واضح کیا جا رہا ہے کہ انقلابی جدوجہد کے دوران ہر طرح کے حالات آئیں گے اور ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ اس طرح کے کم ہمت لوگ جو کہتے تھے بھئی ہمارے لیے لڑنا بھڑنا مشکل ہے‘ نہ تو ہم اپنی قوم کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑیں گے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے‘ ان کے بارے میں بھی فرمایا کہ ان کی بھی جان بخشی کرو۔ چنانچہ ہجرت نہ کرنے والے منافقین کے بارے میں جو یہ حکم دیا گیا کہ ﴿فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠﴾ ’’پس ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ‘‘ اس سے دو استثناء بیان کر دیے گئے۔

﴿وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ﴾ ’’اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے لڑتے۔‘‘

یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ اللہ انہیں تمہارے خلاف ہمت عطا کر دیتا اور وہ تمہارے خلاف قتال کرتے۔

﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ﴾ ’’پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں‘‘

﴿وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ﴾ ’’اور تمہاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں۔‘‘

﴿فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾﴾ ’’تو اللہ نے تمہیں بھی ایسے لوگوں کے خلاف اقدام کرنے کی اجازت نہیں دی‘‘

تو اس بات کو سمجھ لیجیے کہ جو منافق ہجرت نہیں کر رہے‘ ان کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ اب ان کے خلاف اقدام ہوگا‘ انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑو اور قتل کرو‘ وہ حربی کافروں کے حکم میں ہیں۔ الّا یہ کہ (ا) ان کے قبیلے سے تمہارا صلح کا معاہدہ ہے تو وہ ان کو تحفظ فراہم کر جائے گا۔ (ب) وہ آ کر اگر یہ کہہ دیں کہ ہم بالکل غیر جانبدار ہو جاتے ہیں‘ ہم میں جنگ کی ہمت نہیں ہے‘ ہم نہ آپ کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑ سکتے ہیں اور نہ ہی آپ کے خلاف اپنی قوم کی مدد کریں گے‘ تب بھی انہیں چھوڑ دو۔ اس کے بعد اب منافقین کے ایک تیسرے گروہ کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔

آیت ۵۸ ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ﴾ ’’تم پاؤ گے ایک اور قسم کے لوگوں کو بھی جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں‘ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔‘‘

﴿كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ﴾ ’’لیکن جب بھی فتنے کی طرف موڑے جاتے ہیں تو اس کے اندر اوندھے ہو جاتے ہیں۔‘‘

جب بھی آزمائش کا وقت آتا ہے تو اس میں اوندھے منہ گرتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ اپنی قوم کا پلڑا بھاری ہے تو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ اب تو ہماری فتح ہونے والی ہے اور ہمیں مالِ غنیمت میں سے حصہ مل جائے گا۔

﴿فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ﴾ ’’پس اگر یہ تم سے کنارہ کش نہ رہیں‘ تمہارے سامنے صلح و سلامتی پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں‘‘

﴿فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ﴾ ’’تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔‘‘

﴿وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تمہیں سند (اور قوت) عطا کر دی ہے۔‘‘

ایسے لوگوں کے معاملے میں ہم نے تمہیں کھلا اختیار دے دیا ہے کہ تم ان کے خلاف اقدام کر سکتے ہو۔

آیات ۹۲ تا ۹۶

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَــــًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَــــًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ز تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ
مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ
لَسْتَ مُؤْمِنًا ط تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ز فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ط كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ
فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿٩٤﴾ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط فَضَّلَ اللّٰهُ
الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط وَفَضَّلَ اللّٰهُ
الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾

اب ایک اور معاشرتی مسئلہ آ رہا ہے۔ اُس وقت دراصل پورے عرب کے اندر ایک بھٹی دہک رہی تھی‘ جگہ جگہ جنگیں لڑی جا رہی تھیں‘ میدان لگ رہے تھے‘ معرکے ہو رہے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں تو صرف بڑے بڑے معرکوں اور غزوات کا ذکر ہوا ہے مگر حقیقت میں اُس وقت پورا معاشرہ حالتِ جنگ میں تھا۔ ایک چومکھی جنگ تھی جو مسلسل جاری تھی۔ اِن آیات سے اُس وقت کے عرب معاشرے کی اصل صورتِ حال اور اُس قبائلی معاشرے کے مسائل کی بہت کچھ عکاسی ہوتی ہے۔ اس طرح کے ماحول میں فرض کریں‘ ایک شخص نے کسی دوسرے کو قتل کر دیا۔ قاتل اور مقتول دونوں مسلمان ہیں۔ قاتل کہتا ہے کہ میں نے عمداً ایسا نہیں کیا‘ میں نے تو شکار کی غرض سے تیر چلایا تھا مگر اتفاق سے نشانہ چوک گیا اور اس کو جا لگا۔ تو اب یہ مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا دو طرح کا ہو سکتا ہے‘ قتلِ عمد یا قتلِ خطا۔ یہاں اس بارے میں وضاحت فرمائی گئی ہے۔

آیت ۹۲ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ج﴾ ”کسی مؤمن کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ ایک مؤمن کو قتل کرے مگر خطا کے طور پر۔“

خطا کے طور پر قتل کیا ہے؟ نشانہ چوک گیا اور کسی کو جا لگا یا سڑک پر حادثہ ہو گیا‘ کوئی شخص گاڑی کے نیچے آ کر مر گیا۔ آپ تو اُسے مارنا نہیں چاہتے تھے‘ بس یہ سب کچھ آپ سے اتفاقی طور پر ہو گیا۔ چنانچہ سعودی عرب میں حادثات کے ذریعے ہونے والی اموات کے فیصلے اسی قانونِ قتلِ خطا کے تحت ہوتے ہیں۔ وہ قانون کیا ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ ”اور جو شخص کسی مؤمن کو قتل کر دے غلطی سے تو (اس کے ذمہ ہے) ایک مسلمان غلام کی گردن کا آزاد کرانا“

﴿وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ط﴾ ”اور خون بہا مقتول کے گھر والوں کو ادا کرنا‘ اِلّا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔“

یعنی قتلِ خطا کے بدلے میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ دیت یعنی خون بہا ادا کیا جائے گا‘ یہ مقتول کے ورثاء کا حق ہے۔ اور گناہ کے کفّارے کے طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہو گا‘ یہ اللہ کا حق ہے۔

﴿فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ”اور اگر وہ (مقتول) کسی ایسے قبیلے سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے اور تھا وہ مسلمان“

﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ط﴾ ”تو پھر صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہو گا۔“

کیونکہ کافر قبیلے کا آدمی تھا اور اگر اس کی دیت دی جائے گی تو وہ اس کے گھر والوں کو ملے گی جو کہ کافر ہیں‘ لہٰذا یہاں دِیت معاف ہو گئی‘ لیکن ایک غلام کو آزاد کرنا جو اللہ کا حق تھا‘ وہ برقرار رہے گا۔

﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ م بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ ”اور اگر وہ (مقتول) ہو کسی ایسی قوم سے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے“

﴿فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ج﴾ ”تو پھر دیت بھی دینا ہو گی اس کے گھر والوں کو اور ایک مؤمن غلام بھی آزاد کرنا ہو گا۔“

گویا یہ دو حق الگ الگ ہیں۔ ایک تو دِیت ہے جو مقتول کے ورثاء کا حق ہے‘ اس میں یہاں رعایت نہیں ہو سکتی‘ البتہ جو حق اللہ کا اپنا ہے یعنی گناہ کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا‘ تو اس میں اللہ نے نرمی کر دی‘ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ز تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾﴾ ”پھر جو یہ (غلام آزاد) نہ کر سکے تو روزے رکھے دو مہینوں کے متواتر۔ یہ اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے‘ اور یقیناً اللہ تو علیم و حکیم ہے۔“

اب آگے قتلِ عمد کے قانون کے متعلق تفصیلات کا ذکر ہے۔

آیت ۹۳ ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا﴾ ”اور جو کوئی قتل کرے گا کسی مؤمن کو جان بوجھ کر تو اس کا بدلہ جہنّم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا“

﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾﴾ ”اور اللہ کا غضب اس پر ہو گا‘ اور اللہ نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

جیسا کہ آغازِ سورۃ میں ذکر ہوا تھا کہ حرمتِ جان اور حرمتِ مال کے تصور پر معاشرے کی بنیاد قائم ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کا قتل کر دینا اللہ کے ہاں ایک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المائدہ (آیت ۳۲) میں قتلِ ناحق کو پوری نوعِ انسانی

کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ قاتل نے حرمتِ جان کو پامال کر کے شجرِ تمدّن کی گویا جڑ کاٹ دی' اور اس کا یہ فعل ایسے ہی ہے جیسے اس نے پوری انسانی نسل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ ہمارے ہاں ایمان و اسلام کتنا کچھ ہے اور انسانی جان کی قدر و قیمت کیا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں قتلِ عمد کے واقعات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں اور انسانی جان مچھر مکھی کی جان کی طرح ارزاں ہو چکی ہے۔

اب اگلی آیت کو سمجھنے کے لیے عرب کے ان مخصوص حالات کو نظر میں رکھیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے' مختلف علاقوں میں کچھ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کچھ ابھی کفر پر قائم تھے اور کوئی ذریعہ تمیز بھی ان میں نہیں تھا' جگہ جگہ معرکے بھی ہو رہے تھے۔ اب فرض کریں کسی علاقے میں لڑائی ہو رہی ہے۔ مسلمان مجاہد سمجھا کہ سامنے سے کافر آ رہا ہے' مگر جب وہ اسے قتل کرنے کے لیے بڑھا تو اس نے آگے سے کلمہ پڑھ کر دعویٰ کیا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس صورتِ حال میں ممکن ہے سمجھا جائے کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ اس بارے میں حکم دیا جا رہا ہے:

آیت ۹۴ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا﴾ ''اے اہلِ ایمان' جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو'

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ﴾ ''اور جو شخص بھی تمہارے سامنے سلام پیش کرے (یا اسلام پیش کرے) اس کو یہ مت کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو۔''

تم اس کی باطنی کیفیت معلوم نہیں کر سکتے۔ ایمان کا تعلق چونکہ دل سے ہے اور دل کا حال سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جان سکتا' لہٰذا دنیا میں تمام معاملات کا اعتبار زبانی اسلام (اقرارٌ باللّسان) پر ہی ہوگا۔ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ رہا ہے اور اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہے تو آپ کو اس کے الفاظ کا اعتبار کرنا ہوگا۔ اس آیت کے پس منظر کے طور پر روایات میں ایک واقعے کا ذکر ملتا ہے جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کسی سریہ میں حضرت اسامہؓ کا ایک کافر سے دُوبدُو مقابلہ ہوا۔ جب وہ کافر بالکل زیر ہو گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ اس کے بچنے کا کوئی راستہ نہیں تو اس نے کلمہ پڑھ دیا: اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ. اب ایسی صورتِ حال میں جو کوئی بھی ہوتا یہی سمجھتا کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ حضرت اسامہؓ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اُس پر نیزے کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ لیکن دل میں ایک خلش رہی۔ بعد میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: ((اَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَقَتَلْتَهٗ؟)) ''اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا اور تم نے پھر بھی اُسے قتل کر دیا؟'' حضرت اسامہؓ نے جواب دیا: ''یا رسول اللہ! اُس نے تو ہتھیار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا''۔ آپؐ نے فرمایا: ((اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا؟)) تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ جان لیا کہ اُس نے کلمہ دل سے پڑھا تھا یا نہیں؟'' حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات مجھ سے بار بار فرمائی' یہاں تک کہ میں خواہش کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا![1] بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ اُس دن کیا جواب دو گے جب وہ کلمہ شہادت تمہارے خلاف مدعی ہو کر آئے گا؟"

﴿تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫﴾ ''تم دنیا کا سامان چاہتے ہو''

کہ ایسے شخص کو کافر قرار دیں' قتل کریں اور مالِ غنیمت لے لیں۔

﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ﴾ ''تو اللہ کے ہاں بڑی غنیمتیں ہیں۔''

تمہارے لیے بڑی بڑی مملکتوں کے اموالِ غنیمت آنے والے ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے حدود اللہ سے تجاوز نہ کرو۔

﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ﴾ ''تم خود بھی تو پہلے ایسے ہی تھے' تو اللہ نے تم پر احسان فرمایا ہے''

آخر ایک دَور تم پر بھی تو ایسا ہی گزرا ہے۔ تم سب بھی تو نومسلم ہی ہو اور ایک وقت میں تم میں سے ہر شخص کافر یا مشرک ہی تو تھا! پھر اللہ ہی نے تم لوگوں پر احسان فرمایا کہ تمہیں کلمہ شہادت عطا کیا اور رسول ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ لہٰذا اللہ کا احسان مانو اور اس طریقے سے لوگوں کے معاملے میں اتنی سخت روش اختیار نہ کرو۔

﴿فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾﴾ ''تو (دیکھو) تحقیق کر لیا کرو۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔''

اگلی آیت مبارکہ میں جہاد کا لفظ بمعنی قتال آیا ہے۔ جہاں تک جہاد کی اصلی روح کا تعلق ہے تو ایک مؤمن گویا ہر وقت جہاد میں مصروف ہے۔ دعوت و تبلیغ بھی جہاد ہے' اپنے نفس کے خلاف اطاعتِ الٰہی بھی جہاد ہے۔ از روئے حدیثِ نبویؐ: ((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ))[2] بلکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ ''سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟'' تو آپؐ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))[3] ''یہ کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو انہیں اللہ کا مطیع بنانے کے لیے''۔ چنانچہ جہاد کی بہت سی منازل ہیں' جن میں سے آخری منزل قتال ہے۔ تاہم جہاد اور قتال کے الفاظ قرآن میں ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن میں الفاظ کے تین ایسے جوڑے ہیں جن میں سے ہر لفظ اپنے جوڑے کے دوسرے لفظ کی جگہ اکثر استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے ایک جوڑا تو یہی ہے' یعنی جہاد اور قتال کے الفاظ' جبکہ دوسرے دو جوڑے ہیں ''مؤمن و مسلم'' اور ''نبی و رسول''۔

آیت ۹۵ ﴿لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ''برابر نہیں ہیں اہلِ ایمان میں سے بیٹھ رہنے والے بغیر عذر کے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد (قتال) کے لیے نکلتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔''

﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ﴾ ''اللہ نے فضیلت دی ہے اُن مجاہدین کو جو اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والے ہیں' بیٹھے رہنے والوں پر' ایک بہت بڑے درجے کی۔''

دَرَجَةً کی تنکیر تفخیم کے لیے ہے' یعنی بہت بڑا درجہ۔ یہاں قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے کی بات ہو رہی ہے کہ جو کسی معقول عذر کے بغیر قتال کے لیے نہیں نکلتا وہ اس کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا جو قتال کر رہا ہے۔ اگر کوئی اندھا ہے' دیکھنے سے معذور ہے یا کوئی لنگڑا ہے' چل نہیں سکتا' ایسے معذور قسم کے لوگ اگر قتال کے لیے نہ نکلیں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایسے لوگ جن کو کوئی ایسا عذر نہیں ہے' پھر بھی وہ بیٹھے رہیں' یہاں انہی لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ درجے میں مجاہدین کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اور یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ یہ ایسے قتال کی بات ہو رہی ہے جس کی حیثیت اختیاری (optional) ہو' لازمی قرار نہ دیا گیا ہو۔ جب اسلامی ریاست کی طرف سے قتال کے لیے نفیر عام ہو جائے تو معذورین کے سوا سب کے لیے نکلنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ قتال کے لیے پہلی دفعہ نفیر عام غزوۂ تبوک (سن ۹ ہجری) میں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے قتال کے بارے میں صرف ترغیب (persuasion) تھی کہ نکلو اللہ کی راہ میں' حکم نہیں تھا۔ لہٰذا کوئی جواب طلبی بھی نہیں تھی۔ کوئی چلا گیا' کوئی نہیں گیا' کوئی گرفت نہیں تھی۔ لیکن غزوۂ تبوک کے لیے نفیر عام ہوئی تھی' با قاعدہ ایک حکم تھا' لہٰذا جو لوگ نہیں نکلے اُن سے وضاحت طلب کی گئی' اُن کا مؤاخذہ کیا گیا اور اُن کو سزائیں بھی دی گئیں۔ تو یہاں چونکہ اختیاری قتال کی بات ہو رہی ہے اس لیے یہ نہیں کہا جا رہا کہ ان کو پکڑو اور سزا دو' بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے مجاہدین اللہ کی نظر میں بہت افضل ہیں۔ اس سے پہلے ایسے قتال کے لیے اسی سورۃ (آیت ۸۴) میں ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کا حکم ہے' یعنی مومنین کو قتال پر اُکسایئے' ترغیب دیجیے' آمادہ کیجیے۔ لیکن یہاں واضح انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے اور نہ کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ﴾ ''(اگرچہ) سب کے لیے اللہ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے۔''

چونکہ ابھی قتال فرض نہیں تھا' نفیر عام نہیں تھی' سب کا نکلنا لازم نہیں کیا گیا تھا' اس لیے فرمایا گیا کہ تمام مؤمنین کو ان کے اعمال کے مطابق اچھا اجر دیا جائے گا۔ قتال کے لیے نہ نکلنے والوں نے اگر اتنی ہمت نہیں کی اور وہ کمتر مقام پر قانع ہو گئے ہیں تو ٹھیک ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلے میں ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾﴾ ''لیکن فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر ایک اجرِ عظیم کی (صورت میں)۔''

آیت ۹۶ ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾﴾ ''(اُن کے لیے) اُس کی طرف سے بلند درجات بھی ہوں گے اور مغفرت و رحمت بھی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیات ۹۷ تا ۱۰۰

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾﴾

اب ان لوگوں کا ذکر آ رہا ہے جو ہجرت کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے' اس سلسلے میں انہیں کوئی عذر بھی مانع نہیں تھا' مگر پھر بھی وہ اپنے قبیلے یا مکہ شہر میں اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے تھے۔

آیت ۹۷ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''یقیناً وہ لوگ کہ جن کو فرشتے اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے''

یعنی انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی' اس سلسلے میں رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت نہیں کی تھی۔ آخر موت تو آنی ہے' لہٰذا فرشتے جب ان کی روحیں قبض کریں گے تو ان کے ساتھ اس طرح مکالمہ کریں گے:

﴿قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ﴾ ''وہ ان سے کہیں گے یہ تم کس حال میں تھے؟''

تم نے ایمان کا دعویٰ تو کیا تھا' لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا حکم دیا تو ہجرت کیوں نہیں کی؟ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟

﴿قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہ کہیں گے ہم مجبور اور کمزور بنا دیے گئے تھے اس زمین میں۔''

﴿قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ﴾ ''وہ (فرشتے) کہیں گے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟''

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾﴾ ''تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے' اور وہ بہت بُری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔''

آیت ۹۸ ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ ''سوائے ان مردوں' عورتیں اور بچوں کے جن کو واقعتاً دبا لیا گیا ہو''

جن لوگوں کو کمزور سمجھ کر دبا لیا گیا ہو' واقعتاً زنجیروں میں جکڑ کر گھروں میں بند کر دیا گیا ہو' ان کا معاملہ اور ہے۔ یا پھر کوئی عورت ہے جس کے لیے تنہا سفر کرنا ممکن نہیں۔ ویسے تو ایسی عورتیں بھی تھیں جنہوں نے تنہا ہجرتیں کیں' لیکن ہر ایک کے لیے تو

ایسا ممکن نہیں تھا۔

﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً وَّلَا یَھْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾﴾ ''نہ تو وہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ وہ راستہ جانتے ہیں۔''

آیت ۹۹ ﴿فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾﴾ ''بعید نہیں کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے‘ اور اللہ واقعتاً بخشنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔''

ایسے بے بس اور لاچار مردوں‘ بچوں اور عورتوں کے لیے اسی سورۃ (آیت ۷۵) میں حکم ہوا تھا کہ ان کے لیے قتال فی سبیل اللہ کرو اور انہیں جا کر چھڑاؤ۔ لیکن جو لوگ ہجرت کے اس واضح حکم کے بعد بھی بغیر عذر کے بیٹھے رہے ہیں ان کے بارے میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ وہ منافق ہیں‘ ان سے تمہارا کوئی تعلق نہیں‘ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ بلکہ قتال کے معاملے میں وہ بالکل کفار کے برابر ہیں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ ''اور جو کوئی ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں''

﴿یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَۃً ط﴾ ''وہ پائے گا زمین میں بڑے ٹھکانے اور بڑی وسعت۔''

جیسے سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ ''اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو‘ میری زمین بہت کشادہ ہے‘ پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو!''۔ اگر یہاں اپنے وطن میں اللہ کی بندگی نہیں کر سکتے ہو تو کہیں اور چلے جاؤ۔

﴿وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ ۢ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ﴾ ''اور جو کوئی اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہجرت کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف‘ پھر اسے موت نے آ لیا''

﴿فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ط﴾ ''تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔''

یعنی جس کسی نے بھی ہجرت کی‘ فی سبیل اللہ‘ دولت کے لیے یا حصولِ دنیا کے لیے نہیں‘ بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا جوئی کے لیے‘ وہ اصل ہجرت ہے۔ حدیث میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی‘ فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ‘ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَاَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ))[1]

''اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہی ہے اور بلاشبہ ہر انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی۔ پس جس نے ہجرت کی اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف تو واقعی اُس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے‘ اور جس نے ہجرت کی دنیا کمانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے تو اس کی ہجرت اُسی چیز کی طرف شمار ہو گی جس کا اُس نے قصد کیا۔''

چنانچہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی‘ خلوصِ نیّت کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا اور راستے ہی میں فوت ہو گیا‘ مدینہ منورہ نہیں پہنچ سکا‘ حضورﷺ کے قدموں تک اس کی رسائی نہیں ہو سکی‘ وہ اپنا مقصود حاصل نہیں کر سکا‘ تو پھر بھی وہ کامیاب و کامران ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اسے ہجرت کا اجر ضرور عطا فرمائے گا۔

﴿وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ بخشنے والا‘ رحم فرمانے والا ہے۔''

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۴

﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ق اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ فَاَقَمْتَ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَھُمْ قف فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ ص وَلْتَاْتِ طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَھُمْ وَاَسْلِحَتَھُمْ ج وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَاَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَۃً وَّاحِدَۃً ط وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَکُمْ ج وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ ج فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ج اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَھِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ط اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ ج وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿۱۰۴﴾﴾

اس رکوع میں پھر شریعت کے کچھ احکام اور عبادات کی کچھ تفاصیل ہیں۔ گویا خطاب کا رُخ اب پھر اہل ایمان کی طرف ہے۔

آیت ۱۰۱ ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ق﴾ ''اور (اے مسلمانو!) جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز کو کچھ کم کر لیا کرو‘‘

﴿اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط﴾ ''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔''

﴿اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾﴾ ''یقیناً یہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔''

یہ تو ہے حالتِ سفر میں قصر صلوٰۃ کا حکم۔ لیکن جنگ کی حالت میں قصر یعنی صلوٰۃ الخوف کا طریقہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ حالتِ جنگ میں جب پورے لشکر کا ایک ساتھ نماز پڑھنا ممکن نہ رہے تو گروہوں کی شکل میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔

لیکن ایسی صورت میں جب حضورﷺ خود بھی لشکر میں موجود ہوتے تو کوئی ایک گروہ ہی آپﷺ کے ساتھ نماز پڑھ سکتا تھا' جبکہ دوسرے گروہ کے لوگوں کو لازماً محرومی کا احساس ہوتا۔ لہٰذا اس مسئلے کے حل کے لیے صلوٰۃ الخوف ادا کرنے کی بہت عمدہ تدبیر بتائی گئی۔

آیت ۱۰۲ ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ ''اور (اے نبیؐ) جب آپؐ ان کے درمیان موجود ہوں اور (حالتِ جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہوں''

﴿فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ﴾ ''تو ان میں سے ایک گروہ کو کھڑے ہونا چاہیے آپؐ کے ساتھ' اور وہ اپنا اسلحہ لیے ہوئے ہوں۔''

﴿فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ﴾ ''پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں''

﴿وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ﴾ ''اور آئے دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور وہ آپؐ کے ساتھ نماز پڑھیں''

یہ حکم صلوٰۃ الخوف کے بارے میں ہے۔ اس کی عملی صورت یہ تھی کہ حضورﷺ نے ایک رکعت نماز پڑھا دی اور اس کے بعد آپؐ بیٹھے رہے' دوسری رکعت کے لیے کھڑے نہیں ہوئے' جبکہ مقتدیوں نے دوسری رکعت خود ادا کر لی۔ دو رکعتیں پوری کر کے وہ محاذ پر واپس چلے گئے تو دوسرے گروہ کے لوگ جو اَب تک نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے' نماز کے لیے حضورؐ کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اب حضورؐ نے دوسری رکعت اس گروہ کے لوگوں کی موجودگی میں پڑھائی۔ اس کے بعد حضورؐ نے سلام پھیر دیا' لیکن مقتدیوں نے اپنی دوسری رکعت انفرادی طور پر ادا کر لی۔ اس طریقے سے لشکر میں سے کوئی شخص بھی حضورؐ کی امامت کے شرف اور سعادت سے محروم نہ رہا۔

﴿وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ﴾ ''اور ان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی حفاظت کا سامان اور اپنا اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں۔''

﴿وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً﴾ ''یہ کافر لوگ تو اسی تاک میں رہتے ہیں کہ تم جیسے ہی اپنے اسلحہ اور ساز و سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں۔''

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ﴾ ''اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو جاؤ اور (ایسی صورتوں میں) تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو۔''

﴿وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ ''البتہ اپنا بچاؤ ضرور کر لیا کرو۔''

اگر تلوار' نیزہ وغیرہ جسم سے بندھے ہوئے ہوں اور اس حالت میں نماز پڑھنا مشکل ہو تو یہ اسلحہ وغیرہ کھول کر علیحدہ رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ جنگ کے حالات اجازت دیتے ہوں' لیکن ڈھال وغیرہ اپنے پاس ضرور موجود رہے تاکہ اچانک کوئی حملہ ہو تو انسان اپنے آپ کو اس فوری حملے سے بچا سکے اور اپنے ہتھیار سنبھال سکے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲﴾ ''یقیناً اللہ نے کافروں کے لیے بہت ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۱۰۳ ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ ''پھر جب تم (اس طریقے سے) نماز ادا کر لو'

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ ''تو پھر ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہوئے' بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے۔''

چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' سواری پر' پیدل چلتے ہوئے ہر حالت میں اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے۔ یہ ذکرِ کثیر صرف نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حالت میں اس کا اہتمام رہنا چاہیے۔ جیسے سورۃ الجمعہ میں حکم دیا گیا ہے: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰﴾ ''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو' اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ''۔ چنانچہ نماز کے بعد بھی اور کاروبارِ زندگی کی مصروفیات کے دوران بھی ذکرِ کثیر جاری رکھو۔ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو' اس کے ذکر میں مشغول رہو۔ ادعیہ ماثورہ اور اورادِ مسنونہ کا اہتمام کرو' اپنی زبانوں' ذہنوں اور دلوں کو اُس کے ذکر سے تروتازہ رکھو۔

﴿فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو پھر نماز کو قائم کرو (تمام آداب و شرائط کے ساتھ)۔''

یعنی نماز کی یہ شکل (صلوٰۃ الخوف) صرف اضطراری حالت میں ہوگی' مگر جب خوف جاتا رہے اور حالتِ امن بحال ہو جائے تو نماز کو شریعت کے احکام اور آداب کے عین مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝۱۰۳﴾ ''یقیناً نماز اہلِ ایمان پر فرض کی گئی ہے وقت کی پابندی کے ساتھ۔''

یعنی نماز کی فرضیّت باقاعدہ اس کے اوقات کے ساتھ ہے۔ نماز کے اوقات کے ضمن میں ایک حدیث میں تفصیل مذکور ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو دن رسول اللہﷺ کو نماز پڑھائی۔ ایک دن پانچوں نمازیں اوّل وقت میں جبکہ دوسرے دن تمام نمازیں آخر وقت میں پڑھائیں اور بتایا کہ نمازوں کے اوقات ان حدود کے مابین ہیں۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ﴾ ''اور اس دشمن گروہ کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔''

حق و باطل کی جنگ اب فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔اس آخری مرحلے میں آ کر تھک نہ جانا اور دشمن کا پیچھا کرنے میں سست مت پڑ جانا' ہمت نہ ہار دینا۔

﴿اِنۡ تَکُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ یَاۡلَمُوۡنَ کَمَا تَاۡلَمُوۡنَ ۚ﴾ ''اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تمہاری طرح انہیں بھی تو تکلیف پہنچتی ہے۔''

یہ بڑا پیارا انداز ہے کہ اس کشمکش میں اگر تم لوگ نقصان اٹھا رہے ہو تو کیا ہوا؟ تمہارے دشمن بھی تو ویسے ہی نقصان سے دوچار ہو رہے ہیں' انہیں بھی تو تکالیف پہنچ رہی ہیں' وہ بھی تو زخم پر زخم کھا رہے ہیں' ان کے لوگ بھی تو مر رہے ہیں۔

﴿وَتَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرۡجُوۡنَ ؕ﴾ ''اور تم اللہ سے ایسی اُمیدیں رکھتے ہو جیسی امیدیں وہ نہیں رکھتے۔''
تمہیں تو جنت کی اُمید ہے' اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید ہے' جبکہ انہیں ایسی کوئی اُمید نہیں ہے۔لہٰذا اس اعتبار سے تمہیں تو ان سے کہیں بڑھ کر پُر جوش ہونا چاہیے۔سورۂ آل عمران کی آخری آیت میں بھی اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟﴾ ''اے ایمان والو' صبر سے کام لو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ اور مربوط رہو''۔تو آپ لوگوں کو تو صبر و استقامت میں ان سے بہت آگے ہونا چاہیے' کیونکہ تمہارا سہارا تو اللہ ہے: ﴿وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُکَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل:۱۲۷) ''آپ صبر کیجیے' اور آپ کا صبر تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے''۔تمہارے دشمنوں کے تو من گھڑت قسم کے خدا ہیں۔اُن کے دیوتاؤں اور دیویوں کی خود ان کے دلوں میں کوئی حقیقی قدر و قیمت نہیں ہے' پھر بھی وہ اپنے باطل معبودوں کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہے ہیں تو اے مسلمانو! تمہیں تو ان سے کئی گنا زیادہ قربانیوں کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔

﴿وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا (١٠٤)﴾ ''اور یقیناً اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔''
یہ چند آیتیں تو تھیں اہل ایمان سے خطاب میں۔اس کے بعد اگلے رکوع میں پھر منافقین کا ذکر آ رہا ہے۔

آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵

﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَکُنۡ
لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا (١٠٥) وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا (١٠٦) وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِیۡنَ
یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ خَوَّانًا اَثِیۡمًا (١٠٧) یَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا
یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ اِذۡ یُبَیِّتُوۡنَ مَا لَا یَرۡضٰی مِنَ الۡقَوۡلِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ
مُحِیۡطًا (١٠٨) هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۟ فَمَنۡ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ یَوۡمَ
الۡقِیٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ یَّکُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ وَکِیۡلًا (١٠٩) وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ
اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا (١١٠) وَمَنۡ یَّکۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا یَکۡسِبُهٗ عَلٰی نَفۡسِهٖ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا
حَکِیۡمًا (١١١) وَمَنۡ یَّکۡسِبۡ خَطِیۡٓـَٔةً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ یَرۡمِ بِهٖ بَرِیۡٓـًٔا فَقَدِ احۡتَمَلَ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا (١١٢)
وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡکَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ یُّضِلُّوۡکَ ؕ وَمَا یُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ
وَمَا یَضُرُّوۡنَکَ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ ؕ
وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا (١١٣) لَا خَیۡرَ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰىهُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ
مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۭ بَیۡنَ النَّاسِ ؕ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا
عَظِیۡمًا (١١٤) وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا (١١٥)﴾

آیت ۱۰۵ ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''(اے نبیؐ) یقیناً ہم نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے حق کے ساتھ تاکہ آپؐ لوگوں کے مابین فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے''

یعنی ایک تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو کتاب دی ہے' قانون دیا ہے' اس کے ساتھ آپؐ کو بصیرتِ خاص دی ہے۔مثلاً عدالت میں ایک جج بیٹھا ہے' اس کے سامنے قانون کی کتاب ہے' مقدمے سے متعلق متعلقہ ریکارڈ ہے' شہادتیں ہیں' اب ایک اس کی اپنی عقل (چھٹی حس) اور قوتِ فیصلہ بھی ہوتی ہے' جس کو بروئے کار لا کر وہ فیصلہ کرتا ہے۔یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسا ہم آپؐ کو دکھاتے ہیں اس کے مطابق آپؐ فیصلہ کریں۔

﴿وَلَا تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا (١٠٥)﴾ ''اور آپؐ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔''
یعنی آپؐ ان کی طرف سے وکالت نہ فرمائیں۔ایک شخص جو کہنے کو تو مسلمان ہے لیکن ہے خائن' آپؐ کو اس کی طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔اس کے پس منظر میں دراصل ایک واقعہ ہے۔ایک منافق نے کسی مسلمان کے گھر میں چوری کے لیے نقب لگائی اور وہاں سے آٹے کا ایک تھیلا اور کچھ اسلحہ چُرا لیا۔آٹے کے تھیلے میں سوراخ تھا' جب وہاں سے وہ اپنے گھر کی طرف چلا تو سوراخ میں سے آٹا تھوڑا تھوڑا گرتا گیا۔اس طرح اس کے راستے اور گھر کی نشاندہی ہوتی گئی' مگر اسے خبر نہیں تھی کہ آٹے کی لکیر اس کا راز فاش کر رہی ہے۔گھر پہنچ کر اسے خیال آیا کہ ممکن ہے مجھ پر شک ہو جائے' چنانچہ اُس نے اسی وقت جا کر وہ سامان ایک یہودی کے ہاں امانتاً رکھوا دیا' لیکن آٹے کا نشان وہاں بھی پہنچ گیا۔اگلے روز جب تلاش شروع ہوئی تو آٹے کی لکیر کے ذریعے لوگ کھوج لگاتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچ گئے' لیکن پوچھ گچھ پر اس نے صاف انکار کر دیا۔تلاشی

لی گئی‘ مگر کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ آٹے کے نشانات مزید آگے جا رہے ہیں تو وہ کھوج لگاتے ہوئے یہودی کے گھر پہنچے‘ اس کے ہاں سے سامان بھی برآمد ہوگیا۔ یہودی نے حقیقت بیان کر دی کہ یہ سامان رات کو فلاں شخص نے اُس کے پاس امانتاً رکھوایا تھا۔ منافق کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ یہودی جھوٹ بولتا ہے‘ وہی چور ہے۔ جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو یہ جھگڑا حضورﷺ کے سامنے لایا گیا۔ منافق کے قبیلے والوں نے قسمیں کھا کھا کر خوب وکالت کی کہ ہمارا یہ آدمی تو بہت نیک ہے‘ اس پر خواہ مخواہ کا جھوٹا الزام لگ رہا ہے۔ یہاں تک کہ حضورﷺ کا دل بھی اس شخص کے بارے میں کچھ پسیجنے لگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ خیانت کرنے والے کے حمایتی نہ بنیں‘ اس کی طرف سے وکالت نہ کریں‘ اس کا سہارا نہ بنیں‘ اس کو مدد نہ پہنچائیں۔ یہاں خَصِیْمًا کے معنی ہیں جھگڑا کرنے والا‘ بحث کرنے والا۔ لِلْخَآئِنِیْنَ کا مطلب ہے ”خائن لوگوں کے حق میں“۔ لیکن اگر عَلَی الْخَائِنِیْنَ ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا ”خائن لوگوں کے خلاف“۔

آیت ۱۰۶ ﴿وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۶﴾﴾ ”اور اللہ سے استغفار کریں‘ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔“

یعنی اس منافق کے حق میں آپؐ کی طبیعت میں جو نرمی پیدا ہوگئی تھی اُس پر اللہ سے استغفار کیجیے‘ مغفرت طلب کیجیے۔

آیت ۱۰۷ ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ؕ﴾ ”اور آپؐ مت جھگڑیے اُن لوگوں کی طرف سے جو اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔“

اس حکم کے حوالے سے ذرا مسئلہ شفاعت پر بھی غور کریں۔ ہم یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ حضورﷺ ہماری طرف سے شفاعت کریں گے‘ چاہے ہم نے بے ایمانیاں کی ہیں‘ حرام خوریاں کی ہیں‘ شریعت کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ لیکن یہاں آپؐ کو دوٹوک انداز میں خائن لوگوں کی وکالت سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ﴿۱۰۷﴾﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہیں خیانت میں بہت بڑھے ہوئے اور گنہگار لوگ۔“

آیت ۱۰۸ ﴿یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ﴾ ”یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے“

یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔

﴿وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ؕ﴾ ”اور وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو چھپ کر اُس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔“

یہ منافقین کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب وہ مسلمانوں اور رسول اللہﷺ کے خلاف چوری چھپے سازشیں کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ اگر اللہ پر ان کا ایمان ہوتا تو انہیں معلوم ہو کہ اللہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ یہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں‘ ان سے اپنی باتوں کو خفیہ رکھتے ہیں‘ مگر ان بدبختوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہمارے پاس موجود ہے‘ اس سے تو کچھ نہیں چھپ سکتا۔

﴿وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ﴿۱۰۸﴾﴾ ”اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“ یعنی اس کی پکڑ سے یہ کہیں باہر نہیں نکل سکتے۔

آیت ۱۰۹ ﴿ھٰۤاَنْتُمْ ھٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۣ﴾ ”یہ تم لوگ ہو جنہوں نے دنیا کی زندگی میں ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا۔“

﴿فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ ”مگر قیامت کے دن اللہ سے ان کے بارے میں کون جھگڑا کرے گا؟“

﴿اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ﴿۱۰۹﴾﴾ ”یا کون ہوگا جو (وہاں) ان کا وکیل بن سکے گا؟“

یہ خطاب ہے اُس منافق چور کے قبیلے کے لوگوں سے کہ اے لوگو! تم نے دنیا کی زندگی میں تو مجرموں کی طرف سے خوب وکالت کر لی‘ یہاں تک کہ حضورﷺ کو بھی قائل کرنے کی حد تک تم پہنچ گئے۔ مگر یہاں تم انہیں چھڑا بھی لیتے اور بالفرض حضورﷺ کو بھی قائل کر لیتے تو قیامت کے دن انہیں اللہ کی پکڑ سے کون چھڑاتا؟ اس ضمن میں حضورﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم اس طرح ہے کہ میرے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے‘ اس میں ایک فریق زیادہ چرب زبان ہوتا ہے‘ وہ اپنی بات بہتر طور پر پیش کرتا ہے اور میرے ہاں سے اپنے حق میں غلط طور پر فیصلہ لے جاتا ہے۔ (فرض کیجیے کسی زمین کے ٹکڑے کے بارے میں کوئی تنازعہ تھا اور ایک شخص غلط طور پر بات ثابت کر کے اپنے حق میں فیصلہ لے گیا۔) لیکن اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح وہ زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ جہنم کا ٹکڑا لے کر گیا ہے۔ یعنی خود رسول اللہﷺ جو بھی فیصلے کرتے تھے شہادتوں کے اعتبار سے کرتے تھے‘ حضورﷺ کے لیے اللہ کی طرف سے ہر وقت اور ہر مرحلے پر تو وحی نازل نہیں ہوتی تھی‘ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا آپؐ کو متنبہ فرما دیتا تھا۔ اس لیے آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرما دی کہ اگر کچھ لوگ اس دنیا میں جھوٹ‘ فریب اور غلط فیصلے کے ذریعے کوئی مفاد حاصل کر بھی لیتے ہیں تو انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک دن اُس کی عدالت میں بھی پیش ہونا ہے جہاں جھوٹ اور غلط بیانی سے کام نہیں چلے گا‘ وہاں ان کے حق میں اللہ سے کون جھگڑے گا؟

آیت ۱۱۰ ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾﴾ ”اور جو کوئی بُری حرکت کرے یا اپنی جان پر کوئی ظلم کر بیٹھے اور پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو پائے گا بخشنے والا‘ بہت رحم کرنے والا۔“

اس سلسلے میں سیدھی روش یہی ہے کہ غلطی یا خطا ہوگئی ہے تو اس کا اعتراف کر لو‘ اس جرم کی جو دُنیوی سزا ہے وہ بھگت لو اور اللہ سے استغفار کرو۔ اس طرح آخرت کی سزا سے چھٹکارا مل جائے گا۔

آیت ۱۱۱ ﴿وَمَنۡ یَّکۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا یَکۡسِبُہٗ عَلٰی نَفۡسِہٖ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۱۱﴾﴾ ''جو کوئی بھی گناہ کماتا ہے تو وہ اس کا وبال اپنی ہی جان پر لیتا ہے۔ اور اللہ علیم اور حکیم ہے۔''

آیت ۱۱۲ ﴿وَمَنۡ یَّکۡسِبۡ خَطِیۡٓـَٔۃً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ یَرۡمِ بِہٖ بَرِیۡٓـًٔا﴾ ''اور جو کوئی کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرتا ہے' پھر اس کا الزام کسی بے گناہ پر لگا دیتا ہے'

﴿فَقَدِ احۡتَمَلَ بُہۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۲﴾﴾ ''تو اس نے اپنے سر ایک بہت بڑا بہتان اور بہت صریح گناہ کا بوجھ لے لیا۔''

کسی نے کوئی گناہ کمایا' کوئی خطا کی' کوئی غلطی کی' کوئی جرم کیا' پھر اس کی تہمت کسی بے قصور شخص پر لگا دی تو بہت بڑے بہتان اور کھلم کھلا گناہ کا بار سمیٹ لیا۔ مذکورہ معاملے میں یہودی تو بے قصور تھا' جو لوگ اس کو سزا دلوانے کے لیے تُل گئے تو ان کا یہ فعل یَرۡمِ بِہٖ بَرِیۡٓـًٔا کے زُمرے میں آ گیا۔ کسی بے گناہ پر اس طرح کا بہتان لگانا اللہ کے نزدیک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔

اس کے بعد اب اُس یہودی اور منافق کے مقدمے کے کچھ مزید پہلوؤں کے بارے میں حضورﷺ سے خطاب ہو رہا ہے۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ وَرَحۡمَتُہٗ لَہَمَّتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ اَنۡ یُّضِلُّوۡکَ ؕ﴾ ''اور (اے نبیؐ) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپؐ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو اُن (منافقین) کا ایک گروہ تو اس پر تل گیا تھا کہ آپ کو گمراہ کر دے۔''

وہ لوگ تو اس پر کمر بستہ تھے کہ آپؐ کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے آپؐ سے غلط فیصلہ کروائیں' عدالتِ محمدیﷺ سے ظلم پر مبنی فیصلہ صادر ہو جائے' گناہ گار چھوٹ جائے اور جو اصل مجرم نہیں تھا' بالکل بے گناہ تھا' اس کو پکڑ لیا جائے۔

﴿وَمَا یُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَمَا یَضُرُّوۡنَکَ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ﴾ ''اور حقیقت میں وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور (اے نبیؐ) وہ آپؐ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

ہم ایسے مواقع پر بروقت آپﷺ کو مطلع کرتے رہیں گے۔

﴿وَاَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ ؕ﴾ ''اور اللہ نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے اور حکمت بھی' اور آپؐ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپؐ نہیں جانتے تھے۔''

﴿وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ کا فضل ہے آپؐ پر بہت بڑا۔''

آیت ۱۱۴ ﴿لَا خَیۡرَ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰىہُمۡ﴾ ''ان (منافقین) کی سرگوشیوں میں سے اکثر میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی''

منافقین کی منفی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ علیحدہ بیٹھ کر سرگوشیاں کرنا' دوسروں کو دیکھ کر مسکرانا اور ساتھ اشارے بھی کرنا تاکہ دیکھنے والے کے دل میں خلجان پیدا ہو کہ میرے بارے میں بات ہو رہی ہے' آج بھی ہماری مجلسوں میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ سارے معاملات جوں کے توں انسانی معاشرے کے اندر ویسے ہی آج بھی موجود ہیں۔ مگر اللہ کا فرمان ہے کہ اس انداز کی خفیہ سرگوشیوں کا زیادہ حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔

﴿اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۭ بَیۡنَ النَّاسِ ؕ﴾ ''اِلّا یہ کہ کوئی تلقین کرے صدقہ وخیرات کی' یا نیکی کی یا لوگوں کے معاملات کو درست کرنے کی۔''

خیر والی سرگوشی یہ ہو سکتی ہے کہ خاموشی سے کسی کو علیحدگی میں لے جا کر اس کو صدقہ وخیرات کی تلقین کی جائے کہ بھائی دیکھو آپ کو اللہ نے غنی کیا ہے' فلاں شخص محتاج ہے' میں اس کو جانتا ہوں' آپ کو اس کی مدد کرنی چاہیے' وغیرہ۔ پھر معروف اور بھلائی کے امور میں خفیہ صلاح مشورے اگر کیے جائیں تو اس میں بھی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی غلط فہمی یا جھگڑے کی صورت میں فریقین میں صلح صفائی کرانے کی غرض سے بھی خفیہ مذاکرات کسی سازش کے زمرے میں نہیں آتے۔ مثلاً دو بھائی جھگڑ پڑے ہیں' اب آپ ایک کی بات علیحدگی میں سنیں اور دوسرے کے پاس جا کر اس بات کو بہتر انداز میں پیش کریں کہ آپ کو مغالطہ ہوا ہے' انہوں نے یہ بات یوں نہیں' یوں کہی تھی۔ اس طرح کی علیحدہ علیحدہ گفتگو جو نیک نیتی سے کی جا رہی ہو' یہ یقیناً نیکی اور بھلائی کی بات ہے' جو باعث اجر وثواب ہے۔

﴿وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور جو شخص اس طرح (کی سرگوشی) کرے گا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تو عنقریب ہم اسے دیں گے بہت بڑا اجر۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی﴾ ''اور جو رسولؐ کی مخالفت پر تل گیا' اس کے بعد کہ اُس پر ہدایت واضح ہو چکی''

یعنی جو کوئی خفیہ سازشوں اور چوری چھپے کی لگائی بجھائی کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے رسولﷺ کے خلاف بھڑکاتا ہے کہ دیکھو جی یہ اپنے لوگوں کو نواز رہے ہیں۔ جیسا کہ غزوۂ حنین میں ہوا تھا کہ آپﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان مسلمانوں کو جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے' مالِ غنیمت میں سے ان کی دلجوئی کے لیے (جسے قرآن میں تالیفِ قلوب کہا گیا ہے) ذرا زیادہ مال دے دیا تو اس پر بعض لوگوں نے شور مچا دیا کہ دیکھ لیا' جب کڑا وقت تھا' مشکل وقت تھا تو اسے ہم جھیلتے رہے' اب یہ اچھا وقت آیا ہے تو اپنے رشتہ دار یاد آ گئے ہیں۔ ظاہر ہے مکہ والے حضورﷺ کے رشتہ دار تھے' قریش کا قبیلہ حضورﷺ کا اپنا قبیلہ تھا۔ تو طرح طرح کی باتیں جو آج کے دور میں بھی ہوتی ہیں ویسی ہی باتیں ہمیشہ ہوتی رہی ہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے جو ہمیشہ ایک سی رہی ہے' اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا۔

﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ’’اور وہ اہل ایمان کے راستے کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے‘‘

﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ﴾ ’’تو ہم بھی اس کو اُسی طرف پھیر دیتے ہیں جس طرف اُس نے خود رُخ اختیار کر لیا ہو اور ہم اسے پہنچائیں گے جہنم میں۔‘‘

﴿وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾﴾ ’’اور وہ بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی۔‘‘

یہ آیت اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اجماعِ اُمت کی سند اس آیت میں ہے۔ یہ بات تو بہت واضح ہے کہ اسلامی قوانین کے لیے بنیادی ماخذ قرآن ہے‘ پھر حدیث وسنت ہے۔ اسی طرح اجتہاد کا معاملہ بھی سمجھ میں آتا ہے‘ مگر اجماع کس چیز کا نام ہے؟ اس کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اجماع کی دلیل قرآن سے تلاش کرنے کی کوشش کی اور قرآن کو شروع سے آخر تک تین سو مرتبہ پڑھا مگر مجھے اجماع کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ پھر بالآخر تین سو ایک مرتبہ پڑھنے پر میری نظر جا کر اس آیت پر جم گئی: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔ گویا اہل ایمان کا جو راستہ ہے‘ جس پر اجماع ہو گیا ہو اہل ایمان کا‘ وہ خود اپنی جگہ بہت بڑی سند ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی ضَلَالَۃٍ))(1) ’’میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔‘‘

آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ
ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿١١٨﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُھُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُھُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾ اُولٰۗىِٕكَ
مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾
لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ
وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾﴾

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾ ’’اللہ ہرگز نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے‘ اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لیے چاہے گا۔‘‘

گویا یہ بھی کوئی فری لائسنس نہیں ہے۔ یاد رہے کہ یہ آیت اس سورۂ مبارکہ میں دوسری بار آ رہی ہے۔

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾﴾ ’’اور جو شرک کرتا ہے اللہ کے ساتھ وہ تو پھر گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بھی بہت دور نکل گیا۔‘‘

آیت ۱۱۷ ﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿١١٧﴾﴾ ’’نہیں پکارتے یہ لوگ اللہ کے سوا مگر دیویوں کو‘ اور وہ نہیں پکارتے کسی کو سوائے سرکش شیطان کے۔‘‘

یہاں پہلی مرتبہ مشرکین مکہ کی بات بھی ہو رہی ہے۔ مشرکین مکہ نے اپنی دیویوں کے مؤنث نام رکھے ہوئے تھے‘ جیسے لات‘ منات‘ عزیٰ وغیرہ۔ لیکن اصل میں نہ لات کا کوئی وجود ہے اور نہ ہی منات کی کچھ حقیقت ہے۔ البتہ شیطان ضرور موجود ہے جو ان کی پکار سن رہا ہے۔

آیت ۱۱۸ ﴿لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ﴾ ’’اللہ نے اُس پر لعنت فرما دی ہے۔‘‘

﴿وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿١١٨﴾﴾ ’’اور اُس نے کہا (اے اللہ) میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ تو لے کر ہی چھوڑوں گا۔‘‘

ان لوگوں کو میں اپنے ساتھ جہنم میں پہنچا کر رہوں گا۔ گویا: ع

’’ہم تو ڈوبے ہیں صنم‘ تم کو بھی لے ڈوبیں گے!‘‘

آیت ۱۱۹ ﴿وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ﴾ ’’اور میں لازماً ان کو بہکاؤں گا اور ان کو بڑی بڑی امیدیں دلاؤں گا‘‘

ان کے دلوں میں بڑی بڑی امیدوں کے چراغ روشن کروں گا کہ یہ بہت تابناک کیریئر ہے‘ لگے رہو اسی کام میں‘ اس میں بڑا فائدہ ہے‘ ناجائز ہے تو خیر ہے‘ اللہ بخش ہی دے گا۔ ہم تو اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے اُمتی ہیں‘ ہمیں خوف کس بات کا ہے؟ جس طرح یہودیوں کو یہ زعم ہو گیا تھا کہ ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں‘ ہم اس کے بڑے چہیتے ہیں‘ وغیرہ۔ ان کو میں اس طرح کی لمبی لمبی امیدوں اور لمبے لمبے منصوبوں میں اُلجھا دوں گا۔ اسی کو ’طولِ اَمل‘ کہتے ہیں۔

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ﴾ ’’اور میں انہیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ چوپایوں کے کان چیر دیں گے‘‘

اس کی تفصیل سورۃ الانعام میں آئے گی کہ فلاں بُت یا فلاں دیوی کے نام پر کسی جانور کے کان چیر کر اسے آزاد کر دیا گیا

ہے‘ اب اس کو کوئی چھیڑ نہیں سکتا‘ اس کا گوشت نہیں کھایا جا سکتا‘ اس پر سواری نہیں ہو سکتی۔

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’اور میں انہیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کریں گے۔‘‘

جیسے آج جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مَردوں میں عورتوں کے سے انداز اپنائے جا رہے ہیں اور عورتوں میں مردوں کے سے طور طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں۔ لیکن سائنس کے میدان میں‘ خاص طور پر Genetics میں جو کچھ آج ہو رہا ہے وہ تو بہت ہی نازک صورتِ حال ہے۔ سائنسی ترقی کے سبب انسان آج اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ وہ اپنا اختیار استعمال کر کے جینیاتی تبدیلیوں کے ذریعے سے اللہ کی تخلیق میں تغیر و تبدّل کر رہا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾﴾ ’’اور جس کسی نے بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لیا تو وہ بہت کھلے خسارے (اور تباہی) میں پڑ گیا۔‘‘

آیت ۱۲۰ ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾﴾ ’’وہ (شیطان) ان سے وعدے بھی کرتا ہے اور انہیں اُمیدیں بھی دلاتا ہے‘ اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر دھوکے کا۔‘‘

شیطان ان کو وعدوں کے بہلاوے دیتا ہے اور آرزوؤں میں پھنساتا ہے‘ سبز باغ دکھاتا ہے‘ مگر شیطان کے دعوے سراسر فریب ہیں۔

آیت ۱۲۱ ﴿اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہاں سے وہ فرار کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔‘‘

وہاں سے بھاگنے کا انہیں کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ دوسری طرف اہل ایمان کی شان کیا ہوگی‘ اگلی آیت میں اس کی تفصیل ہے۔ دو گروہوں یا دو پہلوؤں کے درمیان فوری تقابل (simultaneous contrast) کا یہ انداز قرآن میں ہمیں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

آیت ۱۲۲ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ’’اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں انہیں ہم عنقریب داخل کریں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی‘‘

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ﴾ ’’ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔‘‘

﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾﴾ ’’اللہ کا یہ وعدہ سچا ہے‘ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا ہو سکتا ہے؟‘‘

آیت ۱۲۳ ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ﴾ ’’(اے مسلمانو!) نہ تمہاری خواہشات پر (موقوف ہے) اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر۔‘‘

تنبیہ آ گئی کہ تمہارے اندر بھی بلا جواز اور بے بنیاد خواہشات پیدا ہو جائیں گی۔ یہود و نصاریٰ کی طرح تم لوگ بھی بڑی دل خوش کن آرزوؤں (wishful thinkings) کے عادی ہو جاؤ گے‘ شفاعت کی امید پر تم بھی حرام خوریاں کرو گے‘ اللہ کی نافرمانیاں جیسی کچھ انہوں نے کی تھیں تم بھی کرو گے۔ لیکن جان لو کہ اللہ کا قانون اٹل ہے‘ بدلے گا نہیں۔ تمہاری خواہشات سے‘ تمہاری آرزوؤں سے اور تمہاری تمناؤں سے کچھ نہیں ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے اہلِ کتاب کی خواہشات سے کچھ نہیں ہوا۔ بلکہ:

﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ﴾ ’’جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا اس کو مل کر رہے گی‘‘

اگرچہ اللہ کے ہاں اس قانون میں نرمی کا ایک پہلو موجود ہے‘ لیکن اپنی جگہ یہ بہت سخت الفاظ ہیں۔ بعض اوقات بدی کی جگہ پر نیکی اُس کے منفی اثرات کو دھو دیتی ہے‘ لیکن اس آیت کی رو سے برائی کا حساب تو ہو کر رہنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان سے جس بدی کا ارتکاب ہوتا ہے وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے‘ اس کا احتساب ہو کر رہے گا۔ اگر کسی کی نیکی نے اس کی بدی کو چھپا بھی لیا‘ کسی نے غلطی کی اور پھر صدقِ دل سے توبہ کر لی تو اس کے سبب اس کی بدی کے اثرات جاتے رہے‘ لیکن معاملہ account for ضرور ہوگا۔ توبہ کو دیکھا جائے گا‘ کہ آیا توبہ واقعتاً سچی تھی؟ توبہ کرنے والا اپنے کیے پر نادم ہوا تھا؟ واقعی اس نے عادتِ بد کو چھوڑ دیا تھا؟ یا صرف زبان سے ’’اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ‘‘ کی گردان ہو رہی تھی اور ساتھ نافرمانی اور حرام خوری بھی جوں کی توں چل رہی تھی۔ تو احتساب کے کٹہرے میں ہر شخص اور ہر معاملے کو لایا جائے گا اور کھرا کھوٹا دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ پھر جو مجرم پایا گیا‘ اسے اس کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔

﴿وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٢٣﴾﴾ ’’اور وہ نہیں پائے گا اپنے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔‘‘

آیت ۱۲۴ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ’’اور جو کوئی نیک عمل کرے گا‘ خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور ہو وہ صاحبِ ایمان‘‘

﴿فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾﴾ ’’تو یہ وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی تل کے برابر بھی کوئی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔‘‘

آیت ۱۲۵ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ’’اور اُس سے بہتر دین کس کا ہوگا جس نے اپنا چہرہ (سر) اللہ کے سامنے جھکا دیا‘ اور (اس کے بعد) احسان (کے درجے) تک پہنچ گیا‘‘

اللہ کی بندگی میں خوبصورتی لا کر‘ خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ‘ پورے دین کا اتباع کر کے‘ تفریق بین الدّین سے بچ کر اور total submission کے ذریعے سے اُس نے احسان کے درجے تک رسائی حاصل کر لی۔

﴿وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ﴾ ''اور اُس نے پیروی کی دین ابراہیمؑ کی یکسو ہو کر (یا پیروی کی اُس ابراہیمؑ کے دین کی' جو یکسو تھا)۔''

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾﴾ ''اور اللہ نے تو ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔''

آیت ۱۲۶ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

آیات ۱۲۷ تا ۱۳۴

﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى
النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ
وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ
مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ
وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ
تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ
تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا
﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ
يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾﴾

اب جو آیات آ رہی ہیں ان میں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے لیکن ان کی حیثیت ''استدراک'' کی ہے اور ان کا تعلق اس سورۃ کی ابتدائی آیات کے ساتھ ہے۔ سورۃ النساء کے آغاز میں خواتین کے مسائل کے بارے میں کچھ احکام نازل ہوئے تھے' جن میں یتیم بچیوں سے نکاح کے بارے میں بھی معاملات زیر بحث آئے تھے اور کچھ طلاق وغیرہ کے مسائل تھے۔ اس میں کچھ نکات لوگوں کے لیے وضاحت طلب تھے' لہٰذا ایسے نکات کے بارے میں مسلمانوں کی طرف سے کچھ سوالات کیے گئے اور حضورﷺ سے کچھ وضاحتیں طلب کی گئیں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحتیں نازل کی ہیں اور اس سوال کا حوالہ دے کر بات شروع کی گئی ہے جس کا جواب دیا جانا مقصود ہے۔

آیت ۱۲۷ ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ﴾ ''(اے نبیؐ) یہ لوگ آپؐ سے عورتوں کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔''

﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے (وضاحت کرتا ہے) ان کے بارے میں''

﴿وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ﴾ ''اور جو تمہیں (پہلے سے) سنایا جا رہا ہے کتاب میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں''

یہ اسی سورۃ کی آیت ۳ کی طرف اشارہ ہے۔ آیت زیر نظر کے ساتھ مل کر اُس آیت کی تشریح بھی بالکل واضح ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ وہاں جو فرمایا گیا تھا ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ تو اس سے اصل مراد 'یَتٰمَی النِّسَآءِ'' تھا۔ یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے شادی کرو گے تو ان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے (اس لیے کہ ان کی طرف سے کوئی نہیں جو ان کے حقوق کا پاسدار ہو اور تم سے باز پرس کر سکے) تو پھر ان سے شادی مت کرو' بلکہ دوسری عورتوں سے شادی کر لو۔ اگر ایک سے زائد نکاح کرنا چاہتے ہو تو اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے' دو دو' تین تین یا چار چار سے کر لو ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ﴾۔ مگر ایسی بے سہارا یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کرو' کیونکہ:

﴿الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ ''جن کو تم دیتے نہیں ہو جو اللہ نے اُن کے لیے لکھ دیا ہے اور چاہتے ہو کہ اِن سے نکاح بھی کر و''

یتیم سمجھ کر مہر ادا کیے بغیر ان سے نکاح کرنے کے خواہش مند رہتے ہو۔

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ﴾ ''اور (اسی طرح) وہ بچے جو کمزور ہیں (جن پر ظلم ہوتا ہے)''

﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ﴾ ''اور یہ (ہم نے تمہیں اتنے تفصیلی احکام دیے ہیں) کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف پر کاربند رہو۔''

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾﴾ ''اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے واقف ہے۔''

وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ اُس نے شریعت کے احکام نازل کر دیے ہیں' بنیادی ہدایات تمہیں دے دی گئی ہیں۔ اب اضافی چیز تو بس یہی ہے کہ تمہاری نیّت صاف ہونی چاہیے۔ کیونکہ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۰) اللہ جانتا ہے کہ کون حقیقت میں شرارتی ہے اور کس کی نیت صحیح ہے۔

آیت ۱۲۸ ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا﴾ ''اور اگر کسی عورت کو اندیشہ ہو اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رُخی کا''

ایک ''نشوز'' تو وہ تھا جس کا تذکرہ اسی سورۃ کی آیت ۳۴ میں عورت کے لیے ہوا تھا: ﴿وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو''۔ یعنی وہ عورتیں' وہ بیویاں جو خاوندوں سے سرکشی کرتی ہیں' ان کے احکام نہیں مانتیں' ان کی اطاعت نہیں کرتیں' اپنی ضد پر اَڑی رہتی ہیں' ان کے بارے میں حکم تھا کہ اُن کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے۔ اب یہاں ذکر ہے اُس ''نشوز'' کا جس کا اظہار خاوند کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر ظلم کر رہا ہو' اس کے حقوق ادا کرنے میں پہلو تہی کر رہا ہو' اپنی ''قوامیت'' کے حق کو غلط طریقے سے استعمال کر رہا ہو' بے جا رُعب ڈالتا ہو' دھونس دیتا ہو' یا بلاوجہ ستاتا ہو' تنگ کرتا ہو' اور تنگ کر کے مہر معاف کروانا چاہتا ہو' یا اگر بیوی کے والدین اچھے کھاتے پیتے ہوں تو ہو سکتا ہے اسے بلیک میل کر کے اس کے والدین سے دولت ہتھیانا چاہتا ہو۔ یہ ساری خباثتیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور عورتیں بیچاری ظلم وستم کی اس چکی میں پستی رہتی ہیں۔ آیت زیر نظر میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے اندیشہ ہو جائے کہ وہ زیادتی کرے گا' یا اگر شوہر زیادتی کر رہا ہو اور وہ بیوی کے حقوق ادا نہ کر رہا ہو' یا اس کی طرف میلان ہی نہ رکھتا ہو' کوئی نئی شادی رچا لی ہو اور اب ساری توجہ نئی دلہن کی طرف ہو۔

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ﴾ ''تو ان دونوں پر کوئی الزام نہیں ہوگا کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔''

یہاں صلح سے مراد یہ ہے کہ سارے معاملات باہم طے کر کے عورت خلع لے لے۔ لیکن خلع لینے میں' جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں جبکہ عورت کو مہر چھوڑنا پڑے گا' اور اگر لیا تھا تو کچھ واپس کرنا پڑے گا۔

﴿وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ﴾ ''اور صلح بہر حال بہتر ہے۔ البتہ انسانی نفس پر لالچ مسلط رہتا ہے۔''

مرد چاہے گا کہ میرا پورا مہر واپس کیا جائے جبکہ عورت چاہے گی کہ مجھے کچھ بھی واپس نہ کرنا پڑے۔ یہ مضامین سورۃ البقرۃ میں بیان ہو چکے ہیں۔

﴿وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾﴾ ''اور اگر تم احسان کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو جان لو کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔''

تم مرد ہو' مردانگی کا ثبوت دو' اس معاملے میں اپنے اندر نرمی پیدا کرو' بیوی کا حق فراخ دلی سے ادا کرو۔

آیت ۱۲۹ ﴿وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ﴾ ''اور تمہارے لیے ممکن ہی نہیں کہ تم عورتوں کے درمیان پورا پورا انصاف کر سکو' چاہے تم اس کے لیے کتنے ہی حریص ہو''

سورۃ کے آغاز (آیت ۳) میں فرمایا گیا تھا: ﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً﴾ یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم اپنی بیویوں میں (اگر ایک سے زائد ہیں) عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک پر ہی اکتفا کرو' دوسری شادی مت کرو۔ اگر تمہیں کلی طور پر اطمینان ہے' اپنے اوپر اعتماد ہے کہ تم عدل کر سکتے ہو تب دوسری شادی کرو' ورنہ نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو گنتی اور ناپ تول کی ہوتی ہیں' ان میں تو عدل کرنا ممکن ہے' لیکن جو قلبی میلان ہے یہ تو انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی تمام ازواج کے لیے ہر چیز گن گن کر طے کی ہوئی تھی۔ شب بسری کے لیے سب کی باریاں مقرر تھیں۔ دن میں بھی آپؐ ہر گھر میں چکر لگاتے تھے۔ عصر اور مغرب کے درمیان تھوڑی تھوڑی دیر ہر زوجہ محترمہ کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اگر کہیں زیادہ دیر ہو جاتی تو گویا کھلبلی مچ جاتی تھی کہ آج وہاں زیادہ دیر کیوں ٹھہر گئے؟ یہ چیزیں انسانی معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات ؓ کا آپس کا معاملہ بہت اچھا تھا' لیکن سوکناپے کے اثرات کچھ نہ کچھ تو ہوتے ہیں' یہ عورت کی فطرت ہے' جو اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو اس لیے فرمایا کہ مکمل انصاف کرنا تمہارے بس میں نہیں۔ اس سے مراد دراصل قلبی میلان ہے۔ ایک حدیث میں بھی اس کی وضاحت ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں نے ظاہری چیزوں میں پورا پورا عدل کیا ہے' باقی جہاں تک میرے دل کے میلان کا تعلق ہے تو مجھے امید ہے کہ اس بارے میں تُو مجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ تم چاہو بھی تو عدل نہیں کر سکتے۔

﴿فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ﴾ ''تو ایسا نہ ہو کہ تم ایک ہی کی طرف پورے کے پورے جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو معلّق کر کے چھوڑ دو۔''

دوسری بیوی اس طرح معلّق ہو کر نہ رہ جائے کہ اب وہ نہ شوہر والی ہے اور نہ آزاد ہے۔ اس سے خاوند کا گویا کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔

﴿وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾﴾ ''اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بھی غفور اور رحیم ہے۔''

اب اگلی آیت میں طلاق کے معاملے میں ایک اہم نکتہ بیان ہو رہا ہے۔ طلاق یقیناً ایک نہایت سنجیدہ مسئلہ ہے' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَبۡغَضُ الۡحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی الطَّلَاقُ)) (1) ''حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے''۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس کو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ لڑائیاں ہو رہی ہیں' مقدمات چل رہے ہیں' مزاجوں میں موافقت نہیں ہے' ایک دوسرے کو کوس رہے ہیں' دن رات کا جھگڑا ہے' لیکن طلاق نہیں دینی۔ یہ طرزِ عمل نہایت احمقانہ ہے اور شریعت کی منشاء کے بالکل خلاف بھی۔ اس آیت میں آپ دیکھیں گے کہ ایک طرح سے طلاق کی ترغیب دی گئی ہے۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ﴾ ''اور اگر وہ (میاں بیوی) دونوں علیحدہ ہو جائیں گے تو اللہ ان کو اپنی کشادگی سے غنی کر دے گا۔''

ہو سکتا ہے کہ اس عورت کو بھی کوئی بہتر رشتہ مل جائے جو اس کے ساتھ مزاجی موافقت رکھنے والا ہو اور اس شوہر کو بھی اللہ

تعالیٰ کوئی بہتر بیوی دے دے۔ میاں بیوی کا ہر وقت لڑتے رہنا' دنگا فساد کرنا اور عدمِ موافقت کے باوجود طلاق کا اختیار (option) استعمال نہ کرنا' یہ سوچ ہمارے ہاں ہندو معاشرت اور عیسائیت کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ہندومت کی طرح عیسائیت میں بھی طلاق حرام ہے۔ دراصل انجیل میں تو شریعت اور قانون ہے ہی نہیں' صرف اخلاقی تعلیمات ہیں۔ چنانچہ جس طرح نبی اکرمﷺ نے فرمایا: ((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ)) ایسی ہی کوئی بات حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی فرمائی تھی کہ کوئی شخص بلاوجہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے کہ معاشرے میں اس کے منفی اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہے۔ طلاق شدہ عورت کی دوسری شادی نہ ہونے کی صورت میں اس کے آوارہ ہو جانے کا امکان ہے اور اگر ایسا ہوا تو اس کا وبال اسے بلاوجہ طلاق دینے والے کے سر جائے گا۔ لیکن یہ محض اخلاقی تعلیم تھی' کوئی قانونی شق نہیں تھی۔ عیسائیت کا قانون تو وہی ہے جو تورات کے اندر ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام فرما گئے ہیں کہ یہ نہ سمجھو کہ میں قانون کو ختم کرنے آیا ہوں' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تم پر بدستور نافذ رہے گی۔ قانون بہرحال قانون ہے' اخلاقی ہدایات کو قانون کا درجہ تو نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن عیسائیت میں اس طرح کی اخلاقی تعلیمات کو قانون بنا دیا گیا' جس کی وجہ سے بلاجواز پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ ان کے ہاں کوئی شخص اپنی بیوی کو اُس وقت تک طلاق نہیں دے سکتا جب تک اس پر بدکاری کا جرم ثابت نہ کرے۔ لہٰذا وہ طلاق دینے کے لیے طرح طرح کے طریقے استعمال کر کے بیوی کو پہلے بدکردار بناتے ہیں' پھر اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں' تب جا کر اس سے جان چھڑاتے ہیں۔ تو شریعت کے درست اور آسان راستے اگر چھوڑ دیے جائیں تو پھر اسی طرح غلط اور مشکل راستے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں عدمِ موافقت کی صورت میں طلاق کے بارے میں ایک طرح کی ترغیب نظر آتی ہے۔

﴿وَکَانَ اللّٰہُ وَاسِعًا حَکِیْمًا ۱۳۰﴾ ''اور اللہ بڑی وسعت رکھنے والا' حکمت والا ہے۔''

اللہ کے خزانے بڑے وسیع ہیں اور اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

آیت ۱۳۱ ﴿وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ﴾ ''اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

﴿وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ ۭ﴾ ''اور (دیکھو مسلمانو!) تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہیں بھی ہم نے وصیت کی تھی اور اب تمہیں بھی یہی وصیت ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

احکامِ شریعت کی تعمیل کے سلسلے میں اصل جذبۂ محرکہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر شریعت بھی مذاق بن جائے گی۔ رسول اللہﷺ کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ بہت مشہور ہیں اور خطباتِ جمعہ میں بھی اکثر انہیں شامل کیا جاتا ہے: ((اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ))(۱) ''مسلمانو! میں تمہیں بھی اور اپنے نفس کو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیّت کرتا ہوں''۔ قرآن حکیم میں جابجا اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سورۃ التحریم میں ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾ (آیت:۶) ''اے ایمان والو' بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے''۔ یہاں بھی تقویٰ کا حکم انتہائی تاکید کے ساتھ دیا جا رہا ہے۔

﴿وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ وَکَانَ اللّٰہُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ۱۳۱﴾ ''اور اگر تم نہ مانو گے تو (یاد رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے' اور اللہ تعالیٰ تو خود غنی ہے' اپنی ذات میں خود ستودہ صفات ہے۔''

آیت ۱۳۲ ﴿وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ۱۳۲﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے' اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے کے اعتبار سے۔''

اگر میاں بیوی میں واقعی نباہ نہیں ہو رہا تو بے شک وہ علیحدگی اختیار کر لیں' دونوں کا کارساز اللہ ہے۔ عورت بھی یہ سمجھے کہ میرا شوہر مجھ پر جو ظلم کر رہا ہے اور میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہا ہے' اس صورت میں اگر میں اس سے تعلق منقطع کر لوں گی تو اللہ کارساز ہے' وہ میرے لیے کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسی طرح کی سوچ مرد کی بھی ہونی چاہیے۔ اس کے برعکس یہ سوچ انتہائی احمقانہ اور خلافِ شریعت ہے کہ ہر صورت میں عورت سے نباہ کرنا ہے' چاہے اللہ سے بغاوت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ لہٰذا ہر چیز کو اُس کے مقام پر رکھنا چاہیے۔

آیت ۱۳۳ ﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ اَیُّھَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ۭ﴾ ''اے لوگو! وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے۔''

اللہ کے مقابلے میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے سامنے تم سب نفسِ واحد کی طرح ہو' جب چاہے اللہ تعالیٰ سب کو نسیاً منسیاً کر دے اور نئے لوگوں کو پیدا کر دے۔

﴿وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا ۱۳۳﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔''

آیت ۱۳۴ ﴿مَنْ کَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰہِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۭ﴾ ''جو کوئی بھی دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو اللہ کے پاس ہے ثواب دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔''

جو شخص اپنی ساری بھاگ دوڑ اور دن رات کی محنت دنیا کمانے' دولت اور جائیداد بڑھانے' عہدوں میں ترقی پانے اور مادی طور پر پھلنے پھولنے میں لگا رہا ہے' دوسری طرف اللہ کے احکام اور حقوق کو نظرانداز کر رہا ہے' اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا کے خزانے بھی ہیں اور آخرت کے بھی۔ اور یہ کہ وہ صرف دنیاوی چیزوں کی خواہش کر کے گویا سمندر سے قطرہ حاصل کرنے پر اکتفا کر رہا ہے۔ بقولِ علامہ اقبالؒ

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے!

لہٰذا اللہ سے دنیا بھی مانگو اور آخرت بھی۔ اور اس طرح مانگو جس طرح اس نے مانگنے کا طریقہ بتایا ہے: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۲۰۱﴾ (البقرۃ) تم لوگ اللہ کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرو'

اس کے ساتھ اپنا تعلق خلوص واخلاص کی بنیادوں پر استوار کرو‘ اس کی طرف سے جو ذمہ داریاں ہیں ان کو ادا کرو‘ پھر اللہ تعالیٰ یقیناً دنیا میں بھی نوازے گا اور آخرت میں بھی۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

آیات ۱۳۵ تا ۱۴۱

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ ۨ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ﴿۱۴۰﴾ ۨالَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾﴾

آیت ۱۳۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ﴾ ''اے اہل ایمان‘ کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر''

یہ آیت قرآن کریم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ سورۂ آل عمران (آیت ۱۸) میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ﴾ ''اللہ گواہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ اور سارے فرشتے اور اہل علم بھی اس پر گواہ ہیں‘ وہ عدل کا قائم کرنے والا ہے''۔ اللہ تعالیٰ اس زمین پر عدل قائم کرنا چاہتا ہے‘ اس کے لیے وہ اپنے دین کا غلبہ چاہتا ہے‘ اور اس عظیم کام کے لیے اُس کے کارندے اور سپاہی اہل ایمان ہی ہیں۔ انہی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عدل قائم کرے گا۔ لیکن اہل ایمان کو اس عظیم مقصد کے لیے کوشش کرنی ہوگی‘ جانوں کا نذرانہ پیش کرنا ہوگا‘ ایثار کرنا ہوگا‘ قربانیاں دینی ہوں گی‘ تب جا کر کہیں دین غالب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت ہی اہم معاملہ ہے۔ معاشرے میں عدل وقسط کے قیام کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو ''اللہ کے گواہ'' کہا گیا ہے۔ عدلِ اجتماعی (Social Justice) پر اسلام نے جتنا زور دیا ہے بدقسمتی سے آج ہمارا مذہبی طبقہ اتنا ہی اس سے بے بہرہ ہے۔ آج کے مسلم معاشروں میں سرے سے شعور ہی نہیں کہ عدلِ اجتماعی کی بھی کوئی اہمیت اسلام میں ہے۔ اسلامی قوانین اور حدود وتعزیرات کے نفاذ کی اہمیت تو سب جانتے ہیں‘ لیکن باطل نظام کی ناانصافیاں‘ یہ جاگیردارانہ ظلم وستم اور غریبوں کا استحصال (exploitation) کس طرح ختم ہوگا؟ سرمایہ دار غریبوں کا خون چوس چوس کر روز بروز موٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ نظام ایک ایسی چکی ہے جو آٹا پیس پیس کر ایک ہی طرف ڈالتی جا رہی ہے‘ جبکہ دوسری طرف محرومی ہی محرومی ہے۔ یہاں دولت کی تقسیم کا نظام ہی غلط ہے‘ ایک طرف وسائل کی ریل پیل ہے تو دوسری طرف بھوک ہی بھوک۔ ایک طرف امیر امیر تر ہو رہے ہیں تو دوسری طرف غریب غریب تر‘ اور غربت تو ایسی لعنت ہے جو انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے ’از روئے حدیثِ نبویؐ: ((كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا)) (۱) لہٰذا سب سے پہلے وہ نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جس میں عدل ہو‘ انصاف ہو‘ جس میں ضمانت دی گئی ہو کہ ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہوگی۔ کفالتِ عامہ کی یہ ضمانت نظامِ خلافت میں دی جاتی ہے۔ جب نظام درست ہو جائے تو پھر حدود وتعزیرات کا نفاذ ہو۔ پھر جو کوئی چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ لیکن موجودہ حالات میں اگر اسلامی قوانین نافذ ہوں گے تو ان کا فائدہ الٹا لٹیروں اور حرام خوروں کو ہوگا‘ بلیک مارکیٹنگ کرنے والے ان سے مستفید ہوں گے۔ جنہوں نے حرام خوری سے دولت جمع کر رکھی ہے‘ وہ خوب پاؤں پھیلا کر سوئیں گے۔ چور کا ہاتھ کٹے گا تو انہیں چوری کا ڈر رہے گا نہ ڈاکے کا۔ تو اصل کام نظام کا بدلنا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) شریعت نافذ نہ کی جائے‘ بلکہ مقصد یہ ہے کہ شریعت نافذ کرنے سے پہلے نظام (system) کو بدلا جائے‘ دین کا نظام قائم کیا جائے اور پھر اس نظام کو قائم رکھنے کے لیے‘ اس کو مستحکم اور مضبوط کرنے کے لیے‘ اسے مستقل طور پر چلانے کے لیے قانون نافذ کیا جائے۔ کیونکہ قانون ہی کسی نظام کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے‘ قانون کے صحیح نفاذ سے ہی کوئی نظام مضبوط ہوتا ہے۔

یہی مضمون آگے چل کر سورۃ المائدہ (آیت ۸) میں بھی آئے گا‘ لیکن وہاں اس کی ترتیب بدل گئی ہے۔ وہاں ترتیب اس طرح ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ﴾۔ اس ترتیب کے بدلنے میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اللہ اور عدل وقسط گویا مترادف الفاظ ہیں۔ ایک جگہ حکم ہے ''گواہ بن جاؤ اللہ کے'' اور دوسری جگہ فرمایا: ''گواہ بن جاؤ قسط کے''۔ ایک جگہ فرمایا: ''کھڑے ہو جاؤ قسط (عدل وانصاف) کے لیے'' جبکہ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ ''کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے''۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور قسط کے الفاظ جو ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں‘ آپس میں مترادف ہیں۔

﴿وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ﴾ ''خواہ یہ (انصاف کی بات اور شہادت) تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے یا تمہارے قرابت داروں کے۔''

ایک مؤمن کا تعلق عدل وانصاف اور قسط کے ساتھ ہونا چاہیے‘ رشتہ داری کے ساتھ نہیں۔ یہاں پر حرفِ جار کے بدلنے

سے معانی میں ہونے والی تبدیلی مدّنظر رہے۔ شهادة علٰی کا مطلب ہے لوگوں پر گواہی' اُن کے خلاف گواہی' جبکہ شهادة للّٰه کا مطلب ہے اللہ کے لیے گواہی' لہٰذا شُهَدَآءَ لِلّٰهِ کے معنی ہیں اللہ کے گواہ۔

﴿اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف﴾ ''چاہے وہ شخص غنی ہے یا فقیر' اللہ ہی دونوں کا پشت پناہ ہے۔''

اللہ ہر کسی کا کفیل ہے' تم کسی کے کفیل نہیں ہو۔ تمہیں تو فیصلہ کرنا ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہونا چاہیے' تمہیں کسی کی جانب داری نہیں کرنی' نہ ماں باپ کی' نہ بھائی کی اور نہ خود اپنی۔ ایک چور دروازہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کا حق تو نہیں بنتا' لیکن یہ غریب ہے' لہٰذا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ فرمایا کہ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب' تمہیں اس کی جانب داری نہیں کرنی۔ یہ حکم ہمیں واضح طور پر ہمارا فرض یاد دلاتا ہے کہ ہم سب اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو جائیں۔ ہر حق بات جو اللہ کی طرف سے ہو اس کے علمبردار بن جائیں اور اس حق کو قائم کرنے کے لیے تن' من اور دھن کی قربانی دینے کے لیے اپنی کمر کس لیں۔

﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (135)﴾ ''تو تم خواہشات کی پیروی نہ کرو' مبادا کہ تم عدل سے ہٹ جاؤ۔ اگر تم زبانوں کو مروڑو گے یا اعراض کرو گے تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔''

یعنی اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا حق گوئی سے پہلو تہی کی تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ کو اس کی پوری پوری خبر ہے۔ ''تَلْوٗا'' کا صحیح مفہوم آج کی زبان میں ہو گا chewing your words۔ یعنی اس طریقے سے زبان کو حرکت دینا کہ بات کہنا بھی چاہتے ہیں لیکن کہہ بھی نہیں پا رہے ہیں' حق بات زبان سے نکالنا نہیں چاہتے' غلط بات نکل نہیں رہی ہے۔ یا پھر ویسے ہی حق بات کہنے والی صورتِ حال کا سامنا کرنے سے کنی کترا رہے ہیں' موقع سے ہی بچ نکلنا چاہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ ایسی کسی کوشش سے انسانوں کو تو دھوکہ دیا جا سکتا ہے مگر اللہ تو تمہاری ہر سوچ' ہر نیت اور ہر حرکت سے باخبر ہے۔

اس کے بعد جو مضمون آ رہا ہے وہ شاید اس سورۂ مبارکہ کا اہم ترین مضمون ہے۔

آیت ۱۳۶ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط﴾ ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر' اُس کے رسولؐ پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے نازل فرمائی اپنے رسولؐ پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے پہلے نازل فرمائی۔''

ایمان والوں سے یہ کہنا کہ ایمان لاؤ بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ ''اے ایمان والو' ایمان لاؤ!'' چہ معنی دارد؟ اس کا مطلب ہے کہ اقرار باللّسان والا ایمان تو تمہیں موروثی طور پر حاصل ہو چکا ہے۔ مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا ہو گئے تو وراثت میں ایمان بھی مل گیا' یا یہ کہ جب پورا قبیلہ اسلام لے آیا تو اس میں پکے مسلمانوں کے ساتھ کچھ کچے مسلمان بھی شامل ہو گئے۔ انہوں نے بھی کہا: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ''۔ اس طرح ایمان ایک درجے (اقرار باللّسان) میں تو حاصل ہو گیا۔ یہ ایمان کا قانونی درجہ ہے۔ پیچھے اسی سورۃ (آیت ۹۴) میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ اگر کوئی شخص راستے میں ملے اور وہ اپنا اسلام ظاہر کرے تو تم اس کو یہ نہیں کہہ سکتے ہو کہ تم مؤمن نہیں ہو' کیونکہ جس نے زبان سے کلمہ شہادت ادا کر لیا تو قانونی طور پر وہ مؤمن ہے۔ لیکن کیا حقیقی ایمان یہی ہے؟ نہیں' بلکہ حقیقی ایمان ہے یقین قلبی۔ اس لیے فرمایا: ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر......''۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لیے ہم اِس آیت کا ترجمہ اس طرح کریں گے کہ ''اے اہل ایمان! ایمان لاؤ اللہ پر جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے' مانو رسول ﷺ کو جیسا کہ ماننے کا حق ہے......'' اور یہ حق اُسی وقت ادا ہو گا جب اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان دل میں گھر کر گیا ہو۔ جیسے صحابہ کرام ؓ کے بارے میں سورۃ الحجرات (آیت ۷) میں فرمایا گیا: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ ''اللہ نے ایمان کو تمہارے نزدیک محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے''۔ آگے چل کر اسی سورۃ (آیت ۱۴) میں کچھ لوگوں کے بارے میں یوں فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط﴾ ''یہ بدّو لوگ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اے نبی (ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' ہاں یوں کہہ سکتے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں' لیکن ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔ چنانچہ اصل ایمان وہ ہے جو دل میں داخل ہو جائے۔ یہ درجہ تصدیق بالقلب کا ہے۔ یاد رہے کہ آیت زیر مطالعہ میں دراصل روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔ وہ زبانی ایمان تو لائے تھے لیکن وہ ایمان اصل ایمان نہیں تھا' اس میں دل کی تصدیق شامل نہیں تھی۔ (عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے حضرات یہ نکتہ بھی نوٹ کریں کہ قرآن کے لیے اس آیت میں لفظ نَزَّلَ اور تورات کے لیے اَنْزَلَ استعمال ہوا ہے۔)

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا (136)﴾ ''اور جو کوئی کفر (انکار) کرے گا اللہ کا' اس کے فرشتوں کا' اس کی کتابوں کا' اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا' تو وہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دُور نکل گیا۔''

یہ تمام آیات بہت اہم ہیں اور مفہوم کے لحاظ سے ان میں بڑی گہرائی ہے۔

آیت ۱۳۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے''

یہاں کفر سے مراد کفر حقیقی' کفر معنوی' کفر باطنی یعنی نفاق ہے' قانونی کفر نہیں۔ کیونکہ منافقین کے ہاں کفر و ایمان کے درمیان جو بھی کشمکش اور کھینچا تانی ہو رہی تھی' وہ اندر ہی اندر ہو رہی تھی' لیکن ظاہری طور پر تو ان لوگوں نے اسلام کا انکار نہیں کیا تھا۔

﴿لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا (137)﴾ ''تو اللہ نہ ان کی مغفرت کرنے والا ہے اور نہ وہ انہیں راہِ راست دکھائے گا۔''

واضح رہے کہ منافقت کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ ایک ہی دن میں کوئی شخص منافق ہو گیا ہو۔ منافقین میں ایک تو شعوری منافق تھے' جو باقاعدہ ایک فیصلہ کر کے اپنی حکمتِ عملی اختیار کرتے تھے' جیسے ہم سورۂ آل عمران میں ان کی پالیسی کے بارے میں پڑھ آئے ہیں کہ صبح ایمان کا اعلان کریں گے' شام کو پھر کافر ہو جائیں گے' مرتد ہو جائیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ ایمان انہیں نصیب ہوا ہی نہیں اور انہیں بھی معلوم تھا کہ وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ دل سے جانتے تھے کہ ہم ایمان لائے ہی نہیں ہیں' ہم تو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ شعوری منافقت ہے۔

دوسری طرف کچھ لوگ غیر شعوری منافق تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول تو کیا تھا' ان کے دل میں دھوکہ دینے کی نیت بھی نہیں تھی' لیکن انہیں اصل صورتِ حال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پھولوں کی سیج ہے' لیکن ان کی توقعات کے بالکل برعکس وہ نکلا کانٹوں والا بستر۔ اب انہیں قدم قدم پر رکاوٹ محسوس ہو رہی ہے' ارادے میں پختگی نہیں ہے' ایمان میں گہرائی نہیں ہے' لہٰذا ان کا معاملہ ''ہر چہ بادا باد'' والا نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا حال ہم سورۃ البقرۃ کے آغاز (آیت ۲۰) میں پڑھ آئے ہیں کہ کچھ روشنی ہوئی تو ذرا چل پڑے' اندھیرا ہوا تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ کچھ ہمت کی' دو چار قدم چلے' پھر حالات ناموافق دیکھ کر ٹھٹک گئے' رک گئے' پیچھے ہٹ گئے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ لوگ ان کو ملامت کرتے کہ یہ تم کیا کرتے ہو؟ تو اب انہوں نے یہ کیا کہ جھوٹے بہانے بنانے لگے' اور پھر اس سے بھی بڑھ کر جھوٹی قسمیں کھانی شروع کر دیں' کہ خدا کی قسم یہ مجبوری تھی' اس لیے میں رُک گیا تھا' ایسا تو نہیں کہ میں جہاد میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ میری بیوی مر رہی تھی' اُسے چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی جھوٹی قسمیں کھانا ایسے منافقین کا آخری درجے کا حربہ ہوتا ہے۔ تو ایمان اور کفر کا یہ معاملہ ان کے ہاں یوں ہی چلتا رہتا ہے' اگرچہ اوپر ایمان باللّسان کا پردہ موجود رہتا ہے۔ جب کوئی شخص ایمان لے آیا اور اُس نے ارتداد کا اعلان بھی نہیں کیا تو قانونی طور پر تو وہ مسلمان ہی رہتا ہے' لیکن جہاں تک ایمان بالقلب کا تعلق ہے تو وہ ''مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ'' کی کیفیت میں ہوتا ہے اور اس کے اندر ہر وقت تذبذب اور اہتزاز (oscillation) کی کیفیت رہتی ہے کہ ابھی ایمان کی طرف آیا' پھر کفر کی طرف گیا' پھر ایمان کی طرف آیا' پھر کفر کی طرف گیا۔ اس کی مثال بعینہٖ اُس شخص کی سی ہے جو دریا یا تالاب کے گہرے پانی میں ڈوبتے ہوئے کبھی نیچے جا رہا ہے' پھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے تو ایک لمحے کے لیے پھر اوپر آ جاتا ہے مگر اوپر ٹھہر نہیں سکتا اور فوراً نیچے چلا جاتا ہے۔ بالآخر نیچے جا کر اوپر نہیں آتا اور ڈوب جاتا ہے۔ بالکل یہی نقشہ ہے جو اس آیت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اگلی آیت میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ کن لوگوں کا تذکرہ ہے۔

آیت ۱۳۸ ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳۸﴾﴾ ''(اے نبیﷺ) ان منافقوں کو بشارت دے دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یعنی واضح طور پر فرما دیا گیا کہ یہ لوگ منافق ہیں اور ان کو عذاب کی بشارت بھی دے دی گئی۔ یہ عذاب کی بشارت دینا طنزیہ انداز ہے۔

یہاں پر قبولِ حق کے دعویداروں کو یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں' اللہ کو اپنا ربّ مانتے ہیں' ان کے لیے یہاں پھولوں کی سیج نہیں ہے' اس لیے جو شخص اس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ یکسو ہو کر آئے' دل میں تحفظات (reservations) رکھ کر نہ آئے۔ یہاں تو قدم قدم پر آزمائشیں آئیں گی' یہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۵۵)۔ یہاں تو علی الاعلان بتایا جا رہا ہے: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا ؕ﴾ (آل عمران:۱۸۶)۔ یہاں تو مال و جان کا نقصان اٹھانا پڑے گا' ہر قسم کی تلخ و ناز یبا باتیں سننی پڑیں گی' کڑوے گھونٹ بھی حلق سے اُتارنے پڑیں گے' قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا ؎

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بسے   شرطِ اوّل قدم ایں است کہ مجنوں باشی!

آیت ۱۳۹ ﴿الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ﴾ ''جو اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں۔''

ان منافقین کا وطیرہ یہ بھی تھا کہ وہ کفار کے ساتھ بھی دوستی رکھتے تھے اور اپنی عقل سے اس پالیسی پر عمل پیرا تھے کہ: Don't keep all your eggs in one basket۔ ان کا خیال تھا کہ آج اگر ہم سب تعلق' دوستیاں چھوڑ کر' یکسو ہو کر مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تو کل کا کیا پتا؟ کیا معلوم کل حالات بدل جائیں' حالات کا پلڑا کفار کی طرف جھک جائے۔ تو ایسے مشکل وقت میں پھر یہی لوگ کام آئیں گے' اس لیے وہ ان سے دوستیاں رکھتے تھے۔

﴿اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ ''کیا وہ ان کے قرب سے عزت چاہتے ہیں؟''

کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ کیا ان کی محفلوں میں جگہ پا کر وہ معزز بننا چاہتے ہیں؟ جیسے آج امریکہ جانا اور صدرِ امریکہ سے ملنا گویا بہت بڑا اعزاز ہے' جسے پانے کے لیے کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ چند منٹ کی ایسی ملاقات کے لیے کس کس انداز سے lobbying ہوتی ہے' خواہ اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو اور ان کی پالیسیاں جوں کی توں چلتی رہیں۔

﴿فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾﴾ ''حالانکہ عزت تو کُل کی کُل اللہ کے اختیار میں ہے۔''

لیکن وہ اللہ کو چھوڑ کر کہاں عزت ڈھونڈ رہے ہیں؟

آیت ۱۴۰ ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ﴾ ''اور یہ بات وہ تم پر نازل کر چکا ہے کتاب میں''

﴿اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا﴾ ''کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے''

﴿فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ﴾ ''تو ان کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی

اور بات میں لگ جائیں‘‘

یہ سورۃ الانعام کی آیت ۶۸ کا حوالہ ہے جس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جب تمہارے سامنے کافر لوگ اللہ کی آیات کا استہزاء کر رہے ہوں‘ قرآن کا مذاق اڑا رہے ہوں تو تم وہاں بیٹھو نہیں‘ وہاں سے اُٹھ جاؤ۔ یہ مکی آیت ہے۔ چونکہ اُس وقت مسلمانوں میں اتنا زور نہیں تھا کہ کفار کو ایسی حرکتوں سے زبردستی منع کر سکتے اس لیے ان کو بتایا گیا کہ ایسی محفلوں میں تم لوگ مت بیٹھو۔ اگر کسی محفل میں ایسی کوئی بات ہو جائے تو احتجاجاً وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ایسی باتوں سے تمہاری غیرتِ ایمانی میں بھی کچھ کمی آ جائے یا تمہاری ایمانی حس کُند پڑ جائے۔ ہاں جب وہ لوگ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں تو پھر دوبارہ ان کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں۔ دراصل یہاں غیر مسلموں سے تعلق منقطع کرنا مقصود نہیں کیونکہ اُن کو تبلیغ کرنے کے لیے ان کے پاس جانا بھی ضروری ہے۔

﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ﴾ ’’ورنہ تم بھی انہی کی مانند ہو جاؤ گے۔‘‘

اگر اس حالت میں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو گے تو پھر تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ۝۱۴۰﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ جمع کرنے والا ہے منافقوں کو بھی اور کافروں کو بھی جہنم میں سب کے سب۔‘‘

آیت ۱۴۱ ﴿الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ﴾ ’’وہ لوگ جو تمہارے لیے انتظار کی حالت میں ہیں۔‘‘

منافق تمہارے معاملہ میں گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں۔ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یہ لوگ ’’تیل دیکھو‘ تیل کی دھار دیکھو‘‘ کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں اور نتیجے کے انتظار میں ہیں کہ آخری فتح کس کی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کا طے شدہ منصوبہ ہے کہ دونوں طرف کچھ نہ کچھ تعلقات رکھو‘ تاکہ وقت جیسا بھی آئے‘ جو بھی صورت حال ہو‘ ہم اس کے مطابق اپنے بچاؤ کی کچھ صورت بنا سکیں۔

﴿فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ﴾ ’’تو اگر تم لوگوں کو اللہ کی طرف سے کوئی فتح حاصل ہو جائے تو یہ کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟‘‘

اگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمان فتح حاصل کر لیتے ہیں تو وہ آ جائیں گے باتیں بناتے ہوئے کہ ہم بھی تو آپ کے ساتھ تھے‘ مسلمان تھے‘ مالِ غنیمت میں سے ہمارا بھی حصہ نکالیے۔

﴿وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ﴾ ’’اور اگر کوئی حصہ پہنچ جائے کافروں کو‘‘

کبھی وقتی طور پر کفار کو فتح حاصل ہو جائے‘ جنگ میں ان کا پلڑا بھاری ہو جائے۔

﴿قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ﴾ ’’تو وہ کہیں گے (اپنے کافر ساتھیوں سے) کیا ہم نے تمہارا گھیراؤ نہیں کر لیا تھا؟ اور ہم نے بچایا نہیں تم کو مسلمانوں سے؟‘‘

یعنی ہم نے تو آپ کو مسلمانوں سے بچانے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا‘ ہم تو آپ کے لیے آڑ بنے ہوئے تھے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے آئے تھے؟ نہیں‘ ہم تو اس لیے آئے تھے کہ وقت آنے پر مسلمانوں کے حملوں سے آپ کو بچا سکیں۔

﴿فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ﴾ ’’تو اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے مابین قیامت کے دن۔‘‘

﴿وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ۝۱۴۱﴾ ’’اور اللہ اہلِ ایمان کے مقابلے میں کافروں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔‘‘

جیسا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورۃ النساء کا بڑا حصہ منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے‘ اگرچہ اُن سے براہِ راست خطاب میں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا کے الفاظ کہیں استعمال نہیں ہوئے‘ بلکہ انہیں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایمان کے دعوے دار تھے‘ ایمان کے مدّعی تھے‘ قانونی طور پر مسلمان تھے۔ یہ ایک طویل مضمون ہے جو آئندہ آیاتِ مبارکہ میں انجام پذیر (conclude) ہو رہا ہے۔

آیات ۱۴۲ تا ۱۵۲

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ
النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۱۴۲ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ
وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ۝۱۴۳ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ
دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۝۱۴۴ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ
الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ۝۱۴۵ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ
وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝۱۴۶ مَا
یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا ۝۱۴۷ لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ
بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ۝۱۴۸ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا
عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ۝۱۴۹ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا
بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ
سَبِیْلًا ۝۱۵۰ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝۱۵۱ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۱۵۲)﴾

آیت ۱۴۲ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ ''یقیناً منافق کوشش کر رہے ہیں اللہ کو دھوکہ دینے کی''

یہ مضمون سورۃ البقرہ کے دوسرے رکوع میں بھی آ چکا ہے۔ مُخَادَعَة بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اس باب میں کسی کے مقابلے میں کوشش کے معنی شامل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں دو فریقوں میں مقابلہ ہوتا ہے اور پتا نہیں ہوتا کہ کون جیتے گا اور کون ہارے گا۔ لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ ہوگا کہ ''وہ دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں''۔ اس کے جواب میں اللہ کی طرف سے فرمایا گیا:

﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ﴾ ''اور وہ ان کو دھوکہ دے کر رہے گا۔''

خَادِع ثلاثی مجرد سے اسمِ فاعل ہے اور یہ نہایت زوردار تاکید کے لیے آتا ہے' اس لیے ترجمہ میں تاکیدی الفاظ آئیں گے۔ یہاں منافقین کے لیے دھوکہ والا پہلو یہ ہے کہ اللہ نے ان کو جو ڈھیل دی ہوئی ہے اس سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہو رہے ہیں' ہمارے اوپر ابھی تک کوئی آنچ نہیں آئی' کوئی پکڑ نہیں ہوئی' کوئی گرفت نہیں ہوئی' ہم دونوں طرف سے بچے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے وہ اپنی اس ڈھیل کی وجہ سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور درحقیقت یہی دھوکہ ہے جو اللہ کی طرف سے ان کو دیا جا رہا ہے۔ یعنی اللہ نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ﴾ ''اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کے لیے تو کھڑے ہوتے ہیں بڑی کسل مندی کے ساتھ''

یہ منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ طبیعت میں بشاشت نہیں ہے' آمادگی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا بھی ضروری ہے لہٰذا مجبوراً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قَامَ فعل ہے اور اس کے معنی ہیں کھڑے ہونا' جبکہ قَائِم اس سے اسم فاعل ہے۔ مختلف زبانوں میں عام طور پر verb کے بعد prepositions کی تبدیلی سے معنی اور مفہوم بدل جاتے ہیں۔ مثلاً انگریزی میں to give ایک خاص مصدر ہے۔ اگر to give up ہو تو معنی یکسر بدل جائیں گے۔ پھر اگر یہ to give in ہو تو بالکل ہی الٹی بات ہو جائے گی۔ اسی طرح عربی میں بھی حروفِ جار کے تبدیل ہونے سے معانی بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر قَامَ عَلٰى ہو' جیسے ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ میں ہے تو اس کے معنی ہوں گے حاکم ہونا' سربراہ ہونا' کسی کے حکم کا نافذ ہونا۔ لیکن اگر قَامَ اِلٰى ہو (جیسے آیت زیرِ نظر میں ہے) تو اس کا مطلب ہوگا کسی شے کے لیے کھڑے ہونا' کسی شے کی طرف کھڑے ہونا' کوئی کام کرنے کے لیے اٹھنا' کوئی کام کرنے کا ارادہ کرنا۔ اس سے پہلے ہم قَامَ 'ب' کے ساتھ بھی پڑھ چکے ہیں: قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ اور قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ یہاں اس کے معنی ہیں کسی شے کو قائم کرنا۔ تو آپ نے ملاحظہ کیا کہ حروفِ جار (prepositions) کی تبدیلی سے کسی فعل کے اندر کس طرح اضافی معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔

﴿يُرَآءُوْنَ النَّاسَ﴾ ''محض لوگوں کو دکھانے کے لیے''

﴿وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (۱۴۲)﴾ ''اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

یعنی ذکرِ الٰہی جو نماز کا اصل مقصد ہے ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (۱۴)﴾ (طٰہٰ) وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا۔ مگر ممکن ہے اس بے دھیانی میں کسی وقت کوئی آیت بجلی کے کڑکے کی طرح کڑک کر ان کے شعور میں کچھ نہ کچھ اثرات پیدا کر دے۔

آیت ۱۴۳ ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ﴾ ''یہ اس کے مابین مذبذب (ہو کر رہ گئے) ہیں۔''

کفر اور ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہیں' کسی طرف بھی یکسو نہیں ہو رہے۔ اسی لیے قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ حَنِیف کا لفظ بار بار آتا ہے۔ دین کے بارے میں اللہ کی طرف سے ترغیب یہی ہے کہ یکسو ہو جاؤ۔ دنیا میں اگر انسان کفر پر بھی یکسو ہوگا تو کم از کم اس کی دنیا تو بن جائے گی' لیکن اگر دنیا اور آخرت دونوں بنانے ہیں تو پھر ایمان کے ساتھ یکسو ہونا ضروری ہے۔ لیکن جو لوگ بیچ میں رہیں گے' اِدھر کے نہ اُدھر کے' ان کے لیے تو ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ کے مصداق دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا اور نقصان ہوگا۔

﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ﴾ ''نہ تو یہ ان کی جانب ہیں اور نہ ہی اُن کی جانب ہیں۔''

نہ اہلِ ایمان کے ساتھ مخلص ہیں اور نہ اہلِ کفر کے ساتھ۔ نہ اِن کے ساتھ یکسو ہیں اور نہ اُن کے ساتھ۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (۱۴۳)﴾ ''اور جسے اللہ ہی نے گمراہ کر دیا ہو تو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔''

یعنی جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہرِ تصدیق ثبت ہو چکی ہو' اس کے راہِ راست پر آنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

آیت ۱۴۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ﴾ ''اے اہلِ ایمان' مت بناؤ کافروں کو اپنا دلی دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔''

یہ مضمون پہلے آیت ۱۳۹ میں بھی آ چکا ہے۔ یہ بھی نفاق کی ایک علامت ہے کہ اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ دوستیوں کی پینگیں بڑھائی جائیں' ان کو اپنا حمایتی' مددگار اور رازدار بنایا جائے۔

﴿اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (۱۴۴)﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے خلاف اللہ کے ہاتھ میں ایک صریح حجت دے دو؟''

اس طرح تم لوگ خود ہی اپنے خلاف ایک حجت فراہم کر رہے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہارا محاسبہ کرے گا' تب اس سوال کا کیا جواب دو گے کہ تمہاری دوستیاں کافروں کے ساتھ کیوں تھیں؟ اس طرح تمہارا یہ فعل تمہارے اپنے خلاف حجت

قاطع بن جائے گا۔

اب جو آیت آ رہی ہے وہ ایک اعتبار سے منافقین کے حق میں قرآنِ حکیم کی سخت ترین آیت ہے۔ اگرچہ بعض دوسرے اعتبارات سے‘ بلکہ ایک خاص لطیف پہلو سے ایک آیت اس سے بھی سخت تر ہے جو سورۃ التوبہ میں آئے گی۔ دراصل طویل سورتوں میں سے سورۃ النساء اور سورۃ التوبہ دو ایسی سورتیں ہیں جن میں نفاق کا مضمون بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

آیت ۱۴۵ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾﴾ ”یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے‘ اور تم نہ پاؤ گے ان کے لیے کوئی مددگار۔“

اگلی آیت میں ان لوگوں کے لیے ایک رعایت کا اعلان ہے۔ منافقت کا پردہ کلی طور پر تو سورۃ التوبہ میں چاک ہوگا۔ یعنی اُن کے لیے آخری احکام سن ۹ ہجری میں آئے تھے‘ جبکہ ابھی سن ۴ ہجری کے دور کی باتیں ہو رہی ہیں۔ تو ابھی ان کے لیے رعایت رکھی گئی ہے کہ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ فرمایا:

آیت ۱۴۶ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ”سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور اصلاح کر لیں اور اللہ سے چمٹ جائیں“

اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں‘ ایمان کے ساتھ یکسو ہو جائیں۔ ”کُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ“ کے مصداق اللہ والے بن جائیں۔ شیطان سے محبت کی پینگیں نہ بڑھائیں‘ شیطان کے ایجنٹوں سے دوستیاں نہ کریں‘ اور اپنے آپ کو دین اسلام کے ساتھ وابستہ کر لیں کہ ہر چہ بادا باد! اب تو ہم اسلام کی اس کشتی پر سوار ہو گئے ہیں‘ اگر یہ تیرتی ہے تو ہم تیریں گے‘ اور اگر خدانخواستہ اس کے مقدر میں کوئی حادثہ ہے تو ہم بھی اس حادثے میں شامل ہوں گے۔

﴿وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ﴾ ”اور اپنی اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لیں“

یہ نہ ہو کہ زندگی کے کچھ حصے میں اطاعت اللہ کی ہو رہی ہے‘ کچھ حصے میں کسی اور کی ہو رہی ہے کہ کیا کریں جی! یہ معاملہ تو رواج کا ہے‘ برادری کو چھوڑ تو نہیں سکتے نا! معلوم ہوا آپ نے اپنی اطاعت کے علیحدہ علیحدہ حصے کر لیے ہیں اور پھر ان میں انتخاب کرتے ہیں کہ یہ حصہ تو برادری کی اطاعت میں جائے گا اور یہ حصہ اللہ کی اطاعت کے لیے ہوگا۔ اطاعت جب تک کل کی کل اللہ کے لیے نہ ہو‘ اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۹۳) میں ہم نے پڑھا تھا: ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ﴾ یہاں پر دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی سطح پر دین اللہ کے لیے ہو جائے‘ یعنی اسلامی ریاست قائم ہو جائے‘ پورا اسلامی نظام قائم ہو جائے‘ شریعتِ اسلامی کا نفاذ عمل میں آ جائے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو کم از کم ایک شخص انفرادی سطح پر تو اپنی اطاعت اللہ کے لیے خالص کر لے۔ یہ گویا انفرادی توحیدِ عملی ہے۔

﴿فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾﴾ ”تو پھر یہ لوگ اہل ایمان میں شامل ہو جائیں گے‘ اور اللہ اہل ایمان کو عنقریب بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔“

یعنی ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے‘ سچی توبہ کرنے کے بعد ان کو معافی مل سکتی ہے۔ ابھی ان کے لیے point of no return نہیں آیا ہے۔

آیت ۱۴۷ ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ﴾ ”(اے منافقو ذرا سوچو!) اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟“

اللہ تعالیٰ معاذ اللہ کوئی ایذا پسند (sadist) ہستی نہیں ہے کہ اُسے لوگوں کو دکھ پہنچا کر خوشی ہوتی ہو۔ اس طرح کے رویے تو perverted قسم کے انسانوں کے ہوتے ہیں‘ جن کی شخصیتیں مسخ ہو چکی ہوتی ہیں‘ جو دوسروں کو تکلیف میں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں‘ دوسروں کو تکلیف اور کوفت پہنچا کر انہیں راحت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تو ایسا نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تمہیں عذاب دے کر تم سے کیا لے گا؟

﴿اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ﴾ ”اگر تم شکر اور ایمان کی روش اختیار کرو۔“

﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٧﴾﴾ ”اور اللہ بہت ہی قدردانی فرمانے والا اور ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔“

جو بندہ اُس کے لیے کام کرے‘ محنت کرے‘ اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرماتا ہے۔ اور جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے سب اُس کے علم میں ہوتا ہے۔ انسان کا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو اللہ کے ہاں unaccounted رہ جائے‘ اور اسے اس کا اجر نہ مل سکے۔

اب اس سورۃ کے آخری حصے میں فلسفۂ دین کے بہت اہم بنیادی نکات کی کچھ تفصیل آئے گی۔ اس ضمن میں پہلی بات تو تمدنی اور معاشرتی معاملات ہی سے متعلق ہے۔ معاشرے کے اندر کسی بُری بات کا چرچا کرنا بالفعل کوئی اچھی بات نہیں ہے‘ لیکن اس میں ایک استثناء رکھا گیا ہے‘ اور وہ ہے مظلوم کا معاملہ۔ اگر مظلوم کی زبان سے ظلم کے ردِّعمل کے طور پر کچھ نازیبا کلمات‘ جلے کٹے الفاظ بھی نکل جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔

آیت ۱۴۸ ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْۗءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ﴾ ”اللہ کو بالکل پسند نہیں ہے کہ کسی بُری بات کو بلند آواز سے کہا جائے‘ سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہے۔“

جس کا دل دکھا ہے‘ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے‘ نہ صرف یہ کہ اس کے جواب میں اس کی زبان سے نکلنے والے کلمات پر گرفت نہیں‘ بلکہ مظلوم کی دعا کو بھی قبولیت کی سند عطا ہوتی ہے۔ کسی فارسی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے: ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن   اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

کہ مظلوم کی آہوں سے ڈرو کہ اس کی زبان سے نکلنے والی فریاد ایسی دعا بن جاتی ہے جس کی قبولیت خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا استقبال کرنے کے لیے عرش سے آتی ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾﴾ ”اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

اسے سب معلوم ہے کہ جس کے دل سے یہ آواز نکلی ہے وہ کتنا دکھی ہے۔ اس کے احساسات کتنے مجروح ہوئے ہیں۔

آیت ۱۴۹ ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ ”اگر تم بھلائی کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ“

جہاں تک تو خیر کا معاملہ ہے تم اسے بلند آواز سے کہو' ظاہر کرو یا چھپاؤ برابر کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے خیر تو ہر حال میں خیر ہی ہے' عیاں ہو یا خفیہ۔

﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾﴾ ''یا تم برائی کو معاف کر دیا کرو تو یقیناً اللہ بھی معاف فرمانے والا' قدرت رکھنے والا ہے۔''

اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو معاف کر دینا یقیناً نیکی کا ایک اونچا درجہ ہے۔ اس لیے یہاں ترغیب کے انداز میں مظلوم سے بھی کہا جا رہا ہے کہ اگرچہ تمہیں چھوٹ ہے' تمہاری بدگوئی کی بھی تم پر کوئی گرفت نہیں' لیکن زیادتی کی تلافی کا اس سے اعلیٰ اور بلند تر درجہ بھی ہے' تم اس بلند درجے کو حاصل کیوں نہیں کرتے؟ وہ یہ کہ تم اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو معاف کر دو۔ اس کے ساتھ اللہ کی قدرت کا ذکر بھی ہوا ہے کہ انسان تو بسا اوقات بدلہ لینے کی طاقت نہ ہونے کے باعث معاف کرنے پر مجبور بھی ہو جاتا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے' قدیر ہے' وہ تو جب چاہے' جیسے چاہے (there & then) خطاکار کو فوراً سزا دے کر حساب چکا سکتا ہے۔ لیکن اتنی قدرت کے باوجود بھی وہ معاف فرما دیتا ہے۔

آئندہ آیات میں پھر وحدت الادیان جیسے اہم مضمون کا تذکرہ ہونے جا رہا ہے اور اس سلسلے میں یہاں تمام غلط نظریات کی جڑ کاٹی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ بات زیر بحث آ چکی ہے کہ فلسفۂ وحدتِ ادیان کا ایک حصہ صحیح ہے۔ وہ یہ کہ اصل (origin) سب ادیان کی ایک ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ مختلف ادیان کی موجودہ شکلوں میں بھی یک رنگی اور ہم آہنگی ہے تو اس سے بڑی حماقت' جہالت' ضلالت اور گمراہی کوئی نہیں۔

یہاں پر اب کانٹے کی بات بتائی جا رہی ہے کہ دین میں جس چیز کی وجہ سے بنیادی خرابی پیدا ہوتی ہے وہ اصل میں کیا ہے۔ وہ غلطی یا خرابی ہے اللہ اور رسولوں میں تفریق! ایک تفریق تو وہ ہے جو رسولوں کے درمیان کی جاتی ہے' اور دوسری تفریق اللہ اور رسول ﷺ کو علیحدہ علیحدہ کر دینے کی شکل میں سامنے آتی ہے' اور یہ سب سے بڑی جہالت ہے۔ فتنۂ انکارِ حدیث اور انکارِ سنت اسی جہالت و گمراہی کا شاخسانہ ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل قرآن سمجھتے ہیں اور ان کا نظریہ ہے کہ رسول ﷺ کا کام قرآن پہنچا دینا تھا' سو انہوں نے پہنچا دیا' اب اصل معاملہ ہمارے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اللہ کی کتاب عربی زبان میں ہے' ہم اس کو خود سمجھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ رسول ﷺ نے اپنے زمانے میں مسلمانوں کو جو اس کی تشریح سمجھائی تھی اور اُس زمانے کے لوگوں نے اسے قبول کیا تھا' وہ اُس زمانے کے لیے تھی۔ گویا رسولؐ کی تشریح کوئی دائمی چیز نہیں' دائمی شے صرف قرآن ہے۔ اس طرح انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کو جدا کر دیا۔ یہاں اسی گمراہی کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۱۵۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور وہ چاہتے ہیں کہ تفریق کر دیں اللہ اور اس کے رسولوں کے مابین''

اکبر کے ''دینِ الٰہی'' کا بنیادی فلسفہ بھی یہی تھا کہ بس دین تو اللہ ہی کا ہے' رسول ﷺ کی نسبت ضروری نہیں' کیونکہ جب دین کی نسبت رسول کے ساتھ ہو جاتی ہے تو پھر دین رسول کے ساتھ منسوب ہو جاتا ہے کہ یہ دینِ موسیٰؑ ہے' یہ دینِ عیسیٰؑ ہے' یہ دینِ محمد ﷺ ہے۔ اگر رسولوں کا یہ تفرقی عنصر (differentiating factor) درمیان سے نکال دیا جائے تو مذاہب کے اختلافات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اللہ تو سب کا مشترک (common) ہے' چنانچہ جو دین اُسی کے ساتھ منسوب ہو گا وہ دینِ الٰہی ہو گا۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ کو مانیں گے اور کچھ کو نہیں مانیں گے''

یعنی اللہ کو مانیں گے' رسولوں کا ماننا ضروری نہیں ہے۔ اللہ کی کتاب کو مانیں گے' رسول ﷺ کی سنت کا ماننا کوئی ضروری نہیں ہے' وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾﴾ ''اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے بین بین ایک راستہ نکال لیں''

اللہ کو ایک طرف کر دیں اور رسول کو ایک طرف۔

آیت ۱۵۱ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾﴾ ''یہی لوگ حقیقت میں پکے کافر ہیں' اور ہم نے ان کافروں کے لیے بڑا اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۱۵۲ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ''اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں پر اور انہوں نے ان میں سے کسی کے مابین کوئی تفریق نہیں کی''

نہ اللہ کو رسول سے جدا کیا اور نہ رسول کو رسول سے جدا کیا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم سب کو مانتے ہیں: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ: ۲۸۵)۔ ہم اُن رسولوں کو بھی مانتے ہیں جن کے نام قرآن مجید میں آ گئے ہیں' اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کے علاوہ بھی اللہ کی طرف سے بے شمار نبی اور رسول آئے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اللہ ان کے اجر عطا فرمائے گا' اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔''

آیات ۱۵۳ تا ۱۶۲

﴿يَسْـَٔــلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَ

تُهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ
وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾
فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ
طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا
عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ
وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ
وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا
لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

آیت ۱۵۳ ﴿يَسْـَٔــلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَاۗءِ﴾ ’’(اے نبیﷺ) اہل کتاب آپؐ سے یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ آپ ان پر ایک کتاب آسمان سے اتار لائیں‘‘

یعنی جیسے تورات اُتری تھی‘ ویسے ہی تحریری شکل میں ایک کتاب آسمان سے اترنی چاہیے۔ آپؐ تو کہتے ہیں مجھ پر وحی آتی ہے‘ لیکن کہاں لکھی ہوئی ہے وہ وحی؟ کون لایا ہے؟ ہمیں تو پتا نہیں۔ موسیٰؑ کو تو اُن کی کتاب لکھی ہوئی ملی تھی اور وہ پتھر کی تختیوں کی صورت میں اسے لے کر آئے تھے۔ آپ پر بھی اسی طرح کی کتاب نازل ہو تو ہم مانیں۔

﴿فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ ’’(یہ تعجب کی بات نہیں) انہوں نے موسیٰؑ سے اس سے بھی بڑھ کر مطالبے کیے تھے‘‘

اے نبیﷺ آپ فکر نہ کریں‘ ان کی پروا نہ کریں۔ انہوں نے‘ ان کے آباء و اجداد نے حضرت موسیٰؑ سے اس سے بھی بڑے بڑے مطالبات کیے تھے۔

﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ ’’انہوں نے تو (اُن سے یہ بھی) کہا تھا کہ ہمیں دکھاؤ اللہ کو علانیہ‘‘ کہ ہم خود اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھنا چاہتے ہیں‘ جب دیکھیں گے تب مانیں گے۔

﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ﴾ ’’تو ان کو آ پکڑا تھا کڑک نے ان کے اس گناہ کی پاداش میں۔‘‘

﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ ’’پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اس کے بعد کہ اُن کے پاس بہت واضح نشانیاں آچکی تھیں‘‘

ان لوگوں کی نابنجاری کا اندازہ کریں کہ نو نو معجزے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں دیکھنے کے بعد بھی انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔

﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾﴾ ’’تو ہم نے ان تمام چیزوں سے بھی درگزر کیا‘ اور ہم نے موسیٰ کو عطا کیا بڑا واضح غلبہ۔‘‘

فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا۔

آیت ۱۵۴ ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ’’اور ہم نے ان کے سروں پر معلق کر دیا تھا طور پہاڑ کو جب کہ ان سے عہد لیا جارہا تھا اور ہم نے اُن سے کہا کہ دروازے میں داخل ہوں جھک کر‘‘

یعنی جب اریحا (Jericho) شہر تمہارے ہاتھوں فتح ہو جائے اور اس میں داخل ہونے کا مرحلہ آئے تو اپنے سروں کو جھکا کر عاجزی کے ساتھ داخل ہونا۔

﴿وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ﴾ ’’اور ہم نے ان سے (یہ بھی) کہا تھا کہ سبت (ہفتے کے دن کے قانون) میں حد سے تجاوز نہ کرنا‘‘

﴿وَّاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾﴾ ’’اور ہم نے ان سے (ان تمام باتوں کے بارے میں) بڑے گاڑھے قول و قرار لیے تھے۔‘‘

آیت ۱۵۵ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ ’’تو انہوں نے جو اپنے اس میثاق کو توڑ ڈالا اس کے سبب‘‘

اب ان کے جرائم کی فہرست آرہی ہے‘ اور یوں سمجھئے کہ مبتدا ہی کی تکرار ہو رہی ہے اور اس میں جو اصل خبر ہے وہ گویا محذوف ہے۔ گویا بات یوں بنے گی: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ کہ انہوں نے جو اپنے میثاق کو توڑا اور توڑتے رہے ہمارے ساتھ انہوں نے جو بھی وعدے کیے تھے‘ جب ان کا پاس انہوں نے نہ کیا تو ہم نے ان پر لعنت کر دی۔ لیکن یہ ’’لَعَنّٰهُمْ‘‘ اتنی واضح بات تھی کہ اس کو کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی‘ بلکہ ان کے جرائم کی فہرست بیان کر دی گئی۔

﴿وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ ’’اور اُن کے اللہ کی آیات کے انکار اور انبیاء کو ناحق قتل کرنے (کے سبب سے)‘‘

﴿وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾﴾ ’’اور ان کے اس طرح کہنے (کی پاداش) میں کہ ہمارے دِل تو غلافوں میں بند ہیں۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان (کے دلوں) پر مہر

کردی ہے ان کے کفر کے باعث‘ پس اب وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت ہی شاذ۔‘‘

آیت ۱۵۶ ﴿وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾﴾ ’’اور بسبب ان کے کفر کے اور اُن باتوں کے جوانہوں نے مریم کے خلاف کیں ایک بہت بڑے بہتان کے طور پر۔‘‘

حضرت مریم سلامٌ علیہا پر یہودیوں نے بہتان لگایا کہ انہوں نے (معاذ اللہ) زنا کیا ہے اور مسیحؑ دراصل یوسف نجار کا بیٹا ہے۔ ان کی روایات کے مطابق یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم کی نسبت ہو چکی تھی‘ لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ ان کے مابین تعلق قائم ہو گیا‘ جس کے نتیجے میں یہ بیٹا پیدا ہو گیا۔ اس طرح انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ولد الزّنا قرار دیا۔ یہ ہے وہ اتنی بڑی بات جو یہودی کہتے ہیں اور آج بھی اس گمراہ کن نظریے پر مبنی ’’Son of Man‘‘ جیسی فلمیں بنا کر امریکہ میں چلاتے ہیں‘ جن میں عیسائیوں کو بتایا جاتا ہے کہ جس مسیح کو تم لوگ Son of God کہتے ہو وہ حقیقت میں son of man ہے۔

آیت ۱۵۷ ﴿وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ﴾ ’’اور بسبب ان کے یہ کہنے کے کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم کو‘ اللہ کے رسول کو!‘‘

یعنی اللہ کے رسول کو قتل کر دیا! یہاں یہ ’’رَسُوْلَ اللّٰهِ‘‘ کے الفاظ اُن کے نہیں ہیں‘ بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں استعجابیہ نشان (sign of exclamation) کے ساتھ‘ کہ اچھا ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے! جبکہ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کا تو فیصلہ ہے‘ ایک طے شدہ امر ہے‘ اللہ کی طرف سے لکھا ہوا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ﴾ (المجادلۃ :۲۱) تو ان کی یہ جرأت کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے!

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ﴾ ’’حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ ہی اسے سولی دی‘ بلکہ اس کی شبیہ بنا دی گئی ان کے لیے۔‘‘

معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور ایک شخص کی حضرت مسیحؑ جیسی صورت بنا دی گئی‘ ان کے ساتھ مشابہت کر دی گئی۔ چنانچہ انہوں نے جس کو مسیح سمجھ کر سولی پر چڑھایا‘ وہ مسیحؑ نہیں تھا‘ ان کی جگہ کوئی اور تھا۔ انجیل برنباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا نام ’’یہودا اسخریوطی‘‘ (Judas Iscariot) تھا اور وہ آپؑ کے حواریوں میں سے تھا۔ ویسے اُس کی نیت کچھ اور تھی‘ اُس میں بدنیتی بہرحال نہیں تھی (تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے) لیکن چونکہ اُس نے آپؑ کو گرفتار کرایا تھا‘ چنانچہ اس گستاخی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل حضرت مسیح علیہ السلام جیسی بنا دی اور حضرت مسیحؑ کی جگہ وہ پکڑا گیا اور سولی چڑھا دیا گیا۔

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ﴾ ’’اور جو لوگ اس کے بارے میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں وہ یقیناً شکوک و شبہات میں ہیں۔‘‘ انہیں خود پتا نہیں کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟

﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾﴾ ’’اُن کے پاس اس ضمن میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اس کے کہ گمان کی پیروی کر رہے ہیں‘ اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا۔‘‘

حضرت مسیح علیہ السلام ہر گز قتل نہیں ہوئے اور نہ ہی آپؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا۔

آیت ۱۵۸ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾﴾ ’’بلکہ اللہ نے اسے اٹھا لیا اپنی طرف‘ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے کمال حکمت والا۔‘‘

اس واقعہ کی تفصیل انجیل برنباس میں موجود ہے۔

آیت ۱۵۹ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ﴾ ’’اور نہیں ہو گا اہلِ کتاب میں سے کوئی بھی مگر اُس پر ایمان لا کر رہے گا اس کی موت سے قبل۔‘‘

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام فوت نہیں ہوئے‘ زندہ ہیں‘ انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور وہ دوبارہ زمین پر آئیں گے‘ اور جب آئیں گے تو اہل کتاب میں سے کوئی شخص نہیں رہے گا کہ جو ان پر ایمان نہ لے آئے۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾﴾ ’’اور قیامت کے دن وہی ان کے خلاف گواہ (بن کر کھڑا) ہو گا۔‘‘

یہ گواہی والا معاملہ وہی ہے جس کی تفصیل ہم آیت ۴۱ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○﴾ کہ ہر نبی کو اپنی اُمت کے خلاف گواہی دینی ہے۔ لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام اپنی اُمت کے خلاف گواہی دیں گے۔

آیت ۱۶۰ ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ ’’تو بسبب اُن یہودی بن جانے والوں کی ظالمانہ روش کے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دیں جو اصلاً ان کے لیے حلال تھیں‘‘

اللہ تعالیٰ کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ کوئی قوم اگر کسی معاملے میں حد سے گزرتی ہے تو سزا کے طور پر اسے حلال چیزوں سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں پر یہی اصول بیان ہو رہا ہے۔ مثلاً اگر حضرت یعقوبؑ نے اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے تورات میں اس کی صراحت نہیں کی کہ یہ حرام نہیں ہے‘ یہ تو محض تمہارے نبیؑ کا بالکل ذاتی قسم کا فیصلہ ہے‘ بلکہ اللہ نے کہا کہ ٹھیک ہے‘ ان کی یہی سزا ہے کہ ان پر تنگی رہے اور اس طرح ان کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر حلال چیزیں بھی اُن پر حرام کر دیں۔

﴿وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾﴾ ’’اور بسبب اس کے کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے (خود رُکتے

ہیں اور دوسروں کو بھی) روکتے ہیں۔''

یہ لوگ اللہ کے راستے سے خود بھی رکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی روکتے ہیں۔ تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور ان پر بعض حلال چیزیں بھی حرام کر دیں۔

آیت ۱۶۱ ﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ﴾ ''اور بسبب ان کے سود کھانے کے جبکہ اس سے انہیں منع کیا گیا تھا''

شریعتِ موسوی میں سود حرام تھا، آج بھی حرام ہے، لیکن انہوں نے اس حکم کا اپنا ایک من پسند مفہوم نکال لیا، جس کے مطابق یہودیوں کا آپس میں سود کا لین دین تو حرام ہے، کوئی یہودی دوسرے یہودی سے سودی لین دین نہیں کر سکتا، لیکن غیر یہودی سے سود لینا جائز ہے، کیونکہ وہ ان کے نزدیک Gentiles اور Goyems ہیں، انسان نما حیوان ہیں، جن سے فائدہ اٹھانا اور ان کا استحصال کرنا ان کا حق ہے۔ ہم سورۂ آلِ عمران (آیت ۷۵) میں یہود کا یہ قول پڑھ چکے ہیں: ﴿لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ﴾ کہ ان اُمیین کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت ہے ہی نہیں، کوئی ذمہ داری ہے ہی نہیں۔ ہم جیسے چاہیں لوٹ مار کریں، جس طرح چاہیں انہیں دھوکہ دیں، ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لہٰذا سود کھانے میں اُن کے ہاں عمومی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے۔

﴿وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ﴾ ''اور بسبب ان کے لوگوں کے مال ناحق ہڑپ کرنے کے۔''

﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۶۱﴾﴾ ''اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے ہم نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۱۶۲ ﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ''البتہ جو لوگ ان میں سے پختہ علم والے ہیں اور اہلِ ایمان ہیں''

یعنی یہود میں سے اہلِ علم لوگ جیسے عبداللہ بن سلام ؓ اور ایسے ہی راست باز لوگ جنہوں نے تورات کے علم کی بنا پر نبی آخر الزماں ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ؐ پر ایمان لائے۔

﴿یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ''وہ ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو (اے نبیؐ) آپؐ پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو آپؐ سے پہلے نازل کیا گیا''

﴿وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ ''اور وہ نماز قائم کرنے والے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ پر بھی اور یومِ آخرت پر بھی''

﴿اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۶۲﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم ضرور اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔''

ان آیات میں ابھی بھی تھوڑی سی گنجائش رکھی جا رہی ہے کہ اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا عنصر اگر اب بھی موجود ہو جو حق کی طرف مائل ہو، اب بھی اگر کوئی سلیم الفطرت فرد کہیں کونے کھدرے میں پڑا ہوا، اگر اس کان میں ہیرے کا کوئی ٹکڑا کہیں ابھی تک پڑا رہ گیا ہو، تو وہ بھی نکل آئے اس سے پہلے کہ آخری دروازہ بھی بند کر دیا جائے۔ تو ابھی آخری دروازہ نہ تو منافقین پر بند کیا گیا ہے اور نہ ان اہلِ کتاب پر، بلکہ ﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ﴾ فرما کر ایک دفعہ پھر صلائے عام دے دی گئی ہے کہ اہلِ کتاب میں سے اب بھی اگر کچھ لوگ مائل بہ حق ہیں تو وہ متوجہ ہو جائیں۔

آیات ۱۶۳ تا ۱۶۹

﴿اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ
وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ وَاٰتَیْنَا
دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَكَلَّمَ
اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
یَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا
بَعِیْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیْقَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾﴾

اس رکوع کے شروع میں انبیاء اور رسولوں کے ناموں کا ایک خوبصورت گلدستہ نظر آتا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں ایسے گلدستے خوبصورتی سے سجائے گئے ہیں۔ یہاں آپ کو پے بہ پے انبیاء اور رسولوں کے نام ملیں گے اور پھر اُن میں سے بعض کی اضافی شانوں کا ذکر بھی ملے گا۔ اس کے بعد فلسفہ قرآن کے اعتبار سے ایک بہت اہم آیت بھی آئے گی، جس میں نبوت کا بنیادی مقصد اور اساسی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۱۶۳ ﴿اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ) ہم نے آپؐ کی جانب بھی وحی کی ہے جیسے ہم نے نوحؑ اور ان کے بعد بہت سے انبیاء پر وحی کی تھی۔''

﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ ''اور ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اُن کی اولاد کی طرف بھی وحی کی''

﴿وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾﴾ ''اور عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف (بھی وحی کی)۔ اور داؤدؑ کو تو ہم نے زبور (جیسی کتاب) عطا فرمائی۔''

آیت ۱۶۴ ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ﴾ ''اور (بھیجے) وہ

رسول جن کا ہم اس سے پہلے آپؐ کے سامنے تذکرہ کر چکے ہیں اور ایسے رسول (بھی) جن کے حالات ہم نے آپؐ کے سامنے بیان نہیں کیے۔''

پوری دنیا کی تاریخ بیان کرنا تو قرآن مجید کا مقصد نہیں ہے کہ تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام کی مکمل فہرست دے دی جاتی۔ یہ تو کتابِ ہدایت ہے' تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾﴾ ''اور موسیٰؑ سے تو کلام کیا اللہ نے جیسے کہ کلام کیا جاتا ہے۔''

یہ خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امتیازی شان بیان ہوئی ہے۔ لیکن یہ مکالمہ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ تھا' یعنی پردے کے پیچھے سے' البتہ تھا دُوبدو کلام۔ اب اس کے بعد وہ آیت آ رہی ہے جس میں نبوت کا اساسی مقصد بیان ہوا ہے کہ یہ تمام رسولؑ کس لیے بھیجے گئے تھے۔

آیت ۱۶۵ ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ ''یہ رسولؑ (بھیجے گئے) بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر''

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ ''تاکہ نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت (دلیل) رسولوں کے آنے کے بعد۔''

یہاں پر ایک طرف لِلنَّاسِ کا 'ل' نوٹ کیجیے اور دوسری طرف عَلَى اللّٰهِ کا عَلٰی۔ یہ دونوں حروف متضاد معانی پیدا کر رہے ہیں۔ لِلنَّاسِ کے معنی ہیں لوگوں کے حق میں حجت' جبکہ عَلَى اللّٰهِ کے معنی ہیں اللہ کے خلاف حجت۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

اب آپ آخرت کے احتساب کے فلسفے کو سمجھئے۔ قیامت کے دن ہر کسی کا امتحان ہوگا اور امتحان سے پھر نتائج نکلیں گے' کوئی پاس ہوگا اور کوئی فیل۔ لیکن امتحان سے پہلے کچھ پڑھایا جانا بھی ضروری ہے' کسی کو جانچنے سے پہلے اُسے کچھ دیا بھی جاتا ہے۔ چنانچہ ہمیں دیکھنا ہے کہ قیامت کے امتحان کے لیے ہمیں کیا پڑھایا گیا ہے؟ اس آخری جانچ پڑتال سے پہلے ہمیں کیا کچھ دیا گیا ہے؟ قرآن مجید کے بنیادی فلسفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمع' بصر اور عقل تین بڑی چیزیں دی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر روح بھی ودیعت کی ہے اور نفسِ انسانی میں خیر اور شر کا علم بھی رکھا ہے۔ ان باتوں کی بنا پر انسان وحیٔ الٰہی کی راہنمائی کے بغیر بھی اللہ کے حضور جواب دہ (accountable) ہے کہ جب تمہاری فطرت میں نیکی اور بدی کی تمیز رکھ دی گئی تھی تو تم بدی کی طرف کیوں گئے؟ تو گویا اگر کوئی نبی یا رسول نہ بھی آتا' کوئی کتاب نازل نہ بھی ہوتی' تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے محاسبہ ناحق نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ بنیادی چیزیں جو امتحان اور احتساب کے لیے ضروری تھیں وہ اللہ تعالیٰ انسان کو دے چکا تھا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ پھر بھی انسانوں پر اتمامِ حجت کرتا ہے۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ حجت کیا ہے؟ بنیادی حجت تو عقل ہے جو اللہ نے ہمیں دے رکھی ہے: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿٣٦﴾﴾ (بنی اسرائیل)۔ انسانی نفس کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز بھی ودیعت کر دی گئی ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿٧﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿٨﴾﴾ (الشّمس) پھر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی گئی ہے۔ ان تمام صلاحیتوں اور اہلیتوں کی بنا پر جوابدہی (accountability) کا جواز برحق ہے۔ کوئی نبی آتا یا نہ آتا' اللہ کی یہ حجت تمام انسانوں پر بہرحال قائم ہے۔

اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کرنے کے لیے اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ یہ اضافی شے ہے کہ اللہ نے تم ہی میں سے کچھ لوگوں کو چنا' جو بڑے ہی اعلیٰ کردار کے لوگ تھے۔ تم جانتے تھے کہ یہ ہمارے ہاں کے بہترین لوگ ہیں' ان کے دامنِ کردار پر کوئی داغ دھبہ نہیں ہے' ان کی سیرت و اخلاق کھلی کتاب کی مانند تمہارے سامنے تھے۔ ان کے پاس اللہ نے اپنی وحی بھیجی اور واضح طور پر بتا دیا کہ انسان کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ اس طرح اُس نے تمہارے لیے اس امتحان کو آسان کر دیا' تاکہ اب کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے' کوئی یہ دلیل پیش نہ کر سکے کہ مجھے تو علم ہی نہیں تھا۔ پروردگار! میں تو بے دین ماحول میں پیدا ہو گیا تھا' وہاں سب کے سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پروردگار! میں تو اپنی دو وقت کی روٹی کے دھندے میں ہی ایسا مصروف رہا کہ مجھے کبھی ہوش ہی نہیں آیا کہ دین و ایمان اور اللہ و آخرت کے بارے میں سوچتا۔ لیکن جب رسولؑ آ جاتے ہیں اور رسولوں کے آنے کے بعد حق کھل کر سامنے آ جاتا ہے' حق و باطل کے درمیان امتیاز بالکل واضح طور پر قائم ہو جاتا ہے تو پھر کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے محاسبہ کے مقابلے میں پیش کرنے کے لیے کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ تو یہ ہے اتمامِ حجت کا فلسفہ اور طریقہ اللہ کی طرف سے۔ رسولؑ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟ کسی کو زبردستی تو ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ ہاں جن کے اندر احساس جاگ جائے گا وہ رسولؑ کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں گے' ان سے فائدہ اٹھائیں گے' سیدھے راستے پر چلیں گے۔ ان کے لیے اللہ کے رسول ''مبشر'' ہوں گے' اللہ کے فضل اور جنت کی نعمتوں کی بشارت دینے والے: ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾﴾ (الواقعہ)۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی غلط راستوں پر چلتے رہیں گے' تعصبّ میں' ضد اور ہٹ دھرمی میں' مفادات کے لالچ میں' اپنی چودھراہٹیں قائم رکھنے کے لالچ میں' ان کے لیے رسولؑ ''نذیر'' ہوں گے۔ اُن کو خبردار کریں گے کہ اب تمہارے لیے بدترین انجام کے طور پر جہنم تیار ہے۔ تو رسولوںؑ کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی ہے' یعنی تبشیر اور انذار۔

اس ساری وضاحت کے بعد اب دوبارہ آیت کے الفاظ کو سامنے رکھیے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ ''رسول بھیجے گئے بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر'' یہ تبشیر اور انذار کس لیے؟ ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ ''تاکہ باقی نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت' کوئی عذر' کوئی بہانہ' رسولوں کے آنے کے بعد''۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکیم ہے''۔ وہ عزیز ہے' غالب ہے' زبردست ہے' بغیر رسولوں کے بھی محاسبہ کر سکتا ہے' اس کا اختیار مطلق ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ حکیم بھی ہے' اُس نے محاسبۂ اُخروی کے لیے یہ مبنی بر حکمت نظام بنایا ہے۔ اس ضمن میں ایک بات اور نوٹ کر لیجیے کہ رسالت کا ایک تکمیلی مقصد بھی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ہوا' اور وہ ہے روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کرنا۔ آپؐ نے دعوت کا آغاز اسی تبشیر اور انذار ہی سے فرمایا' جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾﴾ بحیثیتِ رسولؐ یہ آپؐ کی رسالت کے بنیادی مقصد کا اظہار ہے' لیکن اس سے بلندتر درجے میں آپؐ کی

رسالت کی تکمیلی حیثیت کا اظہار سورۃ التوبہ آیت ۳۳، سورۃ الفتح آیت ۲۸ اور سورۃ الصف آیت ۹ میں ایک جیسے الفاظ میں ہوا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ ''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمدﷺ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دینِ حق دے کر تاکہ وہ اسے غالب کر دے پورے دین پر''۔ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں یہ آپؐ کی امتیازی شان ہے۔ میری کتاب ''نبی اکرمﷺ کا مقصدِ بعثت'' میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

آیت ۱۶۶ ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ یَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (۱۶۶)﴾ ''لیکن اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ اُس نے نازل کیا ہے (اے نبیﷺ) آپؐ کی طرف وہ اُس نے نازل کیا ہے اپنے علم سے، اور فرشتے بھی اس پر گواہ ہیں، اگرچہ اللہ (اکیلا ہی) گواہ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔''

آیت ۱۶۷ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (۱۶۷)﴾ ''بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا (خود کو بھی اور دوسروں کو بھی) تو یقیناً وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔''

اب آخری رسولؐ کے آنے کے بعد بھی جو لوگ کفر پر اَڑے رہے، اللہ کے راستے سے رُکے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے، وہ راہِ حق سے بہک گئے، بھٹک گئے، اور اپنے بھٹکنے میں، بہکنے میں، گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

آیت ۱۶۸ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا (۱۶۸)﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ظلم (شرک) کے مرتکب ہوئے اللہ انہیں ہرگز بخشنے والا نہیں ہے، اور نہ انہیں کسی راستے کی ہدایت دے گا۔''

آیت ۱۶۹ ﴿اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا (۱۶۹)﴾ ''سوائے جہنم کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

اب ذرا اس آیت کا تقابل کیجیے آیت ۱۴۷ کے ساتھ ﴿مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ ......﴾ ''اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا......؟'' یقیناً اللہ ایذا پسند (sadist) نہیں ہے، اُسے لوگوں کو عذاب دے کر خوشی نہیں ہوگی۔ لیکن یہ اُس کا ضابطہ اور قانون ہے، اسی پر اس نے دنیا بنائی ہے، اور اپنے اسی ضابطے اور قانون کے عین مطابق وہ مستحقین کو جزا و سزا دے گا۔ یہ اُس پر کوئی بھاری گزرنے والی بات نہیں ہے کہ وہ اپنی ہی مخلوق کو سزا دے۔ بعض ملنگ قسم کے صوفی اس طرح کی باتیں بھی کرتے ہیں کہ اللہ بڑا رحیم ہے، کیا وہ اپنی ہی مخلوق کو جہنم میں جھونک دے گا؟ یہ تو ایسے ہی ڈراوے کے لیے، لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے عذاب اور سزا کی باتیں کی گئی ہیں۔ جیسے باپ بچوں کو ڈانٹتا ہے میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا، ماں کہتی ہے میں تیرا قیمہ کر دوں گی۔ تو کیا وہ سچ مچ اپنے بچوں کا قیمہ کر دے گی؟ لہٰذا یہ تو صرف ڈراوا ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے خیالات و نظریات گمراہ کن ہیں۔ ماں کے لیے تو اپنے بچے کو بڑے سے بڑے قصور پر بھی آگ میں ڈالنا ممکن نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا ○﴾ اللہ کے لیے یہ بہت آسان ہے، بہت ہلکی بات ہے۔

آیات ۱۷۰ تا ۱۷۵

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا (۱۷۰) یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا (۱۷۱) لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا (۱۷۲) فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا (۱۷۳) یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (۱۷۴) فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (۱۷۵)﴾

اب اگلی آیات ایک طرح سے اس سورۃ کا ''حرفِ آخر'' ہیں۔

آیت ۱۷۰ ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ﴾ ''اے لوگو! تمہارے پاس آ چکا ہے رسول حق کے ساتھ، تو اب تم ایمان لے آؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔''

بلکہ آخری الفاظ کا صحیح تر ترجمہ یہ ہوگا کہ ''ایمان لے آؤ، اسی میں تمہاری خیریت ہے''۔ اس آیت کے ایک ایک لفظ میں بہت زور اور جلال ہے اور اب بات بالکل دوٹوک انداز اور حتمی طور پر کی جا رہی ہے۔ یعنی اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی طرف سے کوئی راہنمائی نہیں کی گئی، ہمیں کچھ پتا نہیں تھا، ہم پر بات واضح نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے آخری نبیﷺ کے آ جانے کے بعد تمہارا یہ بہانہ اب ختم ہو گیا۔

﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا (۱۷۰)﴾ ''اور اگر تم لوگ کفر پر اَڑے رہو گے تو (اللہ کا کیا بگاڑ لو گے؟) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے، اور اللہ علیم بھی ہے، حکیم بھی۔''

آ گے اہلِ کتاب سے جو خطاب ہے اس کے مخاطب خاص طور پر عیسائی ہیں' جو حضرت مسیح علیہ السلام کی عقیدت و محبت میں حد سے گزر گئے تھے۔

آیت ۱۷۱ ﴿یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ط﴾ ''اے اہلِ کتاب' اپنے دین میں غُلو (مبالغہ) نہ کرو' اور اللہ کی طرف کوئی شے منسوب نہ کرو سوائے اس کے جو حق ہو۔''

تم آپس کے معاملات میں تو جھوٹ بولتے ہی ہو' مگر اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنا' جھوٹ بول کر اللہ پر اسے تھوپنا کہ اللہ کا یہ حکم ہے' اللہ نے یوں کہا ہے' یہ تو وہی بات ہوئی: بازی بازی با ریش بابا ہم بازی!

﴿اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ﴾ ''دیکھو مسیح عیسیٰؑ ابن مریم تو بس اللہ کے رسولؐ تھے'' وہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک رسولؐ تھے اور بس! اُلوہیت میں ان کا کوئی حصّہ نہیں ہے' وہ خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔

﴿وَکَلِمَتُہٗ ج اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ ز﴾ ''اور وہ اُس کا ایک کلمہ تھے' جو اُس نے اِلقا کیا مریمؑ پر اور ایک روح تھے اُس کی طرف سے''

یعنی حضرت مریمؑ کے رحم میں جو حمل ہوا تھا وہ اللہ کے کلمۂ 'کُن' کے طفیل ہوا۔ بچے کی پیدائش کے طبعی عمل میں ایک حصہ باپ کا ہوتا ہے اور ایک ماں کا۔ اب حضرت مسیحؑ کی ولادت میں ماں کا حصہ تو پورا موجود ہے۔ حضرت مریمؑ کو حمل ہوا' نو مہینے آپؑ رحم میں رہے' لیکن یہاں باپ والا حصہ بالکل نہیں ہے اور باپ کے بغیر ہی آپؑ کی پیدائش ممکن ہوئی۔ ایسے معاملات میں جہاں اللہ کی مشیّت سے ایک لگے بندھے طبعی عمل میں سے اگر کوئی کڑی اپنی جگہ سے ہٹائی جاتی ہے تو وہاں پر اللہ کا مخصوص امر کلمۂ 'کُن' کی صورت میں کفایت کرتا ہے۔ یہاں پر اللہ کے ''کلمہ'' کا یہی مفہوم ہے۔

جہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کو ''رُوْحٌ مِّنْہُ'' قرار دینے کا تعلق ہے تو اگرچہ سب انسانوں کی روح اللہ ہی کی طرف سے ہے' لیکن تمام روحیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ بعض روحوں کے بڑے بڑے اونچے مراتب ہوتے ہیں۔ ذرا تصور کریں روحِ محمدی ﷺ کی شان اور عظمت کیا ہو گی! روحِ محمدیؐ کو عام طور پر ہمارے علماء ''نورِ محمدیؐ'' کہتے ہیں۔ اس لیے کہ روح ایک نورانی شے ہے۔ ملائکہ بھی نور سے پیدا ہوئے ہیں اور انسانی ارواح بھی نور سے پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن سب انسانوں کی ارواح برابر نہیں ہیں۔ حضور ﷺ کی روح کی اپنی ایک شان ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کی اپنی ایک شان ہے۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ قف وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ ط﴾ ''پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر' اور تثلیث (تین خداؤں) کا دعویٰ مت کرو۔''

﴿اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ط﴾ ''باز آ جاؤ' اسی میں تمہاری بہتری (خیریت) ہے۔''
یہ مت کہو کہ الوہیت تین میں ہے۔ ایک میں تین اور تین میں ایک کا عقیدہ مت گھڑو۔

﴿اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰـہٌ وَّاحِدٌ ط سُبْحٰنَہٗٓ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ م﴾ ''جان لو کہ اللہ تو بس ایک ہی الٰہِ واحد ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اُس کا کوئی بیٹا ہو۔''

﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۱۷۱﴾﴾ ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ اُسی کا ہے' اور اللہ کافی ہے بطور کارساز۔''

آیت ۱۷۲ ﴿لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ ط﴾ ''مسیحؑ کو تو اس میں ہرگز کوئی عار نہیں ہے کہ وہ بنے اللہ کا بندہ اور نہ ہی ملائکہ مقربین کو اس میں کوئی عار ہے (کہ انہیں اللہ کا بندہ سمجھا جائے)۔''

مسیح علیہ السلام کو تو اللہ کا بندہ ہونے میں اپنی شان محسوس ہو گی۔ جیسے ہم بھی حضور ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں: وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ تو عبدیت کی شان تو بہت بلند و بالا ہے' رسالت سے بھی اعلیٰ اور ارفع۔ (یہ ایک علیحدہ مضمون ہے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔) چنانچہ حضرت مسیحؑ کے لیے یہ کوئی عار کی بات نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

﴿وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُھُمْ اِلَیْہِ جَمِیْعًا ﴿۱۷۲﴾﴾ ''اور جو کوئی بھی عار سمجھے گا اُس کی بندگی میں اور تکبر کرے گا تو اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔''

آیت ۱۷۳ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ وَیَزِیْدُھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ج﴾ ''پس جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے تو ان کو تو ان کا پورا پورا اجر بھی دے گا اور انہیں مزید بھی دے گا اپنے خاص فضل میں سے۔''

ایسے لوگوں کو ان کے اجر کے علاوہ بونس بھی ملے گا۔ جیسے آپ کسی کام کرنے والے کو اچھا کام کرنے پر اُجرت کے علاوہ انعام (tip) بھی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ فضل سے انہیں ان کے مقررہ اجر سے بڑھ کر نوازے گا۔

﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْکَفُوْا وَاسْتَکْبَرُوْا فَیُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا لا﴾ ''اور جنہوں نے (عبدیت کے اندر) عار محسوس کی تھی اور تکبر کیا تھا تو ان کو وہ دردناک عذاب دے گا''

﴿وَّلَا یَجِدُوْنَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۷۳﴾﴾ ''اور وہ نہیں پائیں گے اپنے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۷۴ ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ ''اے لوگو! آ چکی ہے تمہارے پاس ایک برہان تمہارے ربّ کی طرف سے''

یہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن اور محمد ﷺ مل کر برہان ہوں گے۔ تعارفِ قرآن کے دوران ذکر ہو چکا ہے کہ کتاب اور رسول ﷺ مل کر بیّـنـہ بنتے ہیں' جیسا کہ سورۃ البیّنہ (آیات ۱ تا ۳) میں ارشاد ہوا ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں اسی بیّنہ کو بُرھان کہا گیا ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿۱۷۴﴾﴾ ''اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کر دیا ہے۔''

یہاں چونکہ نور کے ساتھ لفظ انزال آیا ہے اس لیے اس سے مراد لازماً قرآن مجید ہی ہے۔

آیت ۱۷۵ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ﴾ ''پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں گے اور اُس کے ساتھ چمٹ جائیں گے''

یکسو ہو جائیں گے' خالص اللہ والے بن جائیں گے' مذبذب نہیں رہیں گے کہ کبھی اِدھر کبھی اُدھر' بلکہ پوری طرح سے یکسو ہو کر اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جائیں گے۔

﴿فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَفَضْلٍ وَّیَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۱۷۵﴾﴾ ''تو انہیں وہ داخل کرے گا اپنی رحمت اور اپنے فضل میں' اور انہیں ہدایت دے گا اپنی طرف صراطِ مستقیم کی۔''

یَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ یعنی اپنی طرف ہدایت دے گا۔ انہیں سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) پر چلنے کی توفیق بخشے گا اور سہج سہج' رفتہ رفتہ انہیں اپنے خاص فضل و کرم اور جوارِ رحمت میں لے آئے گا۔

آیت ۱۷۶

یَسْتَفْتُوْنَکَ ط قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ ط اِنِ امْرُؤٌا ہَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَہٗٓ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ ج وَھُوَ یَرِثُھَآ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھَا وَلَدٌ ط فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَھُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ ط وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ط یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اس آخری آیت میں پھر ایک استفتاء ہے۔ آیت ۱۲ میں قانونِ وراثت کے ضمن میں ایک لفظ آیا تھا کَلالہ' یعنی وہ مرد یا عورت جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ اس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ اگر اُس کے بہن بھائی ہوں تو اس کی وراثت کا حکم یہ ہے۔ لیکن وہ حکم لوگوں پر واضح نہیں ہو سکا تھا۔ لہٰذا یہاں اس حکم کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ آیت ۱۲ کے حکم کو صرف اَخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ مخصوص مان لینے کے بعد اس توضیحی حکم میں کلالہ کی وراثت کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے۔

آیت ۱۷۶ ﴿یَسْتَفْتُوْنَکَ ط قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ ط﴾ ''(اے نبی ﷺ) یہ آپؐ سے فتویٰ مانگ رہے ہیں۔ کہو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دے رہا ہے۔''

﴿اِنِ امْرُؤٌا ہَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَہٗٓ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ ج﴾ ''اگر کوئی شخص فوت ہو گیا اور اس کی کوئی اولاد نہیں (اور نہ ماں باپ ہیں) اور اس کی صرف ایک بہن ہے تو اس کے لیے اس کے ترکے میں سے نصف ہے۔''

ایسی صورت میں اس کی بہن ایسے ہی ہے جیسے ایک بیٹی ہو تو اسے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا۔

﴿وَھُوَ یَرِثُھَآ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھَا وَلَدٌ ط﴾ ''اور وہ مرد (بھائی) اس (بہن) کا مکمل وارث ہو گا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہیں۔''

یعنی اگر کلالہ عورت تھی جس کی کوئی اولاد نہیں' کوئی والدین نہیں تو اس کا وارث اس کا بھائی بن جائے گا' اس کی پوری وراثت اس کے بھائی کو چلی جائے گی۔

﴿فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَھُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ ط﴾ ''پھر اگر دو (یا دو سے زیادہ) بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی۔''

﴿وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ط﴾ ''اور اگر کئی بہن بھائی ہوں تو ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہو گا۔''

یعنی بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا۔ البتہ یہ بات اہم ہے کہ آیت ۱۲ میں جو حکم دیا گیا تھا وہ اَخیافی بہن بھائیوں کے بارے میں تھا۔ یعنی ایسے بہن بھائی جن کی ماں ایک ہو اور باپ علیحدہ علیحدہ ہوں۔ اُس زمانے کے عرب معاشرے میں تعددِ ازواج کے عام رواج کی وجہ سے ایسے مسائل معمولات کا حصہ تھے۔ باقی عینی یا علاتی بہن بھائیوں (جن کے ماں اور باپ ایک ہی ہوں یا مائیں الگ الگ ہوں اور باپ ایک ہی ہو) کا وہی عام قانون ہو گا جو بیٹے اور بیٹی کا ہے۔ جس نسبت سے بیٹے اور بیٹی میں وراثت تقسیم ہوتی ہے ایسے ہی ان بہن بھائیوں میں ہو گی۔

﴿یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾﴾ ''اللہ واضح کیے دیتا ہے تمہارے لیے مبادا کہ تم گمراہ ہو جاؤ' اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

تعارفِ قرآن کے دوران میں نے بتایا تھا کہ قرآن حکیم کی ایک تقسیم سات احزاب یا منزلوں کی ہے۔ اس اعتبار سے سورۃ النساء پر پہلی منزل ختم ہو گئی ہے۔ فالحمد للّٰہ علٰی ذٰلک!

❁❁❁

سُورۃ المائدۃ

تمہیدی کلمات

سورۃ المائدۃ سے قرآن مجید کی دوسری منزل کا آغاز ہوتا ہے‘ لیکن قرآن حکیم کے مکی اور مدنی سورتوں کے جو گروپس ہیں‘ ان کے اعتبار سے پہلا گروپ ابھی ختم نہیں ہوا‘ بلکہ سورۃ المائدۃ اس گروپ کی آخری سورت ہے۔ ان گروپس کی تفصیل قبل ازیں بیان ہو چکی ہے۔ اُن میں سے پہلا گروپ ایک مکی سورۃ (الفاتحہ) اور چار مدنی سورتوں (البقرۃ‘ آل عمران‘ النساء اور المائدۃ) پر مشتمل ہے۔ مضامین کی مماثلت کے اعتبار سے سورۃ المائدۃ کا ''جوڑا'' سورۃ النساء کے ساتھ بنتا ہے۔ ان دونوں سورتوں کا اسلوب بھی کافی حد تک آپس میں ملتا جلتا ہے‘ البتہ یہاں زیادہ زور اہل کتاب پر ہے۔ اس گروپ کی مدنی سورتوں (البقرۃ‘ آل عمران‘ النساء اور المائدۃ) کے بنیادی موضوعات دو ہیں‘ یعنی اہل کتاب پر اتمام حجت اور احکام شریعت اسلامی۔ ان سورتوں میں ان دونوں موضوعات کا ایک تسلسل ہے جو تدریجاً نظر آتا ہے۔ لہٰذا شریعتِ اسلامی کا جو ابتدائی خاکہ ہمیں سورۃ البقرۃ میں ملتا ہے اور پھر سورۂ آل عمران اور سورۃ النساء میں اس کے خدوخال مزید واضح ہوئے ہیں‘ یہاں سورۃ المائدۃ میں آ کر یہ تکمیلی رنگ اختیار کرتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کی بلند ترین (حکومتی) سطح کے احکام بھی ہمیں اس سورۃ میں ملتے ہیں۔ اسی طرح اہل کتاب سے جس خطاب کی ابتدا سورۃ البقرۃ میں ہوئی تھی‘ یہاں آ کر وہ بھی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔

سورۃ النساء کا آغاز ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ'' سے ہوا تھا‘ جبکہ سورۃ المائدۃ کا آغاز ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا'' کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات ۱ تا ۵

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ
مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (۱) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ
اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ
رَّبِّھِمْ وَرِضْوَانًا ط وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ط وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ص وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (۲) حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ
اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِکُمْ فِسْقٌ ط اَلْیَوْمَ یَئِسَ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ ط اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ
عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ لا
فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۳) یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ ط قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ لا وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ
الْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ ز فَکُلُوْا مِمَّآ اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ وَاذْکُرُوا اسْمَ
اللّٰہِ عَلَیْہِ ص وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (۴) اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ط وَطَعَامُ الَّذِیْنَ
اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ص وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ ص وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ
مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا
مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ط وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ ز وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (۵)﴾

آیت ۱ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط﴾ ''اے اہل ایمان! اپنے عہد و پیمان (قول و قرار) کو پورا کیا کرو۔''

عقدہ گرہ کو کہتے ہیں جس میں مضبوطی سے بندھنے کا مفہوم شامل ہے۔ لہٰذا ''عُقُود'' سے مراد وہ معاہدے ہیں جو باقاعدہ طے پا گئے ہوں۔ معاہدوں اور قول و قرار کی اہمیت یوں سمجھ لیجیے کہ ہماری پوری کی پوری سماجی و معاشرتی زندگی قائم ہی معاہدوں پر ہے۔ معاشرتی زندگی کا بنیادی یونٹ ایک خاندان ہے‘ جس کی بنیاد ایک معاہدے پر رکھی جاتی ہے۔ شادی کیا ہے؟ مرد اور عورت کے درمیان ایک ساتھ زندگی گزارنے کا معاہدہ ہے۔ اس معاہدے سے انسانی معاشرے کی بلند و بالا عمارت کی بنیادی اینٹ رکھی جاتی ہے۔ اس معاہدے کے مطابق فریقین کے کچھ حقوق ہیں اور کچھ فرائض۔ ایک طرف بیوی کے حقوق اور اس کے فرائض ہیں اور دوسری طرف شوہر کے حقوق اور اس کے فرائض۔ بڑے بڑے کاروبار بھی معاہدوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ آجر اور مستاجر کا تعلق بھی ایک معاہدے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح کاروبارِ حکومت‘ حکومتی اداروں میں عہدے اور مناصب‘ چھوٹے بڑے اہلکاروں کی ذمہ داریاں‘ ان کی مراعات اور اختیارات کا معاملہ ہے۔ گویا تمام معاشرتی‘ معاشی اور سیاسی معاملات قرآن حکیم کے ایک حکم پر عمل کرنے سے درست سمت پر چل سکتے ہیں‘ اور وہ حکم ہے ''اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ''۔

﴿اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ﴾ ''تمہارے لیے حلال کر دیے گئے ہیں مویشی قسم کے

تمام حیوانات‘ سوائے اِن کے جوتمہیں پڑھ کر سنائے جا رہے ہیں‘‘

جن کا حکم آگے چل کر تمہیں بتایا جائے گا‘ یعنی خنزیر‘ مردار‘ وغیرہ حرام ہیں۔ باقی جو مویشی قسم کے جانور ہیں‘ وحوش نہیں (مثلاً شیر‘ چیتا وغیرہ وحشی ہیں) وہ حلال ہیں‘ جیسے ہرن‘ نیل گائے اور اس طرح کے جانور جو عام طور پر گوشت خور نہیں ہیں بلکہ سبزے پر ان کا گزارا ہے‘ ان کا گوشت تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ البتہ استثنائی صورتوں کی تفصیل بعد میں تمہیں بتا دی جائے گی۔

﴿غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط﴾ ’’نہ جائز کرتے ہوئے شکار کو جبکہ تم حالتِ احرام میں ہو۔‘‘

یعنی اگر تم نے حج یا عمرے کے لیے احرام باندھا ہوا ہے تو تم اس حالت میں ان حلال جانوروں کا بھی شکار نہیں کر سکتے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ①﴾ ’’بے شک اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے۔‘‘

یہ اللہ کا اختیار ہے‘ وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے‘ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

آیت۲ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ ’’اے اہلِ ایمان! مت بے حرمتی کرو اللہ کے شعائر کی اور نہ حرمت والے مہینے کی‘‘

یعنی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو اپنی خواہش کے مطابق حلال مت کر لیا کرو۔

﴿وَلَا الْهَدْیَ﴾ ’’اور نہ ہدی کے جانوروں کی (بے حرمتی کرو)‘‘

یعنی قربانی کے وہ جانور جو حج یا عمرے پر جاتے ہوئے لوگ ساتھ لے کر جاتے تھے۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ حج یا عمرے پر جاتے وقت قربانی کے جانور ساتھ لے کر جاتے تھے۔ یہاں ان جانوروں کی بے حرمتی کی ممانعت بیان ہو رہی ہے۔

﴿وَلَا الْقَلَآئِدَ﴾ ’’اور نہ (اُن جانوروں کی بے حرمتی ہونے پائے) جن کی گردنوں میں پٹے ڈال دیے گئے ہوں‘‘

یہ پٹے (قلادے) علامت کے طور پر ڈال دیے جاتے تھے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور کعبے کی طرف جا رہے ہیں۔

﴿وَلَآ اٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ﴾ ’’اور نہ عازمین بیت الحرام (کی عزت واحترام میں فرق آئے)‘‘

یعنی وہ لوگ جو بیت الحرام کی طرف چل پڑے ہوں‘ حج یا عمرے کا قصد کر کے سفر کر رہے ہوں‘ اب ان کی بھی اللہ کے گھر کے ساتھ ایک نسبت ہو گئی ہے‘ وہ اللہ کے گھر کے مسافر ہیں‘ جیسا کہ اہلِ عرب حجاجِ کرام کو کہتے ہیں: مَرْحَبًا بِضُیُوْفِ الرَّحْمٰن ’’مرحبا ان لوگوں کو جو رحمٰن کے مہمان ہیں‘‘۔ یعنی تمام حُجاجِ کرام اصل میں اللہ کے مہمان ہیں‘ اللہ ان تمام زائرین کعبہ کا میزبان ہے۔ تو اللہ کے ان تمام مہمانوں کی ہتکِ عزت اور بے حرمتی سے منع کر دیا گیا۔

﴿یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ط﴾ ’’وہ طلب گار ہیں اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے۔‘‘

یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں‘ اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں مکانِ محترم (کعبہ) کی طرف جا رہے ہیں۔

﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ط﴾ ’’ہاں جب تم حلال ہو جاؤ (احرام کھول دو) تو پھر تم شکار کرو۔‘‘

حلال ہو جانا ایک اصطلاح ہے‘ یعنی احرام کھول دینا‘ حالتِ احرام سے باہر آ جانا۔ اب تمہیں شکار کی آزادی ہے‘ اس پر پابندی صرف احرام کی حالت میں تھی۔

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ ’’اور تمہیں آمادہ نہ کر دے کسی قوم کی دشمنی‘‘

﴿اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ’’کہ انہوں نے روکے رکھا تمہیں مسجدِ حرام سے‘‘

﴿اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ﴾ ’’کہ (تم بھی ان پر) زیادتی کرنے لگو۔‘‘

یعنی جیسے اہلِ مکہ نے تم لوگوں کو چھ سات برس تک حج وعمرہ سے روکے رکھا‘ اب کہیں اس کے جواب میں تم لوگ بھی ان پر زیادتی نہ کرنا۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ۠﴾ ’’اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو‘‘

﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠﴾ ’’اور گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو‘‘

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ②﴾ ’’اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘ یقیناً اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔‘‘

دیکھئے یہ انداز بالکل وہی ہے جو سورۃ النساء کا تھا‘ وہی معاشرتی معاملات اور ان کے بارے میں بنیادی اصول بیان ہو رہے ہیں۔ اب آ رہے ہیں وہ استثنائی احکام جن کا ذکر آغازِ سورۃ میں ہوا تھا کہ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ. کھانے پینے کے لیے جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کا ذکر یہاں آخری مرتبہ آ رہا ہے اور وہ بھی بہت وضاحت کے ساتھ:

آیت۳ ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ﴾ ’’حرام کیا گیا تم پر مُردار‘‘

وہ جانور جو خود اپنی موت مر گیا ہو وہ حرام ہے۔

﴿وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ﴾ ’’اور خون اور خنزیر کا گوشت‘‘

﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ’’اور جس پر پکارا گیا اللہ کے سوا کسی اور کا نام‘‘

یعنی وہ جانور جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نامزد ہے‘ اور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کو ذبح کیا جا رہا ہے۔

﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ﴾ ’’اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو‘‘

﴿وَالْمَوْقُوْذَةُ﴾ ’’اور چوٹ لگنے سے جس جانور کی موت واقع ہو گئی ہو‘‘

﴿وَالْمُتَرَدِّيَةُ﴾ ''اور جو جانور کسی اونچی جگہ سے گر کر مر گیا ہو''

﴿وَالنَّطِيْحَةُ﴾ ''اور جو جانور کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے ہلاک ہو گیا ہو''

﴿وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ﴾ ''اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے''

یعنی ''اَلْمَيْتَة'' کی یہ پانچ قسمیں ہیں۔ کوئی جانور ان میں سے کسی سبب سے مر گیا' ذبح ہونے کی نوبت نہیں آئی' اس کے جسم سے خون نکلنے کا امکان نہ رہا' بلکہ خون اس کے جسم کے اندر ہی جم گیا اور اس کے گوشت کا حصہ بن گیا تو وہ مردار کے حکم میں ہو گا۔

﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ ''مگر یہ کہ جسے تم (زندہ پا کر) ذبح کر لو۔''

یعنی مذکورہ بالا اقسام میں سے جو جانور ابھی مرا نہ ہو اور اسے ذبح کر لیا جائے تو اسے کھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً شیر نے ہرن کا شکار کیا' لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہرن مرتا شیر نے کسی سبب سے اسے چھوڑ دیا۔ اس حالت میں اگر اسے ذبح کر لیا گیا اور اس میں سے خون بھی نکلا تو وہ حلال جانا جائے گا۔ جہاں جہاں شیر کا منہ لگا ہو وہ حصہ کاٹ کر پھینک دیا جائے تو باقی گوشت کھانا جائز ہے۔

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ ''اور وہ جانور جو کسی استھان پر ذبح کیا گیا ہو''

یعنی کسی خاص آستانے پر' خواہ وہ کسی ولی اللہ کا مزار ہو یا دیوتا' دیوی کا کوئی استھان ہو' ایسی جگہوں پر جا کر ذبح کیا گیا جانور بھی حرام ہے۔

﴿وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ﴾ ''اور یہ کہ جوئے کے تیروں کے ذریعے سے تقسیم کرو۔''

یہ بھی جوئے کی ایک قسم تھی۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ قربانی کے بعد گوشت کے ڈھیر لگا دیتے تھے اور تیروں کے ذریعے گوشت پر جوا کھیلتے تھے۔

﴿ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾ ''یہ تمام گناہ کے کام ہیں۔''

﴿اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ﴾ ''اب یہ کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں''

یعنی یہ لوگ اب یہ حقیقت جان چکے ہیں کہ اللہ کا دین غالب ہوا چاہتا ہے اور اس کا راستہ روکنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' سورۃ المائدۃ نزول کے اعتبار سے آخری سورتوں میں سے ہے۔ یہ اُس دور کی بات ہے جب عرب میں اسلام کے غلبہ کے آثار صاف نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾ ''تو ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔''

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے''

﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ ''اور تم پر اِتمام فرما دیا ہے اپنی نعمت کا''

﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ''اور تمہارے لیے میں نے پسند کر لیا ہے اسلام کو بحیثیت دین کے۔''

میرے ہاں پسندیدہ اور مقبول دین ہمیشہ ہمیش کے لیے صرف اسلام ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ﴾ ''لیکن جو شخص بھوک میں مضطر ہو جائے (اور کوئی حرام شے کھا لے)''

شدید فاقہ کی کیفیت ہو' بھوک سے جان نکل رہی ہو تو ان حرام کردہ چیزوں میں سے جان بچانے کے بقدر کھا سکتا ہے۔

﴿غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ﴾ ''(بشرطیکہ) اس کا گناہ کی طرف کوئی رُجحان نہ ہو'

نیت میں کوئی فتور نہ ہو' بلکہ حقیقت میں جان پر بنی ہو اور دل میں نافرمانی کا کوئی خیال نہ ہو۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③﴾ ''تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

آیت ۴ ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ﴾ ''(اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کیا حلال ہے؟''

﴿قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ ''آپ (ﷺ انھیں) بتائیں کہ تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں ہیں''

﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ﴾ ''اور یہ جو تم سدھاتے ہو شکاری جانوروں کو' پھر چھوڑتے ہو ان کو شکار کے لیے' انہیں تم نے سکھایا ہے اس میں سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے''

﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ ''تو تم ان کے اُس شکار میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے روک رکھیں''

﴿وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ ''اور اس پر اللہ کا نام لے لو۔''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④﴾ ''یقیناً اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔''

اسے حساب لینے میں دیر نہیں لگتی۔

آیت ۵ ﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ ''آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔''

یہ وہی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ .... والا انداز ہے۔

یعنی اس سے پہلے اگر مختلف مذاہب کے احکام کی وجہ سے' یہود کی شریعت یا حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذاتی پسند و ناپسند کی بنا پر اگر کوئی رکاوٹیں پیدا ہو گئی تھیں یا معاشرے میں رائج مشرکانہ رسومات و اوہام کی وجہ سے تمہارے ذہنوں میں کچھ اُلجھنیں تھیں تو آج ان سب کو صاف کیا جا رہا ہے اور آج تمہارے لیے تمام صاف ستھری اور پاکیزہ چیزوں کے حلال ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ ''اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔''

لیکن یہ صرف اُس صورت میں ہے کہ وہ کھانا اصلاً حلال ہو' کیونکہ اگر ایک عیسائی سؤر کھا رہا ہوگا تو وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہوگا۔ اِس کھانے میں اُن کا ذبیحہ بھی شامل ہے' دو بنیادی شرائط کے ساتھ: ایک یہ کہ جانور حلال ہو اور دوسرے یہ کہ اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔

﴿وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ز﴾ ''اسی طرح تمہارا کھانا بھی ان کے لیے حلال ہے۔''

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ ''اور (تمہارے لیے حلال ہیں) اہل ایمان میں سے خاندانی عورتیں''

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''اور خاندانی عورتیں اُن لوگوں کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی''

یعنی مسلمان مرد عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔

﴿اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ ''جب کہ تم انہیں ادا کر دو ان کے مہر''

﴿مُحْصِنِيْنَ﴾ ''قیدِ نکاح میں لا کر ان کے محافظ بنتے ہوئے''

نیت یہ ہو کہ تم نے ان کو اپنے گھر میں بسانا ہے' مستقل طور پر ایک خاندان کی بنیاد رکھنی ہے۔

﴿غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ ''نہ کہ آزاد شہوت رانی کے لیے''

﴿وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ط﴾ ''اور نہ ہی چوری چھپے آشنائی کرنے کے لیے۔''

بلکہ معروف طریقے سے علی الاعلان نکاح کر کے تم انہیں اپنے گھروں میں آباد کرو اور ان کے محافظ بنو۔ اس ضمن میں بعض اشکالات کا رَفع کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک شریعتِ اسلامی کا حکم ہے تو شریعت رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو چکی ہے' اب اس میں تغیر وتبدل ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے یہ قانون اپنی جگہ قائم ہے اور قائم رہے گا۔ یہ تو ہے اس کا جواز' البتہ اگر آج اس کے خلاف کسی کو کوئی مصلحت نظر آتی ہے تو وہ اپنی جگہ درست ہو سکتی ہے' لیکن اس کے باوجود قانون کو بدلا نہیں جا سکتا۔ البتہ اگر ایک خالص اسلامی ریاست ہو تو حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر کچھ عرصے کے لیے کسی ایسی اجازت یا حکم کو موقوف کیا جا سکتا ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے زمانے میں قحط کے سبب قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو موقوف کر دیا تھا۔ اسی طرح کسی قانون میں اسلامی حکومت کے کسی عارضی انتظامی حکم (Executive Order) کے ذریعے سے کوئی عارضی تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ مزید برآں اس اجازت کے پس منظر میں جو فلسفہ اور حکمت ہے اس کی اصل روح کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ اجازت صرف مسلمان مردوں کو دی گئی ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں' مسلمان عورت عیسائی یا یہودی مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مرد عورت پر غالب ہوتا ہے' لہٰذا امکانِ غالب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اسلام کی طرف راغب کر لے گا۔ دوسرے یہ کہ اُس زمانے میں یہ بات مسلمہ تھی کہ اولاد مرد کی ہے' اور مرد کے غالب اور فعال ہونے کا مطلب تھا کہ ایسے میاں بیوی کی اولاد عیسائی یا یہودی نہیں بلکہ مسلمان ہوگی۔ اُس وقت ویسے بھی مسلمانوں کا غلبہ تھا اور یہودی اور عیسائی ان کے تابع ہو چکے تھے۔ آج کل حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ آج عیسائی اور یہودی غالب ہیں' جبکہ مسلمان انتہائی مغلوب۔ دوسری طرف بین الاقوامی سیاست میں عورتوں کا غلبہ ہے۔ لہٰذا موجودہ حالات میں مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی شادیاں نہ ہوں' لیکن بہر حال ان کو حرام نہیں کہا جا سکتا' کیونکہ اس کے جواز کا واضح حکم موجود ہے۔ ہاں اگر کوئی اسلامی ریاست کہیں قائم ہو جائے تو وہ عارضی طور پر (جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہ آ جائے) اس اجازت کو منسوخ کر سکتی ہے۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ز﴾ ''تو جس شخص نے ایمان کے ساتھ کفر کیا اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے''

اس میں اشارہ اہل کتاب کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ جب تک محمد رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے تھے تب تک وہ اہلِ ایمان تھے لیکن اب اگر وہ نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان نہیں لا رہے تو گویا وہ کفر کر رہے ہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان کا مدعی ہو کر کافرانہ حرکتیں کرے تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

﴿وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۵)﴾ ''اور آخرت میں وہ ہوگا خسارہ اٹھانے والوں میں۔''

آیات ۶ تا ۱۱

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ
وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ط وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا
صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ط مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ
وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۶) وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ لا اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ (۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ
عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۸)
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (۹) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (۱۰) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ
قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۱)﴾

آیت ۶ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ﴾ ''اے اہل ایمان! جب تم کھڑے ہو نماز کے لیے''
یعنی نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو۔

﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ﴾ ''تو دھولیا کرو اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ بھی کہنیوں تک''

﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ﴾ ''اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو''

﴿وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ﴾ ''اور (دھولیا کرو) اپنے دونوں پاؤں بھی ٹخنوں تک۔''

یہاں پر واضح رہے کہ اَرْجُلَکُمْ اور اَرْجُلِکُمْ دونوں قراءتیں مستند ہیں' لہٰذا اہل تشیع اس کو مستقلاً اَرْجُلِکُمْ پڑھتے ہیں اور ان کے نزدیک اس میں پاؤں پر مسح کا حکم ہے۔ چنانچہ وہ ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ﴾ کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ''اور مسح کرلیا کرو اپنے سروں پر بھی اور اپنے پاؤں پر بھی''۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک یہ اَرْجُلَکُمْ ہے اور اِلَی الْکَعْبَیْنِ کے اضافے سے یہاں پاؤں کو دھونے کا حکم بالکل واضح ہوگیا ہے۔ اگر صرف مسح کرنا مطلوب ہوتا تو اس میں کوئی حد بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لہٰذا اِلَی الْکَعْبَیْنِ کی شرط سے یہ ٹکڑا ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ﴾ کے بالکل مساوی ہوگیا ہے۔ جیسے ہاتھوں کا دھونا ہے کہنیوں تک' ایسے ہی پاؤں کا دھونا ہے ٹخنوں تک۔ اس حکم میں وضو کے فرائض بیان ہوئے ہیں۔

﴿وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا﴾ ''اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو پھر تم اور زیادہ پاکی حاصل کرو۔''
یعنی پورے جسم کا غسل کرو۔ جنابت کی حالت میں نماز پڑھنا یا قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔

﴿وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ﴾ ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو''

﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ ''یا تم میں سے کوئی کسی نشیبی جگہ سے ہو کر آئے''
یہ استعارہ ہے قضائے حاجت کے لیے۔ عام طور پر لوگ قضائے حاجت کے لیے نشیبی جگہوں پر جاتے تھے۔

﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ ''یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو''

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ ''اور تمہیں پانی دستیاب نہ ہو''

﴿فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا﴾ ''تو ارادہ کرلو پاک مٹی کا''
یعنی پاک مٹی سے تیمّم کرلیا کرو۔

﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ مِّنْہُ﴾ ''تو اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو مل لو۔''

﴿مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ ''اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے''

﴿وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ﴾ ''بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کردے''

﴿وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝﴾ ''اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے تاکہ تم شکر گزار بن سکو۔''

آیت ۷ ﴿وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ بِہٖٓ﴾ ''اور اللہ نے تمہیں جو اپنی نعمت عطا کی ہے اس کو یاد رکھو اور اس معاہدے کو بھی جو اُس نے تم سے باندھ لیا ہے (یا جس میں اس نے تمہیں باندھ لیا ہے)''

ایک میثاق وہ تھا جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا' اب ایک میثاق یہ ہے جو اہل ایمان سے ہو رہا ہے۔ چونکہ یہ سورۃ شروع ہوئی تھی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا سے' یعنی اہل ایمان سے خطاب ہے' لہٰذا اس میثاق میں بھی اہل ایمان ہی مخاطب ہیں۔

﴿اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ''جب تم نے کہا تھا ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔''

سورۃ البقرۃ کی (آخری آیت سے پہلے والی آیت میں اہل ایمان کا یہ اقرار موجود ہے: ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۝﴾۔ اب جو مسلمان بھی سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتا ہے وہ گویا ایک میثاق اور ایک بہت مضبوط معاہدے کے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندھ جاتا ہے۔ یعنی اب اُسے اللہ کی شریعت کی پابندی کرنی ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔''

آیت ۸ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ''

یہاں پر سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کا حوالہ ضروری ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ اور زیر مطالعہ آیت (المائدۃ: ۸) میں ایک ہی مضمون بیان ہوا ہے' فرق صرف یہ ہے کہ ترتیب عکسی ہے (دونوں سورتوں کی نسبتِ زوجیت بھی مدنظر رہے)۔ وہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ﴾ اور یہاں الفاظ ہیں: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾۔ ایک حقیقت تو میں نے اُس وقت بیان کردی تھی کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ گویا ''اللہ'' اور ''قسط'' مترادف ہیں۔ ایک جگہ فرمایا: ''قسط کے لیے کھڑے ہو جاؤ'' اور دوسری جگہ فرمایا: ''اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ''۔ اسی طرح ایک جگہ ''اللہ کے گواہ بن جاؤ'' اور دوسری جگہ ''قسط کے گواہ بن جاؤ'' فرمایا۔ تو گویا ''اللہ'' اور ''قسط'' ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر آئے ہیں۔

دوسرا اہم نکتہ اس آیت سے ہمارے سامنے یہ آرہا ہے کہ معاشرے میں عدل قائم کرنے کا حکم ہے۔ انسان فطرتاً انصاف پسند ہے۔ انصاف عام انسان کی نفسیات اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ آج پوری نوعِ انسانی انصاف کی تلاش میں

سرگرداں ہے۔ انصاف ہی کے لیے انسان نے بادشاہت سے نجات حاصل کی اور جمہوریت کو اپنایا تا کہ انسان پر انسان کی حاکمیت ختم ہو' انصاف میسر آئے' مگر جمہوریت کی منزل سراب ثابت ہوئی اور ایک دفعہ انسان پھر سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ اب سرمایہ دار اس کے آقا اور ڈکٹیٹر بن گئے۔ اس لعنت سے نجات کے لیے اُس نے کمیونزم (Communism) کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر یہاں بھی متعلقہ پارٹی کی آمریت (One Party Dictatorship) اس کی منتظر تھی۔ گویا ''رُست از یک بند تا اُفتاد در بندے دِگر'' یعنی ایک مصیبت سے نجات پائی تھی کہ دوسری آفت میں گرفتار ہو گئے۔ اب انسان عدل اور انصاف حاصل کرنے کے لیے کہاں جائے؟ کیا کرے؟ یہاں پر ایک روشنی تو انسان کو اپنی فطرت کے اندر سے ملتی ہے کہ اس کی فطرت انصاف کا تقاضا کرتی ہے اور اپنی فطرت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے وہ عدل قائم کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے' مگر اس سے اوپر بھی ایک منزل ہے اور وہ یہ ہے کہ ''العدل'' اللہ کی ذات ہے جس کا دیا ہوا نظام ہی عادلانہ نظام ہے۔ ہم اُس کے بندے ہیں' اُس کے وفادار ہیں' لہٰذا اُس کے نظام کو قائم کرنا ہمارے ذمے ہے' ہم پر فرض ہے۔ چنانچہ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ﴾ میں اسی بلند تر منزل کا ذکر ہے۔ یہ صرف فطرتِ انسانی ہی کا تقاضا نہیں بلکہ تمہاری عبدیت کا تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کے رشتے کا تقاضا ہے کہ پوری قوت کے ساتھ' اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ' جو بھی اسباب و ذرائع میسر ہوں ان سب کو جمع کر کے کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے! یعنی اللہ کے دین کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور اس دین میں جو تصور ہے عدل' انصاف اور قسط کا اُس عدل و انصاف اور قسط کو قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ ہے اس حکم کا تقاضا۔

اب دیکھئے' وہاں (سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں) کیا تھا: ''اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ واسطے کے گواہ بن جاؤ''۔ ﴿وَلَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ﴾ ''اگرچہ اس کی (تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی) زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔''

انصاف سے روکنے والے عوامل میں سے ایک اہم عامل مثبت تعلق یعنی محبت ہے۔ اپنی ذات سے محبت' والدین اور رشتہ داروں وغیرہ کی محبت انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ میں اپنے خلاف کیسے فتویٰ دے دوں؟ اپنے ہی والدین کے خلاف کیونکر فیصلہ سنا دوں؟ سچی گواہی دے کر اپنے عزیز رشتہ دار کو کیسے پھانسی چڑھا دوں؟ لہٰذا ''وَلَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِكُمۡ ......'' فرما کر اس نوعیت کی تمام عصبیتوں کی جڑ کاٹ دی گئی کہ بات اگر حق کی ہے' انصاف کی ہے تو پھر خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جا رہی ہو' تمہارے والدین پر ہی اس کی زد کیوں نہ پڑ رہی ہو' تمہارے عزیز رشتہ دار ہی اس کی کاٹ کے شکار کیوں نہ ہو رہے ہوں' اس کا اظہار بغیر کسی مصلحت کے ڈنکے کی چوٹ پر کرنا ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا عامل منفی تعلق ہے' یعنی کسی فرد یا گروہ کی دشمنی' جس کی وجہ سے انسان حق بات کہنے سے پہلو تہی کر جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ بات تو حق کی ہے مگر ہے تو وہ میرا دشمن' لہٰذا اپنے دشمن کے حق میں آخر کیسے فیصلہ دے دوں؟ آیت زیرِ نظر میں اس عامل کو بیان کرتے ہوئے دشمنی کی بنا پر بھی کتمانِ حق سے منع کر دیا گیا:

﴿وَلَا یَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ﴾ ''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل سے منحرف ہو جاؤ۔''

﴿اِعۡدِلُوۡا ۟﴾ ''عدل سے کام لو''

﴿هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫﴾ ''یہی قریب تر ہے تقویٰ کے''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۸﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ یقیناً اس سے باخبر ہے۔''

''تمہارا کوئی عمل اور کوئی قول اس کے علم سے خارج نہیں' لہٰذا ہر وقت چوکس رہو' چوکنے رہو۔ (آیت زیرِ نظر اور سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کے معانی و مفہوم کا باہمی ربط اور الفاظ کی عکسی اور reciprocal ترتیب کا حسن لائقِ توجہ ہے۔)

آیت ۹ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۹﴾ ''اللہ کا وعدہ ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور اجرِ عظیم بھی۔''

آیت ۱۰ ﴿وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ۱۰﴾ ''اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں۔''

آیت ۱۱ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ یَّبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡكُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ﴾ ''اے اہلِ ایمان! ذرا یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو اس نے تم پر کیا جب ارادہ کیا تھا ایک قوم نے کہ تمہارے خلاف اپنے ہاتھ بڑھائیں''

﴿فَكَفَّ اَیۡدِیَهُمۡ عَنۡكُمۡ ۚ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا تم سے۔''

یہ غزوۂ احزاب کے بعد کے حالات پر تبصرہ ہے۔ اس غزوہ کے بعد ابھی کفار میں سے بہت سے لوگ پیچ و تاب کھا رہے تھے اور بعید نہیں تھا کہ وہ دوبارہ مہم جوئی کرتے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیے اور ان کے دلوں میں ایسا رُعب ڈال دیا کہ وہ دوبارہ لشکر کشی کی جرأت نہ کر سکے۔ اس صورتِ حال کا ذکر اللہ تعالیٰ یہاں پر اپنے انعام کے طور پر کر رہے ہیں کہ جب کفار نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں' تمہارے اوپر زیادتی کرنے کے لیے' تم پر فوج کشی کے لیے اقدام کریں۔

اس میں خاص طور پر اشارہ صلح حدیبیہ کی طرف ہے۔ اُس وقت بھی قریش لڑائی کے لیے بیتاب ہو رہے تھے' ان کے نوجوانوں کا خون کھول رہا تھا' لیکن بالآخر انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو گیا کہ اب ہم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور ان کے ہاتھوں کو مسلمانوں کے خلاف اٹھنے سے روک دیا۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۱۱﴾ ''اور تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اور اہلِ ایمان کو تو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔''

آیات ۱۲ تا ۱۹

﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ
لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ (۱۲) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۳) وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا
نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۱۴) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا
يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ڛ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ
وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (۱۵) يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱۶) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ
مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۷) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (۱۸) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا
يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ
بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۹)﴾

اب یہاں سے بنی اسرائیل کی تاریخ کے چند واقعات آ رہے ہیں۔

آیت ۱۲ ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی میثاق لیا تھا۔''
یعنی اے مسلمانو! جس طرح آج تم سے یہ میثاق لیا گیا ہے اور اللہ نے تمہیں شریعت کے میثاق میں باندھ لیا ہے' بالکل

اسی طرح کا میثاق اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے بنی اسرائیل سے بھی لیا تھا۔

﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ﴾ ''اور ان میں ہم نے مقرر کیے تھے بارہ نقیب۔''

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے' ہر قبیلے میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک نقیب مقرر کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی انصار میں بارہ نقیب فرمائے تھے' نو خزرج میں سے اور تین اوس سے۔

﴿وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ﴾ ''اور اللہ نے (ان سے) فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

میری مدد' میری تائید' میری نصرت تمہارے ساتھ شامل حال رہے گی۔

﴿لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ﴾ ''اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے''

﴿وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ﴾ ''اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے''

﴿وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ﴾ ''اور ان (رسولوں) کی تم مدد کرتے رہے''

یہ جن رسولوں کا ذکر ہے وہ پے در پے بنی اسرائیل میں آتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو رسالت کا یہ سلسلہ ایک تار کی مانند تھا جو چھ سو برس تک ٹوٹا ہی نہیں۔ پھر ذرا سا وقفہ چھ سو برس کا آیا اور پھر اس کے بعد نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لائے۔

﴿وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہے''

یعنی اللہ کے دین کے لیے مال خرچ کرتے رہے۔

﴿لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ ''تو میں لازماً دور کر دوں گا تم سے تمہاری برائیاں''

﴿وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ﴾ ''اور میں لازماً داخل کر دوں گا تمہیں ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔''

﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ (۱۲)﴾ ''تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر رہ گیا۔''

آیت ۱۳ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ﴾ ''پس ان کے اپنے اس عہد کو توڑنے کے باعث ہم نے ان پر لعنت فرمائی''

میں نے سورۃ النساء آیت ۱۵۵ میں ''لَعَنّٰهُمْ'' محذوف قرار دیا تھا' لیکن یہاں پر یہ واضح ہو کر آ گیا ہے کہ ہم نے ان کے اس میثاق کو توڑنے کی پاداش میں اُن پر لعنت فرمائی۔

﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ﴾ ''اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔''

جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۷۴) میں فرمایا: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ

قَسۡوَۃً ۚ﴾ ''پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس کے بعد' پتھروں کی طرح بلکہ پتھروں سے بھی بڑھ کر سخت''۔ یہاں پر وہی بات دہرائی گئی ہے۔

﴿یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ ۙ﴾ ''وہ کلام کو اس کے اصل مقام سے ہٹاتے تھے''

﴿وَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ ۚ﴾ ''اور جو کچھ ان کو دیا گیا تھا نصیحت کے طور پر اس کے اکثر حصے کو وہ بھول گئے''

اور انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا۔

﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنۡہُمۡ﴾ ''اور (اے نبیؐ) آپ ہمیشہ ان کی طرف سے خیانت کی اطلاع پاتے رہیں گے''

رسول اللہ ﷺ جیسے ہی مدینہ پہنچے تھے تو آپ ﷺ نے اس نئی جگہ پر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے پہلے چھ مہینوں میں جو تین کام کیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہود کے تینوں قبیلوں سے مدینہ کے مشترکہ دفاع کے معاہدے کر لیے کہ اگر مدینے پر حملہ ہوگا تو سب مل کر اس کا دفاع کریں گے' لیکن بعد میں ان میں سے ہر قبیلے نے ایک ایک کر کے غداری کی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی طرف سے مسلسل خیانتیں ہوتی رہیں گی' لہٰذا آپ کو ان کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ان کا توڑ کرنے کے لیے پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔

﴿اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡہُمۡ﴾ ''سوائے ان میں سے چند ایک کے''

ان میں سے بہت تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

﴿فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَاصۡفَحۡ ؕ﴾ ''لہٰذا (ابھی) آپؐ انہیں معاف کرتے رہیں اور درگزر سے کام لیں۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿وَمِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَہُمۡ﴾ ''اور جن لوگوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں' ہم نے ان سے بھی میثاق لیا''

﴿فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ ۪﴾ ''تو وہ بھی بھول گئے بڑا حصہ اُس کا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی۔''

وہ اس نصیحت سے فائدہ اٹھانا بھول گئے۔

﴿فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَہُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ؕ﴾ ''تو ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔''

یہاں ایک اہم نکتہ تو یہ ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان پورے انیس سو برس شدید دشمنی رہی ہے۔ موجودہ دور میں صورتِ حال عارضی طور پر کچھ تبدیل ہوگئی ہے۔ عیسائی جنہیں اللہ کا بیٹا بلکہ خدا سمجھتے ہیں' یہودیوں نے انہیں ولدالزنا قرار دیا اور کافر و مرتد کہتے ہوئے واجب القتل ٹھہرایا۔ یہ بنیادی اختلاف دونوں مذاہب کے پیروکاروں میں اس قدر اہم اور شدید ہے کہ اس کی موجودگی میں دونوں میں اتحاد و اتفاق ممکن ہی نہیں۔ لیکن آیت زیر نظر میں بنیادی طور پر عیسائیوں کی آپس کی دشمنی اور ان کا باہمی بغض و عناد مراد ہے۔ ان کے مختلف فرقوں کے درمیان نظریاتی اختلافات ان کی دلی کدورتوں اور نفرتوں سے بڑھ کر بار ہا باہمی جنگ و جدل کی شکل میں نمودار ہوتے رہے ہیں۔ مذہبی بنیادوں پر عیسائی فرقوں کی آپس کی خانہ جنگیوں کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مذہب کے نام پر عیسائیوں کی خون ریزی اور قتل و غارت گری کی عبرت آموز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی تفصیلات ''Blood on the Cross'' نامی ضخیم کتاب میں ملتی ہیں' جو لندن سے شائع ہوئی ہے۔ خاص طور پر پروٹسٹنٹس (Protestants) اور کیتھولکس (Catholics) کی باہمی چپقلش تو کوئی پوشیدہ راز نہیں' جس کی ہلکی سی جھلک آج بھی ہمیں آئرلینڈ میں نظر آتی ہے۔

﴿وَسَوۡفَ یُنَبِّئُہُمُ اللّٰہُ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ جتلا دے گا انہیں جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔''

اب پھر وہی انداز ہے جو سورۃ النساء کے آخر میں تھا۔

آیت ۱۵ ﴿یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلُنَا﴾ ''اے اہل کتاب' آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول''

﴿یُبَیِّنُ لَکُمۡ کَثِیۡرًا مِّمَّا کُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡکِتٰبِ﴾ ''جو ظاہر کر رہا ہے تم پر وہ بہت سی باتیں جن کو تم چھپا رہے تھے کتاب میں سے''

﴿وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ۬ؕ﴾ ''اور بہت سی باتوں سے تو درگزر بھی کر رہا ہے۔''

﴿قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾﴾ ''آ چکا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور بھی اور ایک روشن کتاب بھی۔''

یہاں نور سے مراد نبی اکرم ﷺ کی شخصیت بھی ہو سکتی ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۷۴ میں جو فرمایا گیا: ﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا﴾ ''اور نازل کر دیا ہے ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور'' وہاں نور سے مراد قرآن ہے' اس لیے کہ حضور ﷺ کے لیے فعل اَنۡزَلۡنَا درست نہیں۔ لیکن یہاں زیادہ احتمال یہی ہے کہ نور سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے' یعنی آپ ﷺ کی روحِ پُر نور' کیونکہ آپ ﷺ کی روح اور روحانیت آپ ﷺ کے پورے وجود پر غالب تھی' چھائی ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کو نورِ مجسم بھی کہا جا سکتا ہے۔ گویا آپ ﷺ کو استعارۃً ''نور'' کہا گیا ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں نور بھی قرآن پاک ہی کو کہا گیا ہو اور ''وَ'' اس میں واوِ تفسیری ہو۔ اس صورت میں مفہوم یوں ہوگا: ''آ گیا ہے تمہارے پاس نور یعنی کتابِ مبین''۔

آیت ۱۶ ﴿یَّہۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ ''اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ رہنمائی فرماتا ہے ان

کی جو اس کی رضا کے طالب ہیں' سلامتی کے راستوں کی طرف''

﴿وَیُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَیَهۡدِیۡهِمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۶﴾﴾ ''اور نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے اور ان کی رہنمائی فرماتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔''

آیت ۱۷ ﴿لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ﴾ ''یقیناً کفر کیا انہوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے ہاں جو دو عقیدے رہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ ہی مسیحؑ ہے۔ اس عقیدے کی بنیاد اس نظریہ پر قائم ہے کہ خدا خود ہی انسانی شکل میں ظہور کر لیتا ہے۔ اس عقیدے کو God Incarnate کہا جاتا ہے' یعنی اوتار کا عقیدہ جو ہندوؤں میں بھی ہے۔ جیسے رام چندر جی' کرشن جی مہاراج اُن کے ہاں خدا کے اوتار مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں کا فرقہ Jacobites خاص طور پر God Incarnate کے عقیدے کا سختی سے قائل رہا ہے' کہ اصل میں اللہ ہی نے حضرت مسیحؑ کی شکل میں دنیا میں ظہور فرمایا۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض لوگ نبی مکرم ﷺ کی محبت و عقیدت اور عظمت کے اظہار میں غلو سے کام لے کر حد سے تجاوز کرتے ہوئے یہاں تک کہہ جاتے ہیں: ؎

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر
اُتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

عیسائیوں کے اسی عقیدے کا ابطال اس آیت میں کیا گیا ہے۔

﴿قُلۡ فَمَنۡ یَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا﴾ ''تو ان سے پوچھئے کون ہے جسے اختیار رہو اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی''

﴿اِنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّهۡلِكَ الۡمَسِیۡحَ ابۡنَ مَرۡیَمَ وَاُمَّهٗ﴾ ''اگر وہ ہلاک کرنا چاہے مسیحؑ ابن مریم کو اور اس کی ماں کو''

﴿وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ؕ﴾ ''اور جو زمین میں ہیں ان سب کو''

اگر اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اس کا ہاتھ روک لے گا؟

﴿وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا ؕ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے (سب کی)۔''

﴿یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ﴾ ''وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

وہ جو چاہتا ہے' جیسے چاہتا ہے' تخلیق فرماتا ہے۔ اُس نے آدم' عیسیٰ اور یحییٰ (علیہم السلام) کو تخلیق فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اعجازِ تخلیق کی مختلف مثالیں ہیں۔

آیت ۱۸ ﴿وَقَالَتِ الۡیَهُوۡدُ وَالنَّصٰرٰی نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ﴾ ''یہودی اور نصرانی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے بڑے چہیتے ہیں۔''

یعنی بیٹوں کی مانند ہیں' بڑے لاڈلے اور پیارے ہیں۔

﴿قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمۡ بِذُنُوۡبِكُمۡ ؕ﴾ ''(تو ان سے) کہیے کہ پھر وہ تمہیں عذاب کیوں دیتا رہا ہے تمہارے گناہوں کی پاداش میں؟''

اگر تم اللہ کی اولاد ہو' اس کے بڑے چہیتے ہو' تو کیا اسی لیے بخت نصر (Nebukadnezar) کے ہاتھوں اُس نے تمہیں پٹوایا' تمہارے چھ لاکھ افراد قتل کروا دیے' چھ لاکھ قیدی بنے' تمہارا ہیکل اوّل بھی شہید کر دیا گیا۔ پھر آشوریوں نے تمہاری سلطنت اسرائیل کو روند ڈالا۔ پھر یونانیوں کے ہاتھوں تمہارا استحصال ہوا۔ پھر رومیوں نے تمہارے اوپر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے اور رومن جنرل طیطس (Titus) نے تمہارا دوسرا ہیکل بھی مسمار کر دیا۔ کیا ایسے ہی لاڈلے ہوتے ہیں اللہ کے؟ کیا اللہ اتنا ہی لاچار اور عاجز ہے کہ اپنے لاڈلوں کو ذلت و خواری اور ظلم و ستم سے بچا نہیں سکتا؟

﴿بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ ؕ﴾ ''(نہیں) بلکہ تم بھی انسان ہو جیسے دوسرے انسان اس نے پیدا کیے ہیں۔''

﴿یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ''وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔''

﴿وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا ۫﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے' سب کی بادشاہی''

﴿وَاِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۸﴾﴾ ''اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا﴾ ''اے اہل کتاب! تمہارے پاس آ چکا ہے ہمارا رسول''

﴿یُبَیِّنُ لَكُمۡ عَلٰی فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ''جو تمہارے لیے (دین کو) واضح کر رہا ہے' رسولوں کے ایک وقفے کے بعد''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان چھ سو برس ایسے گزرے ہیں کہ اس دوران دنیا میں کوئی نبی' کوئی رسول نہیں رہا۔ اس وقفے کو اصطلاح میں 'فترت' کہا جاتا ہے۔ پھر حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور پھر اس کے بعد تا قیام قیامت رسالت کا دروازہ بند ہو گیا۔

﴿اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا جَآءَنَا مِنۡۢ بَشِیۡرٍ وَّلَا نَذِیۡرٍ ۫﴾ ''مبادا تم کہو کہ ہمارے پاس تو آیا ہی نہیں تھا کوئی بشارت دینے والا اور نہ کوئی خبردار کرنے والا''

﴿فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَشِیۡرٌ وَّنَذِیۡرٌ ؕ﴾ ''تو (سن لو!) آ گیا ہے تمہارے پاس بشارت دینے والا اور خبردار

کرنے والا''

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

سورۃ النساء میں یہی بات اس انداز سے بیان ہو چکی ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ١٦٥﴾

آیات ۲۰ تا ۲۶

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ㉑ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ڰ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ㉒ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ڬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ㉓ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ㉔ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ㉕ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ㉖﴾

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ آ رہا ہے جب آپؑ مصر سے اپنی قوم کو لے کر نکلے' صحرائے سینا میں رہے' آپؑ کو کوہِ طور پر بلایا گیا اور تورات دی گئی۔ اس کے بعد انہیں حکم ہوا کہ فلسطین میں داخل ہو جاؤ اور وہاں پر آباد مشرک اور کافر قوم (جو فلسطی کہلاتے تھے) کے ساتھ جنگ کرو اور انہیں وہاں سے نکالو' کیونکہ یہ ارضِ مقدس تمہارے لیے اللہ کی طرف سے موعود ہے۔ اس لیے کہ ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا تعلق اس خطہ سے تھا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل مصر میں منتقل ہوئے تو انہیں حکم ہوا کہ اب جاؤ' اپنے اصل گھر (ارضِ فلسطین) کو دوبارہ حاصل کرو۔ لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا کہ ہم جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جو تلخی پیدا ہوئی اور طبیعت کے اندر بے زاری کی جو کیفیت پیدا ہوئی' اس کی شدت یہاں نظر آتی ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ رسول اپنی اُمت کے حق میں سراپا شفقت ہوتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کی مانند ہے۔ جیسے اللہ رؤف بھی ہے' وَدُود بھی' لیکن ساتھ ہی وہ عزیزٌ ذُوانتقام بھی ہے (اللہ کی یہ دونوں شانیں ایک ساتھ ہیں) اسی طرح رسول کا معاملہ ہے کہ رسول شفیق اور رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ غیور بھی ہوتا ہے۔ نبی کے دل میں دین کی غیرت اپنے پیروکاروں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا قوم کے منفی ردِّعمل پر نبی کی بے زاری لازمی ہے۔

یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ سمجھنے کا یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو پے در پے معجزات کے ظہور نے تساہل پسند بنا دیا تھا۔ پیاس لگی تو چٹان پر موسیٰ علیہ السلام کی ایک ہی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' بھوک محسوس ہوئی تو منّ وسلویٰ نازل ہو گیا' دھوپ نے ستایا تو ابر کا سائبان ساتھ ساتھ چل پڑا' سمندر راستے میں آیا تو عصا کی ضرب سے راستہ بن گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس لاڈ پیار کی وجہ سے وہ بگڑ گئے' آرام طلب ہو گئے' مشکل کی ہر گھڑی میں انہیں معجزے کے ظہور کی عادت سی پڑ گئی اور جنگ کے موقع پر دشمن کا سامنا کرنے سے انکار کر دیا' باوجود یکہ اُن کے کم از کم ایک لاکھ افراد تو ایسے تھے جو جنگ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہی حکمت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی میں اس قسم کا کوئی معجزہ نظر نہیں آتا' بلکہ یہ نقشہ نظر آتا ہے کہ مسلمانو! تمہیں جو کچھ کرنا ہے اپنی جان دے کر' ایثار و قربانی سے' محنت و مشقت سے' بھوک جھیل کر' فاقے برداشت کر کے کرنا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے برعکس رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں ایثار و قربانی' جرأت و بہادری اور بلند ہمتی نظر آتی ہے' جس کی واضح مثال غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَقُوْلُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ لِمُوْسٰى ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ وَلٰكِنِ امْضِ وَنَحْنُ مَعَكَ' فَكَاَنَّهٗ سُرِّيَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (۱)

''یا رسول اللہ! ہم آپؐ سے بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تم اور تمہارا رب جا کر قتال کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ (ہم کہیں گے) آپؐ قدم بڑھائیے' ہم آپؐ کے ساتھ ہیں! اس پر گویا رسول اللہ ﷺ کی پریشانی کا ازالہ ہو گیا''

آیت ۲۰ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ ''اور یاد کرو جب کہا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے''

﴿يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اُس انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے''

﴿اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ﴾ ''جب اُس نے تمہارے اندر نبی اٹھائے''

یعنی خود میں نبی ہوں' میرے بھائی ہارون نبی ہیں۔ حضرت یوسف' حضرت یعقوب' حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سب نبی تھے۔

﴿وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ﴾ ''اور تمہیں بادشاہ بنایا''

اگرچہ اُس وقت تک اُن کی بادشاہت تو قائم نہیں ہوئی تھی مگر ہو سکتا ہے کہ یہ پیشین گوئی ہو کہ آئندہ تمہیں اللہ تعالیٰ زمین کی سلطنت اور خلافت عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کی عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار کی طرف اشارہ ہے' وہ اگرچہ مصر کے

بادشاہ تو نہیں تھے لیکن بادشاہوں کے بھی مخدوم وممدوح تھے اور بنی اسرائیل کو مصر میں پیرزادوں کا سا عزت واحترام حاصل ہو گیا تھا۔

﴿وَّاٰتٰىكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۲۰﴾ ''اور تمہیں وہ کچھ دیا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔''

آیت ۲۱ ﴿يٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِىۡ كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ﴾ ''(تو) اے میری قوم کے لوگو! اب داخل ہو جاؤ اس ارضِ مقدس (فلسطین) میں جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے''

اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ زمین تمہیں ملے گی۔

﴿وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰٓى اَدۡبَارِكُمۡ﴾ ''اور اپنی پیٹھوں کے بل واپس نہ پھرنا''

﴿فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ ۝۲۱﴾ ''(اگر ایسا کرو گے) تو ناکام ونامراد پلٹو گے۔''

آیت ۲۲ ﴿قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ فِيۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِيۡنَ﴾ ''انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس میں تو بڑے زور آور لوگ ہیں''

ہم فلسطین میں کیسے داخل ہو جائیں؟ یہاں تو جو لوگ آباد ہیں وہ بڑے طاقت ور' گراں ڈیل اور زبردست ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

﴿وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا﴾ ''اور ہم اس (سرزمین) میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔''

﴿فَاِنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ۝۲۲﴾ ''ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے۔''

آیت ۲۳ ﴿قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ﴾ ''کہا دو اشخاص نے جو (اللہ کا) خوف رکھنے والوں میں سے تھے''

﴿اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمَا﴾ ''اور اللہ نے بھی ان دونوں پر انعام کیا تھا''

یہ دو اشخاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور قریبی حواری تھے۔ ایک تو یوشع بن نون تھے' جو حضرت موسیٰ کے بعد ان کے جانشین بھی ہوئے اور گمانِ غالب ہے کہ وہ نبی بھی تھے' جبکہ دوسرے شخص کالب بن یفنا تھے۔ ان دونوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھانا چاہا کہ ہمت کرو:

﴿ادۡخُلُوۡا عَلَيۡهِمُ الۡبَابَ﴾ ''تم ان کے مقابلے میں دروازے کے اندر گھس جاؤ۔''

تم لوگ ایک دفعہ دروازے میں گھس کر ان کا سامنا تو کرو۔

﴿فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّكُمۡ غٰلِبُوۡنَ﴾ ''اور جب تم اس میں داخل ہو گئے تو لازماً تم غالب ہو جاؤ گے۔''

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۲۳﴾ ''اور اللہ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو''۔

آیت ۲۴ ﴿قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا﴾ ''انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم تو ہرگز اس شہر میں داخل نہیں ہوں گئے''

﴿مَّا دَامُوۡا فِيۡهَا﴾ ''جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں''

﴿فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ﴾ ''بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور جا کر قتال کرو''

گویا وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ساتھ اپنی یہ لٹھیا بھی لیتے جاؤ' جس نے بڑے بڑے کارنامے دکھائے ہیں' اس کی مدد سے ان جباروں کو شکست دے دو۔

﴿اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ ۝۲۴﴾ ''ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔''

ہم تو یہاں ٹکے ہوئے ہیں' یہاں سے نہیں ہلیں گے' زمیں جنبد' نہ جنبد گل محمد!

یہ مقامِ عبرت ہے' تورات (Book of Exsodus) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لگ بھگ چھ لاکھ افراد نکلے تھے۔ ان میں سے عورتیں' بچے اور بوڑھے نکال دیں تو ایک لاکھ افراد تو جنگ کے قابل ہوں گے۔ مزید محتاط اندازہ لگائیں تو پچاس ہزار جنگجو تو دستیاب ہو سکتے تھے' مگر اس قوم کی پست ہمتی اور نظریاتی کمزوری ملاحظہ ہو کہ چھ لاکھ کے ہجوم میں سے صرف دو اشخاص نے اللہ کے اس حکم پر لبیک کہا۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار!

اب نبی کی بیزاری ملاحظہ فرمائیں۔ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے اپنے ہم قوم اسرائیلی کی مدافعت کرتے ہوئے ایک مکا رسید کر کے قبطی کی جان نکال دی تھی ﴿فَوَكَزَهٗ مُوۡسٰى فَقَضٰى عَلَيۡهِ﴾ (القصص:۱۵) اب اپنی قوم سے کس قدر بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

آیت ۲۵ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِىۡ وَاَخِىۡ﴾ ''موسیٰ نے عرض کیا پروردگار! مجھے تو اختیار نہیں ہے سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی (ہارونؑ کی جان) کے''

باقی یہ پوری قوم انکار کر رہی ہے۔ میرا کسی پر کچھ زور نہیں ہے۔

﴿فَافۡرُقۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝۲۵﴾ ''تو اب تفریق کر دے' ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے رویّے سے اس درجہ آزردہ خاطر ہوئے کہ قوم سے علیحدگی کی تمنا کرنے لگے کہ میں اب ان ناہنجاروں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔ انہوں نے تیری عطا کردہ کیا کچھ نعمتیں برتی ہیں اور میرے ہاتھوں سے کیا کیا معجزے یہ لوگ دیکھ چکے ہیں' اس کے باوجود ان کا یہ حال ہے تو مجھے ان سے علیحدہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی لیکن اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔

آیت ۲۶ ﴿قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيۡهِمۡ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً﴾ ''فرمایا اب یہ (ارضِ مقدس) حرام رہے گی ان پر چالیس

سال تک۔“

یہ ہماری طرف سے ان کی بزدلی کی سزا ہے۔ اگر یہ بزدلی نہ دکھاتے تو ارضِ فلسطین ابھی ان کو عطا کر دی جاتی‘ مگر اب یہ چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی۔

﴿یَتِیۡہُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ”یہ بھٹکتے پھریں گے زمین میں۔“

اس صحرائے سینا میں یہ چالیس سال تک مارے مارے پھرتے رہیں گے۔

﴿فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾﴾ ”تو (اے موسیٰؑ) آپ افسوس نہ کریں اس فاسق قوم پر۔“

اب آپ ان نافرمانوں کا غم نہ کھایئے۔ اب جو کچھ ان پر بیتے گی اس پر آپؑ کو ترس نہیں کھانا چاہیے۔ آپ بہرحال ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں‘ جب تک زندگی ہے آپ کو ان کے ساتھ رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق بنی اسرائیل چالیس برس تک صحرائے سینا میں بھٹکتے پھرے۔ اس دوران میں وہ سب لوگ مر کھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے اور صحرا میں ایک نئی نسل پروان چڑھی جو خوئے غلامی سے مبرا تھی۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد حضرت یوشع بن نون کے عہدِ خلافت میں بنی اسرائیل اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کر سکیں۔

اب ذرا اس پس منظر میں سورۃ النساء میں نازل ہونے والے حکم کو بھی یاد کریں۔ یہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل ہوا ہے: ﴿لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ﴾ لیکن وہاں حضور ﷺ سے فرمایا گیا تھا: ﴿فَقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَکَ وَ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ﴾ (النساء:۸۴) ”(اے نبی ﷺ) آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے‘ آپؐ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں‘ البتہ اہل ایمان کو بھی ترغیب دیں“۔ آپؐ پر کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے سوائے اپنی جان کے‘ البتہ آپؐ اہل ایمان کو جس قدر ترغیب و تشویق دلا سکتے ہیں دلائیں‘ ان کے جذباتِ ایمانی کو جس جس انداز سے اپیل کرنا ممکن ہے کریں‘ اور بس اس سے زیادہ آپؐ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

اب پانچویں رکوع میں قتل ناحق‘ ملک میں فساد پھیلانے اور چوری ڈاکے جیسے جرائم کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر اور پھر ان کی سزاؤں کا ذکر ہو گا۔

آیات ۲۷ تا ۳۴

﴿وَ اتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِہِمَا وَ لَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقۡتُلَنَّکَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡکَ لِاَقۡتُلَکَ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِکَ فَتَکُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتۡ لَہٗ نَفۡسُہٗ قَتۡلَ اَخِیۡہِ فَقَتَلَہٗ فَاَصۡبَحَ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ لِیُرِیَہٗ کَیۡفَ یُوَارِیۡ سَوۡءَۃَ اَخِیۡہِ ؕ قَالَ یٰوَیۡلَتٰۤی اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِثۡلَ ہٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوۡءَۃَ اَخِیۡ ۚ فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾ مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ ۚ کَتَبۡنَا عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَنَّہٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَیۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ وَ مَنۡ اَحۡیَاہَا فَکَاَنَّمَاۤ اَحۡیَا النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ وَ لَقَدۡ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ بَعۡدَ ذٰلِکَ فِی الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِکَ لَہُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَیۡہِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۴﴾﴾

آیت ۲۷ ﴿وَ اتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ﴾ ”اور (اے نبیؐ) ان کو پڑھ کر سنایئے آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ حق کے ساتھ۔“

﴿اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا﴾ ”جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی“

﴿فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِہِمَا وَ لَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ﴾ ”تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی‘ جبکہ دوسرے کی قبول نہیں کی گئی۔“

آدمؑ کے یہ دو بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ ہابیل بھیڑ بکریاں چراتا تھا اور قابیل کاشت کار تھا۔ ان دونوں نے اللہ کے حضور قربانی دی۔ ہابیل نے کچھ جانور پیش کیے‘ جبکہ قابیل نے اناج نذر کیا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی مگر قابیل کی قبول نہیں ہوئی۔ اُس زمانے میں قربانی کی قبولیت کی علامت یہ ہوتی تھی کہ آسمان سے ایک شعلہ نیچے اترتا تھا اور وہ قربانی کی چیز کو جلا کر بھسم کر دیتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے قربانی کو قبول فرما لیا۔

﴿قَالَ لَاَقۡتُلَنَّکَ ؕ﴾ ”اُس نے کہا میں تمہیں قتل کر کے رہوں گا۔“

قابیل نے‘ جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی‘ حسد کی آگ میں جل کر اپنے بھائی ہابیل سے کہا کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

﴿قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲۷﴾﴾ ”اُس نے جواب دیا کہ اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے۔“

ہابیل نے کہا بھائی جان' اس میں میرا کیا قصور ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقۡتُلَنِیۡ﴾ ''اگر آپ اپنا ہاتھ چلائیں گے مجھ پر مجھے قتل کرنے کے لیے''

﴿مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡکَ لِاَقۡتُلَکَ ۚ﴾ ''(تب بھی) میں اپنا ہاتھ نہیں چلاؤں گا آپ کو قتل کرنے کے لیے۔''

یعنی اگر ایسا ہوا تو یہ یکطرفہ قتل ہی ہوگا۔

﴿اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''مجھے تو اللہ کا خوف ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

آیت ۲۹ ﴿اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِکَ﴾ ''میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تم ہی اپنے سر لے لو''

﴿فَتَکُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۚ﴾ ''تو پھر تم ہو جاؤ گے جہنم والوں میں سے۔''

اگر آپ اس انتہا تک پہنچ جائیں گے کہ مجھے قتل کر ہی دیں گے تو آپ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ میری خطاؤں کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھا لیں گے۔ ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے والا گویا مقتول کے تمام گناہوں کا بوجھ بھی اپنے سر اُٹھا لیتا ہے۔ یعنی اگر آپ مجھے ناحق قتل کریں گے تو میرے گناہوں کا وبال بھی آپ کے سر ہوگا اور میرے لیے تو یہ کوئی گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ البتہ اس جرم کی وجہ سے آپ جہنمی ہو جائیں گے۔

﴿وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا۔''

آیت ۳۰ ﴿فَطَوَّعَتۡ لَہٗ نَفۡسُہٗ قَتۡلَ اَخِیۡہِ﴾ ''بالآخر اُس کے نفس نے آمادہ کر ہی لیا اسے اپنے بھائی کے قتل پر''

ان الفاظ کے بین السطور اس کے ضمیر کی کش مکش کا مکمل نقشہ موجود ہے۔ ایک طرف اللہ کا خوف' نیکی کا جذبہ' خون کا رشتہ اور دوسری طرف شیطانی ترغیب' حسد کی آگ اور نفسانی خواہش کی اُکساہٹ۔ اور پھر بالآخر اس اندرونی کشمکش میں اس کا نفس جیت ہی گیا۔

﴿فَقَتَلَہٗ فَاَصۡبَحَ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''تو اس نے اسے قتل کر دیا اور ہو گیا تباہ ہونے والوں میں سے۔''

آیت ۳۱ ﴿فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''تو اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدنے لگا''

یہ پہلا خون تھا جو نسل آدم میں ہوا۔ قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر دیا لیکن اب اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بھائی کی لاش کا کیا کرے' اسے کیسے dispose off کرے' تو اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو بھیج دیا جو اُس کے سامنے اپنی چونچ سے زمین کھودنے لگا۔

﴿لِیُرِیَہٗ کَیۡفَ یُوَارِیۡ سَوۡءَۃَ اَخِیۡہِ ؕ﴾ ''تاکہ (اللہ) اسے دکھا دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔''

کوّے کے زمین کھودنے کے عمل سے اسے سمجھ آ جائے کہ زمین کھود کر لاش کو دفن کیا جا سکتا ہے۔

﴿قَالَ یٰوَیۡلَتٰۤی اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِثۡلَ ہٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوۡءَۃَ اَخِیۡ ۚ﴾ ''(یہ دیکھا تو) اُس نے کہا ہائے میری شامت! میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔''

افسوس مجھ پر! کیا میرے اندر اس کوّے جیسی عقل بھی نہ تھی کہ یہ طریقہ مجھے خود ہی سوجھ جاتا۔

﴿فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''پھر وہ بہت پشیمان ہوا۔''

اس احساس پر اس کے اندر بڑی شدید ندامت پیدا ہوئی۔

آیت ۳۲ ﴿مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ ۚۛ کَتَبۡنَا عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ ''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (تورات میں) یہ بات لکھ دی تھی''

﴿مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ ۚ﴾ والا فقرہ پچھلی آیت کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے اور اس آیت کے ساتھ بھی' یہ دونوں طرف بامعنی بن سکتا ہے۔

﴿اَنَّہٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَیۡرِ نَفۡسٍ﴾ ''کہ جس کسی نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر کسی قتل کے قصاص کے''

یعنی اگر کسی نے قتل کیا ہے اور وہ اس کے قصاص میں قتل کیا جائے تو یہ قتل ناحق نہیں ہے۔

﴿اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے (کے جرم کی سزا) کے''

اگر کوئی شخص ملک میں فساد پھیلانے کا مجرم ہے اور اسے اس جرم کی سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے تو اس کا قتل بھی قتل ناحق نہیں۔ لیکن ان صورتوں کے علاوہ اگر کسی نے کسی بے قصور انسان کا قتل کر دیا۔

﴿فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ﴾ ''گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔''

اُس کا یہ فعل ایسا ہی ہے جیسے اُس نے پوری نوعِ انسانی کو تہ تیغ کر دیا۔ اس لیے کہ اُس نے قتل ناحق سے تمدن و معاشرت کی جڑ کاٹ ڈالی۔ جان اور مال کا احترام ہی تو تمدن کی جڑ اور بنیاد ہے۔

﴿وَ مَنۡ اَحۡیَاہَا فَکَاَنَّمَاۤ اَحۡیَا النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ﴾ ''اور جس نے اُس (کسی ایک انسان) کی جان بچائی تو گویا اُس نے پوری نوعِ انسانی کو زندہ کر دیا۔''

﴿وَ لَقَدۡ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَیِّنٰتِ ۫﴾ ''اور ان کے پاس ہمارے رسول آئے تھے واضح نشانیاں لے کر''

﴿ثُمَّ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ بَعۡدَ ذٰلِکَ فِی الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''لیکن اس کے باوجود ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے پھر رہے ہیں۔''

اب ''آیتِ محاربہ'' آ رہی ہے جو اسلامی قوانین کے لحاظ سے بہت اہم آیت ہے۔ محاربہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں

کوئی گروہ فتنہ وفساد مچا رہا ہے' دہشت گردی کر رہا ہے' خونریزی اور قتل و غارت کر رہا ہے' راہزنی اور ڈاکہ زنی کر رہا ہے' گینگ ریپ ہو رہے ہیں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی سزا بیان ہوئی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بات ہو رہی ہے' جہاں اسلامی قانون نافذ ہو' جہاں اسلام کا پورا نظام قائم ہو۔ ورنہ اگر نظام ایسا ہو کہ جھوٹی گواہیاں دینے والے کھلے عام سودے کر رہے ہوں' ایمان فروش موجود ہوں' ججوں کو خریدا جا سکتا ہو اور ایسے نظام کے تحت شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا جائے تو پھر اس سے جو نتائج نکلیں گے ان سے شریعت الٹا بدنام ہو گی۔ لہٰذا ریاست میں حکومتی نظام اور مروّجہ قوانین دونوں کا درست ہونا لازمی ہے۔ اگر ایسا ہو گا تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط و مستحکم کریں گے اور اسی صورت میں مطلوبہ نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ﴾ ''یہی ہے سزا اُن لوگوں کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول سے''

یعنی اسلامی ریاست کی عملداری کو چیلنج کرتے ہیں۔

﴿وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ ''اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں''

﴿اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا﴾ ''کہ انہیں (عبرت ناک طور پر) قتل کیا جائے''

واضح رہے کہ یہاں فعل یُقْتَلُوْا استعمال نہیں ہوا بلکہ یُقَتَّلُوْا ہے کہ ان کے ٹکڑے کیے جائیں۔

﴿اَوْ یُصَلَّبُوْٓا﴾ ''یا انہیں سولی چڑھایا جائے''

﴿اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ ''یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں میں کاٹ دیے جائیں''

یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا ایک پاؤں کاٹا جائے۔

﴿اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط﴾ ''یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔''

﴿ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا﴾ ''یہ تو ان کے لیے دُنیا کی زندگی میں رسوائی ہے''

﴿وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۳۳﴾ ''اور آخرت میں ان کے لیے (مزید) بہت بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۳۴ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھِمْ ج﴾ ''سوائے اُن کے جو توبہ کر لیں اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔''

یعنی پکڑے جانے سے پہلے ایسے لوگ اگر توبہ کر لیں تو ان کے لیے رعایت کی گنجائش ہے' لیکن جب پکڑ لیے گئے تو توبہ کا دروازہ بند ہو گیا۔

﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۳۴﴾ ''پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والا' مہربان ہے۔''

حضرت علی ؓ نے خوارج کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا کہ اگر تم اپنے غلط عقیدے کو اپنے تک رکھو تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا' لیکن اگر تم خونریزی کرو گے' قتل و غارت کرو گے تو پھر تمہارے ساتھ رعایت نہیں کی جا سکتی۔

آیات ۳۵ تا ۴۳

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ
۳۵ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ
الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ ج وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۳۶ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ
مِنْھَا ز وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۳۷ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا
مِّنَ اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۳۸ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِہٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوْبُ عَلَیْہِ ط اِنَّ
اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۳۹ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ
لِمَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۴۰ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی
الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاھِھِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ ج وَمِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا ج سَمّٰعُوْنَ
لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لا لَمْ یَاْتُوْکَ ط یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ ج یَقُوْلُوْنَ اِنْ
اُوْتِیْتُمْ ھٰذَا فَخُذُوْہُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْہُ فَاحْذَرُوْا ط وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ فِتْنَتَہٗ فَلَنْ تَمْلِکَ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ
شَیْئًا ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰہُ اَنْ یُّطَھِّرَ قُلُوْبَھُمْ ط لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ج وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ
عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۴۱ سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ط فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ
عَنْھُمْ ج وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئًا ط وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ ط اِنَّ اللّٰہَ
یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۴۲ وَکَیْفَ یُحَکِّمُوْنَکَ وَعِنْدَھُمُ التَّوْرٰىۃُ فِیْھَا حُکْمُ اللّٰہِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ
بَعْدِ ذٰلِکَ ط وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۴۳﴾

آیت ۳۵ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ﴾ ''اے اہل ایمان' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی جناب میں اس کا قرب تلاش کرو''

یہاں لفظ ''وسیلہ'' قابل غور ہے اور اس لفظ نے کافی لوگوں کو پریشان بھی کیا ہے۔ لفظ ''وسیلہ'' اردو میں تو ''ذریعہ'' کے معنی میں آتا ہے' یعنی کسی تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ بنا لینا' سفارش کے لیے کسی کو وسیلہ بنا لینا۔ لیکن عربی زبان میں ''وسیلہ'' کے معنی ہیں ''قرب''۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا عربی میں مفہوم کچھ اور ہے جبکہ اردو میں کچھ اور ہے۔ جیسے لفظ ''ذلیل'' ہے' عربی میں اس کے معنی ''کمزور'' جبکہ اردو میں ''کمینے'' کے ہیں۔ جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ

اَذِلَّـــــةٌ ج﴾ (آل عمران:۱۲۳) یعنی اے مسلمانو! یاد کرو اللہ نے تمہاری مدد کی تھی بدر میں جب کہ تم بہت کمزور تھے۔اب اگر یہاں ذلیل کا ترجمہ اردو والا کر دیا جائے تو ہمارے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔اسی طرح عربی میں ''جہل'' کے معنی جذباتی ہونا ہے' اَن پڑھ ہونا نہیں۔ایک پڑھا لکھا شخص بھی جاہل یعنی جذباتی' اکھڑ مزاج ہو سکتا ہے لیکن اردو میں جاہل عالم کا متضاد ہے' یعنی جو اَن پڑھ ہو۔اسی طرح کا معاملہ لفظ ''وسیلہ'' کا ہے۔اس کا اصل مفہوم ''قرب'' ہے اور یہاں بھی یہی مراد لیا جائے گا۔یہاں ارشاد ہوا ہے:

''اے ایمان والو' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (آگے بڑھ کر) اس کا قرب تلاش کرو'

تقویٰ کے معنی ہیں اللہ کے غضب سے' اللہ کی ناراضگی سے اور اللہ کے احکام توڑنے سے بچنا۔ یہ ایک منفی محرک ہے' جبکہ قربِ الٰہی کی طلب ایک مثبت محرک ہے کہ اللہ کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے جاؤ۔لیکن اس کے قرب کا ذریعہ کیا ہو گا؟

﴿وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵﴾ ''اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

اس سے بات بالکل واضح ہوگئی کہ تقرّب الی اللہ کے لیے جہاد کرو۔تقویٰ شرطِ لازم ہے۔یعنی پہلے جو حرام چیزیں ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ' جن چیزوں سے روک دیا گیا ہے ان سے رک جاؤ اور اللہ کی نافرمانی سے باز آ جاؤ۔اور پھر اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی راہ میں جدوجہد کرو۔

آیت ۳۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' اگر ان کے پاس وہ ساری دولت ہو جو کہ زمین میں ہے کل کی کل اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور بھی ہو''

﴿لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''(اور وہ چاہیں) کہ وہ اس کے ذریعے سے فدیہ دے کر چھوٹ سکیں قیامت کے دن کے عذاب سے''

﴿مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ج﴾ ''تو ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔''

یہ حکم گویا ''تعلیق بالمحال'' ہے کہ نہ ایسا ممکن ہے اور نہ ایسا ہوگا۔لیکن بات کی سختی واضح کرنے کے لیے یہ انداز اپنایا گیا ہے اور آخری درجے میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر بالفرض ان کے پاس اتنی دولت موجود بھی ہو تب بھی اللہ کے ہاں اُن کا فدیہ قبول نہیں ہوگا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۳۶﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ز﴾ ''وہ چاہیں گے کہ آگ سے کسی طرح نکل جائیں لیکن نکل نہیں پائیں گے''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۳۷﴾ ''اور ان کے لیے ہوگا قائم رہنے والا عذاب۔''

یعنی ان کو مسلسل دائم اور قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

آیت ۳۸ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ ''اور چور خواہ مرد ہو یا عورت' ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو'' یعنی چور کا ایک ہاتھ کاٹ دو۔

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ ''یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا''

﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ط﴾ ''اور عبرت ناک سزا ہے اللہ کی طرف سے۔''

دیکھئے قرآن خود اپنی حفاظت کس طرح کرتا ہے اور کیوں چیلنج کرتا ہے کہ اس کلام پر باطل حملہ آور نہیں ہو سکتا کسی بھی جانب سے (حٰمٓ السجدہ:۴۲)۔ذرا ملاحظہ کیجیے اس آیت کے ضمن میں غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ یہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کا مطلب ہے کہ ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں کسی کو چوری کی ضرورت ہی نہ پڑے۔یہ تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ ایسا نظام ہو' ریاست کی طرف سے کفالتِ عامہ کی سہولت موجود ہو تا کہ کوئی شخص مجبوراً چوری نہ کرے' لیکن ''فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا'' کے الفاظ سے جو مطلب پرویز صاحب نے نکالا ہے وہ بالکل غلط ہے۔اور اگر فرض کر لیں کہ ایسا ہی ہے تو پھر ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ (یہ بدلہ ہے ان کی اپنی کمائی کا) کی کیا تاویل ہوگی؟ یعنی جو کمائی انہوں نے کی ہے اس کا بدلہ یہ ہے کہ ایک اچھا نظام قائم کر دیا جائے؟ اس کے بعد پھر ﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ کے الفاظ مزید آئے ہیں۔''نکال'' کہتے ہیں عبرتناک سزا کو۔تو کیا ایسے نظام کا قائم کرنا اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہوگی؟ آپ نے دیکھا قرآن کے معانی و مفہوم کی حفاظت کے لیے بھی الفاظ کے کیسے کیسے پہرے بٹھائے گئے ہیں!

دراصل حدود و تعزیرات کے فلسفے کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اس کے لیے لفظ ''نکال'' بہت اہم ہے۔قرآن میں تعزیرات اور حدود کے سلسلے میں یہ لفظ اکثر استعمال ہوا ہے۔یعنی اگر سزا ہوگی تو عبرت ناک ہوگی۔اسلام میں شہادت کا قانون بہت سخت رکھا گیا ہے۔ذرا سا شبہ ہو تو اس کا فائدہ ملزم کو دیا جاتا ہے۔اس لحاظ سے سزا کا نفاذ آسان نہیں۔لیکن اگر تمام مراحل طے کر کے جرم پوری طرح ثابت ہو جائے تو پھر سزا ایسی دی جائے کہ ایک کو سزا ملے اور لاکھوں کی آنکھیں کھل جائیں تا کہ آئندہ کسی کو جرم کرنے کی ہمت نہ ہو۔ یہ فلسفہ ہے اسلامی سزاؤں کا۔ یہ درحقیقت ایک تسدید (deterrence) ہے جس کے سبب معاشرے سے برائی کا استیصال کرنا ممکن ہے۔آج امریکہ جیسے (نام نہاد) مہذب معاشرے میں بھی آئے دن انتہائی گھناؤنے جرائم ہو رہے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ احتساب اور سزا کا نظام درست نہیں۔لوگ جرم کرتے ہیں' سزا ہوتی ہے' جیل جاتے ہیں' کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد واپس آتے ہیں' پھر جرم کرتے ہیں' پھر جیل چلے جاتے ہیں۔جیل کیا ہے؟ سرکاری مہمان داری ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایسے معاشروں میں جرائم روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوۡبُ عَلَيۡهِ ؕ﴾ ”تو جس نے بھی توبہ کر لی اپنے اس ظلم کے بعد اور اصلاح کر لی تو اللہ ضرور قبول کرتا ہے اس کی توبہ کو۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۳۹﴾ ”یقیناً اللہ غفور ہے‘ رحیم ہے۔“

لیکن اس توبہ سے جرم کی سزا دنیا میں ختم نہیں ہوگی۔ یہ جرم ہے دنیا (قانون) کا اور گناہ ہے اللہ کا۔ جرم کی سزا دنیا میں ملے گی‘ گناہ کی سزا اللہ نے دینی ہے‘ اگر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور اگر توبہ نہیں کی تو اس کی سزا بھی ملے گی۔

آیت ۴۰ ﴿اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ﴾ ”کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی؟“

﴿يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ﴾ ”وہ سزا دے گا جس کو چاہے گا اور بخش دے گا جس کو چاہے گا۔“

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۴۰﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اب یہاں پھر ذکر آ رہا ہے ان لوگوں کا جو دوغلی پالیسی پر کاربند تھے‘ لیکن سورۃ البقرۃ کی طرح یہاں بھی روئے سخن قطعیت کے ساتھ واضح نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس کا انطباق منافقین پر بھی ہوگا اور اہل کتاب پر بھی۔ منافق اہل کتاب میں سے بھی تھے‘ جن کا میلان اسلام کی طرف بھی تھا اور چاہتے بھی تھے کہ مسلمانوں میں شامل رہیں لیکن وہ اپنے ساتھیوں کو بھی چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ تو یہ لوگ جو ”مُذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ ذٰلِكَ“ کی مثال تھے‘ یہ دونوں طرف کے لوگ تھے۔

آیت ۴۱ ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ لَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡكُفۡرِ﴾ ”اے نبی (ﷺ) یہ لوگ آپ کے لیے باعثِ رنج نہ ہوں جو کفر کی راہ میں بہت بھاگ دوڑ کر رہے ہیں“

﴿مِنَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَلَمۡ تُؤۡمِنۡ قُلُوۡبُهُمۡ ۛۚ﴾ ”ان لوگوں میں سے جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں‘ مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے ہیں۔“

آپؐ ان لوگوں کی سرگرمیوں اور بھاگ دوڑ سے غمگین اور رنجیدۂ خاطر نہ ہوں۔

﴿وَمِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا ۛۚ﴾ ”اور اسی طرح کے لوگ یہودیوں میں سے بھی ہیں۔“

﴿سَمّٰعُوۡنَ لِلۡكَذِبِ﴾ ”یہ بڑے ہی غور سے سنتے ہیں جھوٹ کو“

﴿سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِيۡنَ ۙ لَمۡ يَاۡتُوۡكَ ؕ﴾ ”اور یہ سنتے ہیں کچھ اور لوگوں کی خاطر جو آپ کے پاس نہیں آتے“

یعنی ایک تو یہ لوگ اپنے ”شیاطین“ کی جھوٹی باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں‘ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴) میں فرمایا: ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۱۴﴾ پھر یہ لوگ ان کی طرف سے جاسوس بن کر مسلمانوں کے ہاں آتے ہیں کہ یہاں سے سن کر ان کو رپورٹ دے سکیں کہ آج محمد (ﷺ) نے یہ کہا‘ آج آپؐ کی مجلس میں فلاں معاملہ ہوا۔ ﴿سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِيۡنَ﴾ کا ترجمہ دونوں طرح سے ہو سکتا ہے: ”دوسری قوم کے لوگوں کی باتوں کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں“ یا ”سنتے ہیں دوسری قوم کے لوگوں کے لیے“ یعنی انہیں رپورٹ کرنے کے لیے ان کے جاسوس کی حیثیت سے۔ ان کے جو لیڈر اور شیاطین ہیں‘ وہ آپؐ کے پاس خود نہیں آتے اور یہ جو بین بین کے لوگ ہیں یہ آپؐ کے پاس آتے ہیں اور ان کے ذریعے سے جاسوسی کا یہ سارا معاملہ چل رہا ہے۔

﴿يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ﴾ ”وہ کلام کو پھیر دیتے ہیں اس کی جگہ سے اس کا موقع و محل معیّن ہو جانے کے بعد۔“

﴿يَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اُوۡتِيۡتُمۡ هٰذَا فَخُذُوۡهُ﴾ ”وہ کہتے ہیں اگر تمہیں یہی (فیصلہ) مل جائے تو قبول کر لینا“

﴿وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡهُ فَاحۡذَرُوۡا ؕ﴾ ”اور اگر یہ (فیصلہ) نہ ملے تو کنی کترا جانا۔“

اہل کتاب کے سرداروں کو اگر کسی مقدمے کا فیصلہ مطلوب ہوتا تو اپنے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجتے اور پہلے سے انہیں بتا دیتے کہ اگر فیصلہ اس طرح ہو تو تم قبول کر لینا‘ ورنہ رد کر دینا۔ واضح رہے کہ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست اور پورے طور پر ایک ہمہ گیر اسلامی حکومت دراصل فتح مکہ کے بعد قائم ہوئی اور یہ صورتِ حال اس سے پہلے کی تھی۔ ورنہ کسی ریاست میں دوہرا عدالتی نظام نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ جب چاہتے اپنے فیصلوں کے لیے حضور ﷺ کے پاس آ جاتے اور جب چاہتے کسی اور کے پاس چلے جاتے تھے۔ گویا بیک وقت دو متوازی نظام چل رہے تھے۔ اسی لیے تو وہ لوگ یہ کہنے کی جسارت کرتے تھے کہ یہ فیصلہ ہوا تو قبول کر لینا‘ ورنہ نہیں۔

﴿وَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتۡنَتَهٗ فَلَنۡ تَمۡلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيۡــًٔا ؕ﴾ ”اور جس کو اللہ ہی نے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو تم اس کے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔“

﴿اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يُّطَهِّرَ قُلُوۡبَهُمۡ ؕ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا چاہا ہی نہیں۔“

﴿لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ ۚ﴾ ”ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے“

﴿وَّلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝۴۱﴾ ”اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

آیت ۴۲ ﴿سَمّٰعُوۡنَ لِلۡكَذِبِ﴾ ”یہ خوب سننے والے ہیں جھوٹ کو“

﴿اَكّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ ؕ﴾ ”خوب کھانے والے ہیں حرام کو۔“

﴿فَاِنۡ جَآءُوۡكَ﴾ ”پھر اگر یہ آپؐ کے پاس (اپنا کوئی مقدمہ لے کر) آئیں“

﴿فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ ۚ﴾ ”تو آپؐ (کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے

اعراض کریں۔“

آپؐ کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ آپ چاہیں تو ان کا مقدمہ سنیں اور فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو مقدمہ لینے ہی سے انکار کر دیں‘ کیونکہ ان کی نیت درست نہیں ہوتی اور وہ آپؐ کا فیصلہ لینے میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا ایسے لوگوں پر اپنا وقت ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ پراپیگنڈا کریں گے کہ دیکھو جی ہم تو گئے تھے محمد (ﷺ) کے پاس مقدمہ لے کر‘ یہ کیسے نبی ہیں کہ مقدمے کا فیصلہ کرنے کو ہی تیار نہیں! اس ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ آپؐ اس کی پرواہ نہ کریں۔

﴿وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ۭ﴾ ”اور اگر آپؐ ان سے اعراض کریں گے تو وہ آپؐ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔“

یعنی ان کے مخالفانہ پراپیگنڈے سے قطعاً فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ﴾ ”اور اگر آپؐ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے عین مطابق فیصلہ کریں۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

آیت ۴۳ ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپؐ کو کیسے حَکم بناتے ہیں“

﴿وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ﴾ ”جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے“

﴿فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾ ”جس میں اللہ کا حکم موجود ہے“

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کی بدنیتی کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ اگر ان کی نیت درست ہو تو تورات سے راہنمائی حاصل کر لیں۔

﴿ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ﴾ ”پھر بھی وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔“

﴿وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۳﴾ ”اور حقیقت میں یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔“

اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان سے تہی دست ہیں‘ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ یہ ہے ان کا اصل روگ۔

آیات ۴۴ تا ۵۰

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاۗءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۶ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰﴾

سورۃ المائدۃ کا یہ ساتواں رکوع حسنِ اتفاق سے سات ہی آیات پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سخت تہدید‘ تنبیہہ اور دھمکی ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی آسمانی شریعت پر ایمان کے دعوے دار ہوں اور پھر اس کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنی زندگی گزار رہے ہوں۔ قرآن حکیم کی طویل سورتوں میں کہیں کہیں تین تین آیتوں کے چھوٹے چھوٹے گروپ ملتے ہیں جو معانی ومفہوم کے لحاظ سے بہت جامع ہوتے ہیں‘ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲‘ ۱۰۳ اور ۱۰۴ ہیں۔ ابھی سورۃ المائدۃ میں بھی تین آیات پر مشتمل نہایت جامع احکامات کا حامل ایک مقام آئے گا۔ اسی طرح کہیں کہیں سات سات آیات کا مجموعہ بھی ملتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع کی سات آیات (۴۰ تا ۴۶) بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں نہایت جامع ہیں۔ یہ دعوت کے ابتدائی انداز پر مشتمل ہیں اور دعوت کے باب میں بمنزلہ فاتحہ ہیں۔ اسی طرح قانونِ شریعت کی تنفیذ‘ اس کی اہمیت اور اس سے پہلوتہی پر وعید کے ضمن میں زیر مطالعہ رکوع کی سات آیات نہایت تاکیدی اور جامع ہیں‘ بلکہ یہ مقام اس موضوع پر قرآن حکیم کا ذروۂ سنام (climax) ہے۔

آیت ۴۴ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ ”یقیناً ہم نے ہی نازل فرمائی تھی تورات“

﴿فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ﴾ ”اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔“

﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ﴾ ”اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے انبیاء“

﴿الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا﴾ ’’جو کہ سب فرمانبردار تھے (اللہ کے)‘‘

ظاہر ہے کہ تمام انبیا کرام علیہم السلام خود بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔

﴿لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا﴾ ’’(اور وہ فیصلے کرتے تھے) یہودیوں کے لیے‘‘

یعنی انبیا کرام علیہم السلام یہودیوں کے تمام فیصلے تورات (شریعتِ موسوی) کے مطابق کرتے تھے‘ جیسا کہ حدیث میں ہے ((کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ))(۱) یعنی بنی اسرائیل کی سیاست اور حکومت کے معاملات‘ انتظام وانصرام‘ انبیاء کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اس لیے وہی ان کے مابین نزاعات کے فیصلے کرتے تھے۔

﴿وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾ ’’اور درویش اور علماء‘‘

ان کے ہاں اللہ والے صوفیاء اور علماء وفقہاء بھی تورات ہی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ﴾ ’’بسبب اس کے کہ وہ کتاب اللہ کے نگران بنائے گئے تھے‘‘

انہیں ذمہ داری دی گئی تھی کہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کرنی ہے۔

﴿وَکَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ﴾ ’’اور وہ اس پر گواہ تھے۔‘‘

﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ﴾ ’’(تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ) تم لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو‘‘

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ ’’اور میری آیات کو حقیر سی قیمت پر فروخت نہ کرو۔‘‘

یعنی اللہ کا طے کردہ قانون موجود ہے‘ اس کے مطابق فیصلے کرو۔ لوگوں کو پسند ہو یا ناپسند‘ اس سے تمہارا بالکل کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ اب آرہی ہے وہ کانٹے والی بات:

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ’’اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔‘‘

بقولِ علامہ اقبال ؎

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں‘ خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

آیت ۴۵ ﴿وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَآ﴾ ’’اور ہم نے لکھ دیا تھا ان پر اس (تورات) میں‘‘

﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ ’’کہ جان کے بدلے جان‘‘

﴿وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ﴾ ’’اور آنکھ کے بدلے آنکھ‘‘

﴿وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ﴾ ’’اور ناک کے بدلے ناک‘‘

﴿وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ﴾ ’’اور کان کے بدلے کان‘‘

﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ ’’اور دانت کے بدلے دانت‘‘

﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ ’’اور اسی طرح زخموں کا بدلہ بھی ہوگا برابر کا۔‘‘

﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِہٖ فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ﴾ ’’پھر جو کوئی اس کو معاف کر دے تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہوگا۔‘‘

کسی نے ایک شخص کا کان کاٹ دیا‘ اب وہ جواباً اُس کا کان کاٹنے کا حق دار ہے‘ لیکن اگر وہ قصاص نہیں لیتا اور معاف کر دیتا ہے تو اسے اپنے بہت سے گناہوں کا کفارہ بنا لے گا۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجرم کو جب معاف کر دیا گیا تو اس کے ذمے سے وہ گناہ دُھل گیا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ’’اور جو فیصلے نہیں کرتے اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو ظالم ہیں۔‘‘

اور ظالم یہاں بمعنی مشرک ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (لقمان:۱۳) اب دیکھئے‘ ایک قانون اللہ کا ہے اور ایک انسانوں کا۔ پھر انسانوں کے بھی مختلف قوانین ہیں‘ ایک Roman Law ہے‘ ایک پاکستانی قانون ہے‘ ایک رواج پر مبنی قانون ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ فیصلہ کس قانون کے مطابق کر رہے ہیں؟ اللہ کے قانون کے تحت یا کسی اور قانون کے مطابق؟ اگر آپ نے اللہ کے قانون کے ساتھ ساتھ کسی اور قانون کو بھی مان لیا یا اللہ کے قانون کے مقابلے میں کسی اور قانون کو ترجیح دی تو یہ شرک ہے۔

آیت ۴۶ ﴿وَقَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ﴾ ’’اور ہم نے ان کے پیچھے انہی کے نقشِ قدم پر عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا‘‘

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰۃِ﴾ ’’(وہ آئے) تصدیق کرتے ہوئے اُس کی جو ان کے سامنے موجود تھا تورات میں سے‘‘

﴿وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّنُوْرٌ﴾ ’’اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی‘ اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا‘‘

﴿وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰۃِ﴾ ’’اور وہ (انجیل بھی) تصدیق کر رہی تھی اس کی جو تورات میں سے اُس کے سامنے موجود تھا‘‘

﴿وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۶﴾﴾ ’’اور وہ ہدایت (راہنمائی) اور نصیحت تھی تقویٰ والوں کے لیے۔‘‘

آیت ۴۷ ﴿وَلْیَحْکُمْ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فِیْہِ﴾ ’’اور چاہیے کہ انجیل کے ماننے والے فیصلہ کریں اس

کے مطابق جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ''اور جو لوگ نہیں فیصلے کرتے اللہ کے اُتارے ہوئے احکامات وقوانین کے مطابق' وہی تو فاسق ہیں۔''

وہی تو سرکش ہیں' وہی تو نافرمان ہیں' وہی تو نابکار ہیں۔ غور کیجیے ایک رکوع میں تین دفعہ یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

ان آیاتِ قرآنیہ کو سامنے رکھیے اور ملتِ اسلامیہ کی موجودہ کیفیت کا جائزہ لیجیے کہ دنیا میں کتنے ممالک ہیں جہاں اللہ کا قانون نافذ ہے؟ آج روئے زمین پر کوئی ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جہاں شریعتِ اسلامی پورے طور پر نافذ ہو اور اسلام کا مکمل نظام قائم ہو۔ اگرچہ ہم انفرادی اعتبار سے مسلمان ہیں لیکن ہمارے نظام کافرانہ ہیں۔

آیت ۴۸ ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ''اور (اب اے نبیﷺ) ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ''

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ ''جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگران ہے''

یہ کتاب تورات اور انجیل کی مصداق بھی ہے اور مصدق بھی۔ اور اس کی حیثیت کسوٹی کی ہے۔ پہلی کتابوں کے اندر جو تحریفات ہو گئی تھیں اب ان کی تصحیح اس کے ذریعے سے ہو گی۔

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ ''تو (آپ بھی) فیصلہ کریں ان کے درمیان اس (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے''

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ''اور مت پیروی کریں ان کی خواہشات کی' اس حق کو چھوڑ کر جو آ چکا ہے آپ (ﷺ) کے پاس۔''

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل طے کر دی ہے۔''

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے سب کو معلوم ہے کہ شریعتِ موسویؑ شریعتِ محمدیؐ سے مختلف تھی۔ مزید برآں رسولوں کے منہاج (طریق کار) میں بھی فرق تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کے منہاج میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ ایک مسلمان اُمت (بنی اسرائیل) کے لیے بھیجے گئے تھے۔ وہ اُمت جو کہ دبی ہوئی تھی' پسی ہوئی تھی' غلام تھی۔ اس میں اخلاقی خرابیاں بھی تھیں' دینی اعتبار سے ضعف بھی تھا' وہ آلِ فرعون کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے مقصدِ بعثت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ایک بگڑی ہوئی مسلمان امت کو کافروں کے تسلط اور غلبے سے نجات دلائیں۔ اس کا ایک خاص طریقہ کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بتایا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ بھی ایک مسلمان اُمت کے لیے مبعوث کیے گئے' یعنی یہودیوں ہی کی طرف۔ اس قوم میں نظریاتی فتور آ چکا تھا' ان کے معاشرے میں اخلاقی وروحانی گراوٹ انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اُن کے علماء کی توجہ بھی دین کے صرف ظاہری احکام اور قانونی پہلوؤں پر رہ گئی تھی اور وہ اصل مقاصدِ دین کو بھول چکے تھے۔ دین کی اصل رُوح نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس سارے بگاڑ کی اصلاح کے لیے حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص منہج' ایک خاص طریقہ کار عطا فرمایا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں میں مبعوث کیا گیا جو مشرک تھے' اَن پڑھ تھے' کسی نبی کے نام سے ناواقف تھے سوائے حضرت ابراہیمؑ کے۔ ان کا احترام بھی وہ اپنے جدِامجد کے طور پر کرتے تھے' ایک نبی کے طور پر نہیں۔ کوئی شریعت ان میں موجود نہیں تھی' کوئی کتاب ان کے پاس نہیں تھی۔ گویا ''ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا'' کی مجسّم تصویر! آپ ﷺ نے اپنی دعوت وتبلیغ کے ذریعے ان میں سے صحابہ کرامؓ کی ایک عظیم جماعت پیدا کی' انہیں حزب اللہ بنایا' اور پھر اس جماعت کو ساتھ لے کر آپ ﷺ نے کفر' شرک اور ائمہ کفر کے خلاف جہاد وقتال کیا' اور بالآخر اللہ کے دین کو اس معاشرے میں قائم کر دیا۔ یہ منہاج ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ تو یہ مفہوم ہے اس آیت کا ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک منہاج (طریقہ کار' منہجِ عمل) مقرر کیا ہے''۔ اس لحاظ سے یہ آیت بہت اہم ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ''اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا''

﴿وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ﴾ ''مگر اُس نے چاہا کہ وہ اس چیز میں تمہاری آزمائش کرے جو اُس نے تم کو عطا کی''

یعنی اللہ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ جس کو جو جو کچھ دیا گیا ہے اس کے حوالے سے اس کو آزمائے۔ چنانچہ اب ہمارے لیے اصل اُسوہ نہ تو حضرت موسیٰؑ ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰؑ' بلکہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱) کے مصداق ہمارے لیے اُسوہ ہے تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اگر شادی نہیں کی تو یہ ہمارے لیے اُسوہ نہیں ہے۔ ہمیں تو حضور ﷺ کے فرمان کو پیشِ نظر رکھنا ہے' جنہوں نے فرمایا: ((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِىْ)) (۱) اور پھر فرمایا: ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ)) (۲). تو واقعہ یہ ہے کہ تمام انبیاء اللہ ہی کی طرف سے مبعوث تھے' اور ہر ایک کے لیے جو بھی طریقہ اللہ تعالیٰ نے مناسب سمجھا وہ ان کو عطا کیا' البتہ ہمارے لیے قابلِ تقلید منہاجِ نبوی ﷺ ہے۔ اب ہم پر فرض ہے کہ اس منہجِ انقلابِ نبویؐ کا گہرا شعور حاصل کریں' پھر اس راستے پر اُسی طرح چلیں جس طرح حضور ﷺ چلے۔ جس طرح آپؐ نے دین کو قائم کیا' غالب کیا' ایک نظام برپا کیا' پھر اُس نظام کے تحت اللہ کا قانون نافذ کیا' اُسی طرح ہم بھی اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔

﴿فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ ؕ﴾ ''تو تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔''

﴿اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا﴾ ''اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے''

﴿فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۸﴾﴾ ''تو وہ تمہیں جتلا دے گا ان چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔''

آیت ۴۹ ﴿وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ﴾ ''اور فیصلے کیجیے ان کے مابین اس (شریعت) کے مطابق جو کہ اللہ نے اُتاری ہے''

﴿وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ﴾ ''اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے''

آج ہمارا کیا حال ہے؟ ہم کن لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں؟ آج ہم احکامِ الٰہی کو پس پشت ڈال کر اپنے سیاسی پیشواؤں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں قانون بنا دیتے ہیں' جو چاہتے ہیں فیصلہ کر دیتے ہیں اور پوری قوم اس کی پابند ہوتی ہے۔ ہم اس جال سے اسی صورت میں نکل سکتے ہیں کہ ایک زبردست جماعت بنائیں' طاقت پیدا کریں' ایک بھرپور تحریک اٹھائیں' قربانیاں دیں' جانیں لڑائیں تاکہ یہ موجودہ نظام تبدیل ہو' اللہ کا دین قائم ہو' اور پھر اس دین کے مطابق ہمارے فیصلے ہوں۔ یہاں حضور ﷺ کو ایک بار پھر سے تاکید کی جا رہی ہے کہ آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے اور اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے کیجیے۔

﴿وَ احۡذَرۡہُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡکَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ ؕ﴾ ''اور ان سے ہوشیار رہیے' ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو ان میں سے کسی چیز سے بچلا دیں جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہیں۔''

یعنی ہر طرف سے دباؤ آئے گا' لیکن آپ کو ثابت قدمی سے کھڑے رہنا ہے اُس شریعت پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا﴾ ''پھر اگر وہ روگردانی کریں''

﴿فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّصِیۡبَہُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِہِمۡ ؕ﴾ ''تو جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔''

یہ دراصل لرزا دینے والا مقام ہے۔ اگر ہم اپنے اس ملک کے اندر اسلام کو قائم نہیں کرتے اور ہماری ساری کوششوں کے باوجود دین نافذ نہیں ہو رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عذاب کا کوئی کوڑا مقدر ہو چکا ہے۔ واضح الفاظ میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے احکامات سے مُنہ موڑیں' شریعت کے فیصلوں کا انکار کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے اور ﴿اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ ﴿ؕ۱۲﴾﴾ (البروج) کے مصداق انہیں کوئی سزا دینا چاہتا ہے۔

﴿وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ لوگوں میں سے اکثر فاسق (نافرمان) ہیں۔''

آیت ۵۰ ﴿اَفَحُکۡمَ الۡجَاہِلِیَّۃِ یَبۡغُوۡنَ ؕ﴾ ''تو کیا یہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟''

جاہلیت سے مراد حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کا دور ہے۔ یعنی کیا قانونِ الٰہی نازل ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ جاہلیت کے دستور' اپنی روایات اور اپنی رسومات پر عمل کرنا چاہتے ہیں؟ جیسا کہ ہندوستان میں مسلمان زمیندار انگریز کی عدالت میں کھڑے ہو کر کہہ دیتے تھے کہ ہمیں اپنی وراثت کے مقدمات میں شریعت کا فیصلہ نہیں چاہیے بلکہ رواج کا فیصلہ چاہیے۔

﴿وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''اور اللہ کے حکم (اور فیصلے) سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اس یقین اور ایمانِ حقیقی کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین!)

آیات ۵۱ تا ۵۶

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَہُوۡدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ۘؔ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَی الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوۡنَ فِیۡہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَخۡشٰۤی اَنۡ تُصِیۡبَنَا دَآئِرَۃٌ ؕ فَعَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَیُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ نٰدِمِیۡنَ ﴿ؕ۵۲﴾ وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَہٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ ۙ اِنَّہُمۡ لَمَعَکُمۡ ؕ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۫ یُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ رٰکِعُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۵۶﴾﴾

آیت ۵۱ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَہُوۡدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ۘؔ﴾ ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دلی دوست (حمایتی اور پشت پناہ) نہ بناؤ۔''

﴿بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ﴾ ''وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

ان میں سے بعض بعض کے پشت پناہ اور مددگار ہیں۔ یہ درحقیقت ایک پیشین گوئی تھی جو اِس دور میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو صورتِ حال وہ تھی جو ہم قبل ازیں (اس سورۃ کی آیت ۱۴ میں) پڑھ آئے ہیں: ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ط﴾ ''پس ہم نے ان کے مابین عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی روزِ قیامت تک کے لیے''۔ چنانچہ عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین ہمیشہ شدید دشمنی رہی ہے اور آپس میں کشت و خون ہوتا رہا ہے' لیکن زیرنظر الفاظ ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ میں جو پیشین گوئی تھی وہ بیسویں صدی میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ بالفور ڈیکلریشن (۱۹۱۷ء) کے بعد کی صورتِ حال میں ان کا باہمی گٹھ جوڑ شروع ہوا' جس کے نتیجے میں برطانیہ اور امریکہ کے زیراثر اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی' اور اب بھی اگر وہ قائم ہے تو اصل میں انہی عیسائی ملکوں کی پشت پناہی کی وجہ سے قائم ہے۔ عیسائی اب یہودیوں کی اس لیے پشت پناہی کر رہے ہیں کہ اُن کی ساری معیشت یہودی بینکاروں کے زیرتسلط ہے۔ عیسائیوں کی معیشت پر یہودیوں کے قبضہ کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کا یہ گٹھ جوڑ اس درجہ مستحکم ہو چکا ہے کہ آج عیسائیوں کی پوری عسکری طاقت یہودیوں کی پشت پر ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ط﴾ ''اور تم میں سے جو کوئی ان سے دلی دوستی رکھے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا''۔

یعنی جو کوئی ان سے دوستی کے معاہدے کرے گا' ان سے نصرت و حمایت کا طلب گار ہوگا' ہماری نگاہوں میں وہ یہودی یا نصرانی شمار ہوگا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱﴾ ''یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

آج ہمارے اکثر مسلمان ممالک کی پالیسیاں کیا ہیں اور اس سلسلے میں قرآن کا فتویٰ کیا ہے' وہ آپ کے سامنے ہے۔

آیت ۵۲ ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''تو تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے''

﴿يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ﴾ ''وہ انہی کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں''

فلاں ملک سے دوستی کا معاہدہ' فلاں سے مدد کی درخواست' فلاں سے حمایت کی توقع' ان کی ساری بھاگ دوڑ' تگ و دو' خارجہ پالیسی ''يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ '' کی عملی تصویر ہے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں روگ یعنی نفاق ہے۔ اگر اللہ پر ایمان ہو' اعتماد اور یقین ہو' اس سے خلوص اور اخلاص کا رشتہ ہو تو پھر اُسی سے نصرت و حمایت کی امید ہو اور ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد:۷) کے وعدے پر یقین ہو!

﴿يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ط﴾ ''وہ کہتے ہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم گردشِ زمانہ (اور کسی مصیبت کے چکر) میں نہ پھنس جائیں''۔

یعنی ہم یہود و نصاریٰ سے اس لیے تعلقات استوار کر رہے ہیں کہ کل کلاں کسی ناگہانی آفت سے بچ سکیں۔

﴿فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ ''تو بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ جلد ہی فتح لے آئے یا اپنے پاس سے کوئی اور فیصلہ صادر فرما دے''

﴿فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝۵۲﴾ ''تو پھر جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس پر انہیں نادم ہونا پڑے''۔

انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جن کی دوستی کا سہارا انہوں نے اپنے زعم میں لے رکھا تھا وہی انہیں دھوکا دے رہے ہیں' ع
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے!

آیت ۵۳ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ط﴾ ''اور (اُس وقت) اہلِ ایمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ وہ تو تمہارے ساتھ ہیں''

﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۵۳﴾ ''ان کے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور وہ خسارے والے بن کر رہ جائیں گے''۔

اب جو تین آیتیں آ رہی ہیں ان میں اُن اہلِ ایمان کا ذکر ہے جو پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستے میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی توفیق دے کہ کمر ہمت کس کر اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا فرما دے کہ اُس کی شریعت کو نافذ کرنا ہے اور الکافرون' الظالمون اور الفاسقون (المائدۃ:۴۴'۴۵ اور ۴۷) کی صفوں سے باہر نکلنا ہے۔ اس طرح کی جدّوجہد میں محنت کرنا پڑتی ہے' مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں' تکالیف سہنا پڑتی ہیں۔ ایسے حالات میں بعض اوقات انسان کے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں اور عزم و ہمت میں کچھ کمزوری آنے لگتی ہے۔ ایسے موقع پر اس راہ کے مسافروں کی ایک خاص ذہنی اور نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے۔ اس حوالے سے یہ تین آیات نہایت اہم اور جامع ہیں۔

آیت ۵۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ﴾ ''اے ایمان والو! جو کوئی بھی پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے''

﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ﴾ ''تو اللہ (کو کوئی پرواہ نہیں' وہ) عنقریب (تمہیں ہٹا کر) ایک ایسی قوم کو لے آئے گا''

﴿يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ ''جنہیں اللہ محبوب رکھے گا اور وہ اُسے محبوب رکھیں گے''

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے''

﴿اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴾ ''کافروں پر بہت بھاری ہوں گے''

﴿یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے''

﴿وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ ''اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے۔''

یہاں پر جو لفظ یَرْتَدَّ آیا ہے اس کے مفہوم میں ایک تو قانونی اور ظاہری ارتداد ہے۔ جیسے ایک شخص اسلام کو چھوڑ کر کافر ہو جائے، یہودی یا نصرانی ہو جائے۔ یہ تو بہت واضح قانونی ارتداد ہے، لیکن ایک باطنی ارتداد بھی ہے، یعنی اُلٹے پاؤں پھرنے لگنا، پسپائی اختیار کر لینا۔ اوپر اسلام کا لبادہ تو جوں کا توں ہے، لیکن فرق یہ واقع ہو گیا ہے کہ پہلے غلبۂ دین کی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے، محنتیں کر رہے تھے، وقت لگا رہے تھے، ایثار کر رہے تھے، انفاق کر رہے تھے، بھاگ دوڑ کر رہے تھے، اور اب کوئی آزمائش آئی ہے تو ٹھٹک کر کھڑے رہ گئے ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۲۰) میں ارشاد ہے: ﴿کُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ﴾ ''جب ذرا روشنی ہوتی ہے ان پر تو اس میں کچھ چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں''۔ اب کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف کھڑے رہ گئے ہیں بلکہ کچھ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تمہارا محتاج ہے، بلکہ تم اللہ کے محتاج ہو۔ تمہیں اپنی نجات کے لیے اپنے اس فرض کو ادا کرنا ہے۔ اگر تم نے پسپائی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹائے گا اور کسی دوسری قوم کو لے آئے گا، کسی اور کے ہاتھ میں اپنے دین کا جھنڈا تھما دے گا۔

یہاں پر مؤمنین صادقین کے اوصاف کے ضمن میں جو تین جوڑے آئے ہیں ان پر ذرا دوبارہ غور کریں:

(۱) ﴿یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ﴾ ''اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔'' (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُم!)

(۲) ﴿اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴾ ''وہ اہل ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بہت سخت ہوں گے''۔ یہی مضمون سورۃ الفتح (آیت ۲۹) میں دوسرے انداز سے آیا ہے: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ﴾ ''آپس میں بہت رحیم وشفیق، کفار پر بہت سخت''۔ بقولِ اقبالؔ: ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

(۳) ﴿یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ ''اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے''۔ ان کے رشتہ دار اُن کو سمجھائیں گے، دوست احباب نصیحتیں کریں گے کہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ تم fanatic ہو گئے ہو؟ تمہیں اولاد کا خیال نہیں، اپنے مستقبل کی فکر نہیں! مگر یہ لوگ کسی کی کوئی پروا نہیں کریں گے، بس اپنی ہی دھن میں مگن ہوں گے۔ اور ان کی کیفیت یہ ہو گی: ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا   تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی

خیریتِ جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں   سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری   تنہا پسِ زنداں، کبھی رسوا سرِ بازار

کڑکے ہیں بہت شیخ سرِ گوشۂ منبر   گرجے ہیں بہت اہلِ حکم بر سرِ دربار

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام   چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت

اِس عشق، نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل   ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت!

یہ ایک کردار ہے جس کو واضح کرنے کے لیے دو دو اوصاف کے یہ تین جوڑے آئے ہیں۔ ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں اس کردار کو عملاً اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے، جس کو چاہے عطا کرتا ہے، اور اللہ بہت وسعت رکھنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔ اگر تم اپنے بھائیوں، عزیزوں، دوستوں، ساتھیوں اور رفیقوں کو دیکھتے ہو کہ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہوا ہے، انہوں نے کیسے کیسے مرحلے سر کر لیے ہیں، کیسی کیسی بازیاں جیت لیں ہیں، تو تم بھی اللہ سے اس کا فضل طلب کرو۔ اللہ تمہیں بھی ہمت دے گا۔ اس لیے کہ اس دین کے کام میں اس قسم کا رشک بہت پسندیدہ ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ کو رشک آیا حضرت ابوبکر صدیقؓ پر۔ جب غزوۂ تبوک کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیا تو آپؓ نے سوچا کہ آج تو میں ابوبکرؓ سے بازی لے جاؤں گا، کیونکہ اتفاق سے اِس وقت میرے پاس خاصا مال ہے۔ چنانچہ انہوںؓ نے اپنے پورے مال کے دو برابر حصے کیے، اور پورا ایک حصہ یعنی آدھا مال لا کر حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر میں جو کچھ تھا وہ سب لے آئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا میں نے جان لیا کہ ابوبکرؓ سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ تو دین کے معاملے میں اللہ کا حکم ہے: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ﴾ (المائدۃ:۴۸) یعنی نیکیوں میں، خیر میں، بھلائی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہو!

اب پھر اہل ایمان کو دوستانہ تعلقات کے معیار کے بارے میں خبردار کیا جا رہا ہے۔ اہل ایمان کی دلی دوستی کفار سے، یہود ہنود اور نصاریٰ سے ممکن ہی نہیں، اس لیے کہ یہ ایمان کے منافی ہے۔ اگر دین کی غیرت وحمیت ہو گی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت دل میں ہو گی تو ان کے دشمنوں سے دلی دوستی ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت ۵۵ ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا ﴾ ''تمہارے ولی تو اصل میں بس اللہ، اُس کا رسول (ﷺ) اور اہل ایمان ہیں''

تمہارے دوست، پشت پناہ، حمایتی، معتمد اور راز دار تو بس اللہ، اُس کا رسول ﷺ اور اہل ایمان ہیں۔ اور یہ اہلِ ایمان بھی پیدائشی اور قانونی مسلمان نہیں، بلکہ: ؎

﴿اَلَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمۡ رٰکِعُوۡنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں جھک کر۔''

یہاں وَھُمۡ رٰکِعُوۡنَ کا مطلب ''وہ رکوع کرتے ہیں'' صحیح نہیں ہے۔ یہ درحقیقت زکوٰۃ دینے کی کیفیت ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں فروتنی کرتے ہوئے۔ ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۷۳) میں پڑھ آئے ہیں کہ سب سے بڑھ کر انفاق فی سبیل اللہ کے مستحق کون لوگ ہیں: ﴿لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ......﴾ جو اللہ کے دین کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ہیں اور ان کے پاس اب اپنی معاشی جدوجہد کے لیے وقت نہیں ہے۔ لیکن وہ فقیر تو نہیں کہ آپ سے جھک کر مانگیں، یہ تو آپ کو جھک کر، فروتنی کرتے ہوئے ان کی مدد کرنا ہوگی۔ آپ انہیں دیں اور وہ قبول کر لیں تو آپ کو ان کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے۔

آیت ۵۶ ﴿وَمَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ ''اور جو کوئی دوستی قائم کرے گا اللہ، اُس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کے ساتھ''

یوں سمجھ لیں کہ یہاں یہ فقرہ محذوف ہے: ''تو وہ شامل ہو جائے گا حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) میں۔''

﴿فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''پس سن لو کہ حزب اللہ ہی غالب رہنے والی ہے۔''

یہ شرائط پہلے پوری کی جائیں، ان تمام معیارات پر پورا اترا جائے، اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ایمان رکھا جائے، تو پھر یقیناً حزب اللہ ہی غالب رہے گی۔

آیات ۵۷ تا ۶۶

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَکُمۡ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَالۡکُفَّارَ اَوۡلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَیۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوۡھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۸﴾ قُلۡ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ ھَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاَنَّ اَکۡثَرَکُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ قُلۡ ھَلۡ اُنَبِّئُکُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِکَ مَثُوۡبَۃً عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ مَنۡ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیۡہِ وَجَعَلَ مِنۡھُمُ الۡقِرَدَۃَ وَالۡخَنَازِیۡرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَقَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡکُفۡرِ وَھُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِہٖ ؕ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡتُمُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡھُمۡ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَکۡلِھِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ لَوۡلَا یَنۡھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِھِمُ الۡاِثۡمَ وَاَکۡلِھِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الۡیَھُوۡدُ یَدُ اللّٰہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ ؕ غُلَّتۡ اَیۡدِیۡھِمۡ وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا ۘ بَلۡ یَدٰہُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ یُنۡفِقُ کَیۡفَ یَشَآءُ ؕ وَلَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡھُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ طُغۡیَانًا وَّکُفۡرًا ؕ وَاَلۡقَیۡنَا بَیۡنَھُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ؕ کُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَھَا اللّٰہُ ۙ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوۡ اَنَّ اَھۡلَ الۡکِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَکَفَّرۡنَا عَنۡھُمۡ سَیِّاٰتِھِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰھُمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوۡ اَنَّھُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡھِمۡ مِّنۡ رَّبِّھِمۡ لَاَکَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِھِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِھِمۡ ؕ مِنۡھُمۡ اُمَّۃٌ مُّقۡتَصِدَۃٌ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡھُمۡ سَآءَ مَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۶﴾﴾

آیت ۵۷ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَکُمۡ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَالۡکُفَّارَ اَوۡلِیَآءَ ۚ﴾ ''اے اہل ایمان، ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی تم سے پہلے اور دوسرے کافروں میں سے بھی۔''

پھر وہی بات فرمائی گئی کہ مشرکین اور اہل کتاب میں سے کسی کو اپنا ولی اور دوست نہ بناؤ۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم مؤمن ہو۔''

آیت ۵۸ ﴿وَاِذَا نَادَیۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوۡھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ﴾ ''اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔''

یعنی اذان کی آواز سن کر اس کی نقلیں اتارتے ہیں اور تمسخر کرتے ہیں۔

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ عقل سے عاری ہیں۔''

آیت ۵۹ ﴿قُلۡ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ﴾ ''(اے نبیؐ) ان سے کہیے کہ اے کتاب والو!''

﴿ھَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ﴾ ''تم کس بات کا انتقام لے رہے ہو ہم سے؟''

﴿اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ﴾ ''سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر''

﴿وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا﴾ ''اور (اس پر) جو ہم پر نازل کیا گیا''

﴿وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ﴾ ''اور (اس پر بھی) جو پہلے نازل کیا گیا''

﴿وَاَنَّ اَکۡثَرَکُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾﴾ ''اور حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔''

آیت ۶۰ ﴿قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكَ مَثُوۡبَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''آپ (ﷺ) کہیے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر سزا پانے والے کون ہیں؟''

﴿مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ ''(وہ لوگ ہیں) جن پر اللہ نے لعنت کی''

﴿وَغَضِبَ عَلَيۡهِ﴾ ''اور جن پر وہ غضب ناک ہوا''

﴿وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ﴾ ''اور جن میں سے اُس نے بندر اور خنزیر بنا دیئے''

﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ﴾ ''اور جنہوں نے شیطان کی بندگی کی۔''

﴿اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ۝۶۰﴾ ''یہ سب کے سب بہت برے مقام میں ہیں اور بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں سیدھے راستے سے۔''

آیت ۶۱ ﴿وَاِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا﴾ ''اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے''

﴿وَقَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَهُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ﴾ ''حالانکہ وہ داخل بھی ہوئے تھے کفر کے ساتھ اور نکلے بھی ہیں کفر کے ساتھ۔''

میرے نزدیک یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر سورۂ آل عمران (آیت ۷۲) میں آیا ہے' جنہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ۔ ان کے بارے میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی نکلے ہیں' ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ شعوری طور پر فیصلہ کر چکے تھے کہ رہنا تو ہمیں اپنے دین پر ہے' لیکن اسلام کی جو ساکھ بن گئی ہے اس کو نقصان پہنچانے کی خاطر ہم یہ دھوکہ اور سازش کر رہے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ ۝۶۱﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپائے ہوئے تھے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَتَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ﴾ ''اور تم دیکھو گے ان میں سے اکثر کو کہ بہت بھاگ دوڑ کرتے ہیں گناہ اور ظلم و زیادتی (کے کاموں) میں''

﴿وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ﴾ ''اور حرام کے مال کھانے میں۔''

﴿لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۶۲﴾ ''بہت ہی برا عمل ہے جو وہ کر رہے ہیں!''

آیت ۶۳ ﴿لَوۡلَا يَنۡهٰٮهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ﴾ ''کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے درویش (صوفی اور پیر و مرشد) اور علماء و فقہاء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے؟''

آج ہمارے ہاں بھی اکثر و بیشتر پیر اپنے مریدوں کو حرام خوری سے منع نہیں کرتے۔ انہیں اس میں سے نذرانے مل جانے چاہئیں' اللہ اللہ خیر سلا۔ کہاں سے کھایا؟ کیسے کھایا؟ اس سے کوئی بحث نہیں۔ حالانکہ اللہ والوں کا کام تو برائی سے روکنا ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

﴿لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ۝۶۳﴾ ''بہت برا ہے وہ کام جو وہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۶۴ ﴿وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ؕ﴾ ''اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا۔''

ان کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کی رحمت جو ہمارے لیے تھی وہ بند ہو گئی ہے' نبوت کی رحمت ہمارے لیے مختص تھی اور اب یہ دستِ رحمت ہماری طرف سے بند ہو گیا ہے۔ یا اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے جو منافقین کہا کرتے تھے کہ اللہ ہم سے قرضِ حسنہ مانگتا ہے تو گویا اللہ فقیر ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) اور ہم اغنیاء ہیں۔ جواب میں فرمایا گیا:

﴿غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ﴾ ''ان کے ہاتھ بندھ گئے ہیں'' یا ''بندھ جائیں ان کے ہاتھ''

﴿وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا ۘ﴾ ''اور ان پر لعنت ہے اس کے سبب جو انہوں نے کہا''

﴿بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ﴾ ''بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں''

﴿يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ ؕ﴾ ''وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔''

﴿وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ؕ﴾ ''اور یقیناً اضافہ کرے گا ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر میں جو کچھ (اے نبیؐ) نازل کیا گیا ہے آپؐ پر آپؐ کے ربّ کی طرف سے۔''

یعنی ضد میں آ کر انہوں نے حق و صداقت پر مبنی اس کلام کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جیسے جیسے جو جو احسانات بھی آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر ہو رہے ہیں' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو غنیمتیں دے رہا ہے' دین کو رفتہ رفتہ جو غلبہ حاصل ہو رہا ہے' اس کے حسد کے نتیجے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی بڑھتی جا رہی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد تو خاص طور پر عرب کے اندر بہت تیزی کے ساتھ صورتحال بدلنی شروع ہو گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں بجائے اس کے کہ یہ لوگ سمجھ جاتے کہ واقعی یہ اللہ کی طرف سے حق ہے اور یکسو ہو کر اس کا ساتھ دیتے' ان کے اندر کی جلن اور حسد کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔

﴿وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''اور ہم نے ان کے مابین قیامت تک کے لیے دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔''

﴿كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ ۙ﴾ ''جب کبھی یہ آگ بھڑکاتے ہیں جنگ کے لیے اللہ اُس کو بجھا دیتا ہے''

جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے یہودی اکثر سازشیں کرتے رہتے تھے۔ خاص طور پر غزوۂ احزاب تو ان ہی کی سازشوں کے نتیجے میں برپا ہوا تھا۔ مدینے کے یہودی قبائل عرب کے پاس جا جا کر' اِدھر اُدھر وفد بھیج کر لوگوں کو جمع کرتے تھے

کہ آؤ تم باہر سے حملہ کرو، ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ ان کی انہی سازشوں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ﴾ ''اور (پھر بھی) یہ زمین میں فساد مچانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتے رہتے ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۴﴾ ''اور اللہ ایسے مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیت ۶۵ ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ ''اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے''

﴿لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ ''تو ہم اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دیتے''

﴿وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۶۵﴾ ''اور ہم لازماً انہیں داخل کرتے نعمتوں والے باغوں میں۔''

جو آیت آگے آ رہی ہے اس پر غور کیجیے اور اسے خود پر بھی منطبق کر کے ذرا سوچیے۔

آیت ۶۶ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور اگر انہوں نے قائم کیا ہوتا تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر ان کے رب کی طرف سے''

﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ﴾ ''تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔''

یعنی ہم نے انہیں تورات اس لیے دی تھی کہ اس کے احکامات کو نافذ کیا جائے۔ اسی سورت کے ساتویں رکوع (آیات ۴۴ تا ۵۰) میں اس کا مفصّل ذکر ہم پڑھ آئے ہیں کہ کس طرح انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے فیصلے تورات کے احکامات کے مطابق کرو۔ اس سے اگلا مرحلہ اس پورے نظام کے نفاذ کا تھا جو تورات نے دیا تھا۔ اسی طرح ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم نے قرآن کے نظام کو قائم کرنا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر انہوں نے اللہ کا وہ نظام قائم کیا ہوتا تو ان کے اوپر سے بھی ان کے رب کی طرف سے نعمتوں کی بارش ہوتی اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دھارے پھوٹتے۔

﴿مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ﴾ ''ان میں کچھ لوگ ہیں جو درمیانی (یعنی سیدھی) راہ پر ہیں۔''

﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۶﴾ ''لیکن ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بہت بُری حرکتیں کر رہے ہیں۔''

ان کا عمل اور رویہ نہایت غلط ہے۔

آیات ۶۷ تا ۷۷

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۷ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي شَيْءٍ حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۹ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۷۲ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۴ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۷۵ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۷۶ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝۷۷﴾

آیت ۶۷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ﴾ ''اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے۔''

﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ﴾ ''اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپؐ نے اُس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔''

اپنے مضمون کے اعتبار سے یہ بہت سخت آیت ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اگر وحی میں کہیں رسول اللہ ﷺ پر تنقید

نازل ہوئی ہے تو وہ بھی قرآن میں جوں کی توں موجود ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ایسی چیزوں کو چھپا لیا گیا ہو۔ تیسویں پارے میں سورۂ عبس کی ابتدائی آیات ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ① اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ②﴾ بھی ویسے ہی موجود ہیں جیسے نازل ہوئی تھیں۔ سورۂ آل عمران میں بھی ہم پڑھ کر آئے ہیں کہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ......﴾ (آیت ۱۲۸)۔ اس طرح کی آیات اپنی جگہ پر من وعن موجود ہیں' اور یہ قرآن کے محفوظ من اللہ ہونے پر حجت ہیں۔ آیت زیر نظر میں تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ وحئ الٰہی میں سے کوئی چیز کسی وجہ سے پہنچنے سے رہ نہ جائے۔ لوگوں کے خوف سے یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے بالفرض اگر ایسا ہوا تو گویا آپ ﷺ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کا ثبوت دیں گے۔ اَلۡعَبۡدُ عَبۡدٌ وَاِنۡ تَرَقّٰی' وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنۡ تَنَزَّلَ!

﴿وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ ''اور اللہ آپؐ کی حفاظت کرے گا لوگوں سے۔''

آپ کو لوگوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۷﴾﴾ ''یقیناً اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرتا۔''

آیت ۶۸ ﴿قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ﴾ ''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے: اے کتاب والو تم کسی چیز پر نہیں ہو''

تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے' کوئی مقام نہیں ہے' کوئی جڑ بنیاد نہیں ہے' تم ہم سے ہم کلام ہونے کے مستحق نہیں ہو۔

﴿حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ﴾ ''جب تک تم قائم نہ کرو تورات اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے۔''

اب اپنے لیے اس آیت کو آپ اس طرح پڑھ لیجیے: "یٰۤاَہۡلَ الۡقُرۡاٰنِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُوا الۡقُرۡاٰنَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ" ''اے قرآن کے ماننے والو! تمہاری کوئی حیثیت نہیں...... تم سمجھتے ہو کہ ہم اُمتِ مسلمہ ہیں' اللہ والے ہیں' اللہ کے لاڈلے اور پیارے ہیں' اللہ کے رسولؐ کے اُمتی ہیں۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ ذلت وخواری تمہارا مقدر بنی ہوئی ہے' ہر طرف سے تم پر یلغار ہے' عزت ووقار نام کی کوئی شے تمہارے پاس نہیں رہی۔ تم کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہو' دنیا میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں' اور اس سے زیادہ بے توقیری کے لیے بھی تیار رہو۔'' ''تمہاری کوئی اصل نہیں جب تک تم قائم نہ کرو قرآن کو اور اس کے ساتھ جو کچھ مزید تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے''۔ قرآن وحئ جلی ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو وحئ خفی کے ذریعے سے بھی تو احکامات ملتے تھے اور سنتِ رسولؐ وحئ خفی کا ظہور ہی تو ہے۔ تو جب تک تم کتاب وسنت کا نظام قائم نہیں کرتے' تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ''یَا اَہۡلَ الۡقُرۡاٰنِ'' کا خطاب خود حضور ﷺ نے ہمیں دیا ہے۔ میرے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' میں یہ حدیث موجود ہے جس میں حضور ﷺ سے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

((یَا اَہۡلَ الۡقُرۡآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الۡقُرۡآنَ' وَاتۡلُوۡہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنۡ آنَاءِ اللَّیۡلِ وَالنَّہَارِ' وَاَفۡشُوۡہُ وَتَغَنَّوۡہُ وَتَدَبَّرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ))[1]

''اے اہل قرآن' قرآن کو اپنا تکیہ نہ بنا لینا' بلکہ اسے پڑھا کرو رات کے اوقات میں بھی اور دن کے اوقات میں بھی' جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے' اور اسے عام کرو اور خوش الحانی سے پڑھو اور اس میں تدبر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

﴿وَلَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ طُغۡیَانًا وَّکُفۡرًا ۚ﴾ ''لیکن (اے نبی ﷺ) جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے آپؐ کے رب کی طرف سے یہ ان کے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں یقیناً اضافہ کرے گا۔''

ان کی سرکشی اور طغیانی میں اور اضافہ ہو گا' ان کی مخالفت اور بڑھتی چلی جائے گی' حسد کی آگ میں وہ مزید جلتے چلے جائیں گے۔

﴿فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۸﴾﴾ ''تو آپؐ ان کافروں کے بارے میں افسوس نہ کریں۔''

نبی چونکہ اپنی اُمت کے حق میں نہایت رحیم وشفیق ہوتا ہے لہٰذا وہ لوگوں پر عذاب کو پسند نہیں کرتا اور قوم پر عذاب کے تصور سے اسے صدمہ ہوتا ہے۔ پھر خصوصاً جب وہ اپنی برادری بھی ہو' جیسا کہ بنی اسماعیلؑ تھے' تو یہ رنج وصدمہ دوچند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب ان کے بارے میں سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں عذاب کی خبریں آ رہی تھیں تو آپؐ بہت فکرمند اور غمگین ہوئے اور آپؐ کے بالوں میں یک دم سفیدی آ گئی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پوچھا' حضور ﷺ کیا ہوا؟ آپؐ پر بڑھاپا طاری ہو گیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((شَیَّبَتۡنِیۡ ہُوۡدٌ وَاَخَوَاتُہَا))[2] ''مجھے سورۂ ہود اور اس کی بہنوں (ہم مضمون سورتوں) نے بوڑھا کر دیا ہے''۔ کیونکہ ان سورتوں کا انداز ایسا ہے کہ جیسے اب مہلت ختم ہوئی چاہتی ہے اور عذاب کا دھارا چھوٹنے ہی والا ہے۔

آیت ۶۹ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَالصّٰبِئُوۡنَ وَالنَّصٰرٰی﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے' اور وہ لوگ جو یہودی' صابی' اور نصاریٰ (عیسائی) ہوئے''

اس آیت میں تقریباً وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کے آٹھویں رکوع (آیت ۶۲) میں آ چکا ہے' جس سے بعض لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ شاید نجات کے لیے ایمان بالرسالت کی ضرورت نہیں ہے' حالانکہ سورۃ النساء (آیات ۵۰'۵۱ اور ۵۲) میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے مابین تفریق کرنے والوں کے لیے بہت واضح انداز میں فرمایا گیا ہے: ﴿اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا﴾ ''وہی لوگ تو پکے کافر ہیں''۔ دوسری بات یہاں ذہن میں یہ رکھیے کہ ان تمام سورتوں میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت قدم قدم پر ہے' بار بار ہے' لہٰذا اس سے استغناء کا کوئی جواز رہتا ہی نہیں' سوائے اس کے کہ کسی کی نیت میں فساد ہو اور دل میں کجی پیدا ہو چکی ہو۔

﴿مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''(اپنے اپنے زمانے میں جس قوم اور جس گروہ سے) جو کوئی ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور اُس نے اچھے عمل کیے تو ان پر نہ

کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے۔“

یہاں وہ تمام لوگ مراد ہیں جو اپنے اپنے دور میں اللہ اور آخرت پر ایمان و یقین رکھتے تھے اور اپنے وقت کے نبی اور گزشتہ انبیاء پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام سے ماقبل زمانہ میں یہودی تھے‘ جو کتاب اللہ تورات پر یقین رکھتے تھے‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے‘ دوسرے نبیوں کو مانتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے۔ لیکن عمل کے معاملے میں اصل چیز اور اصل بنیاد اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کی جزا طلبی ہے‘ جس سے کوئی عمل‘ عمل صالح بنتا ہے۔

آیت ۷۰ ﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ﴾ ”ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے۔“

یہاں بہت سے رسول بھیجنے سے مراد ہے بہت سے انبیاء بھیجے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں‘ قرآن مجید میں رسول کا لفظ نبی کی جگہ استعمال ہوا ہے‘ البتہ جہاں تک لفظ رسول کے اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں رسول صرف ایک آئے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام‘ باقی سب نبی تھے۔

﴿كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ﴾ ”(لیکن) جب بھی کبھی ان کے پاس کوئی رسول لے کر آیا وہ چیز جو ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف تھی“

﴿فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝﴾ ”تو ایک گروہ کو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔“

آیت ۷۱ ﴿وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ ”اور انہوں نے سمجھا کہ ان پر کوئی پکڑ نہیں آئے گی“

کوئی عقوبت نہیں ہوگی‘ ہم پر کوئی سرزنش نہیں ہوگی۔

﴿فَعَمُوْا وَصَمُّوْا﴾ ”تو وہ بہرے بھی ہو گئے‘ اندھے بھی ہو گئے“

﴿ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ”پھر اللہ نے انہیں معاف کر دیا“

اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں فوراً نہیں پکڑا۔ انہیں توبہ کی مہلت دی‘ موقع دیا۔

﴿ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ﴾ ”(نتیجہ یہ ہوا کہ) پھر ان میں سے اکثر لوگ اور زیادہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔“

بجائے اللہ کے دامنِ رحمت میں آنے کے اپنی گمراہی میں اور بڑھتے چلے گئے۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ ”اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

آیت ۷۲ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ﴾ ”یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔“

یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے اسی سورۃ کی آیت ۱۷ میں آ چکی ہے‘ یعنی اللہ ہی نے مسیح علیہ السلام کی شخصیت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔

﴿وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ﴾ ”جبکہ مسیحؑ نے تو کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل‘ بندگی اور پرستش کرو اللہ کی جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔“

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ ”یقیناً جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ نے اُس پر جنت کو حرام کر دیا ہے“

﴿وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝﴾ ”اور اُس کا ٹھکانہ آگ ہے‘ اور ایسے ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

اب عیسائیوں کے شرک کی ایک دوسری شکل کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کا ایک عقیدہ تو God incarnate کا تھا۔ یہ ان میں سے ایک فرقے Jacobites کا عقیدہ تھا کہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے عیسیٰؑ کی شکل میں انسانی روپ دھار لیا ہے۔ اوپر اسی عقیدے کا ذکر ہوا ہے‘ لیکن عیسائیوں کے ہاں ایک عقیدہ ”تثلیث“ کا بھی ہے‘ اور اس عقیدہ کی بھی ان کے ہاں دو شکلیں ہیں۔ ابتدا میں جو تثلیث تھی اس میں اللہ‘ حضرت مریم اور حضرت مسیح شامل تھے۔ یعنی ”God the Father, God the Mother and God the Son.“ دراصل یہ تثلیث مصر میں فراعنہ کے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔ اسی کے اندر انہوں نے عیسائیت کو ڈھال دیا‘ تاکہ مصر کے لوگ آسانی سے عیسائیت قبول کر لیں۔ اس کے بعد حضرت مریم کو اس تثلیث میں سے نکال دیا گیا اور Holy Ghost یا Holy Spirit (روح القدس) کو ان کی جگہ شامل کر لیا گیا اور اس طرح "God the father, God the Son and God the Holy Ghost" پر مشتمل تثلیث وجود میں آئی۔

آیت ۷۳ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ﴾ ”یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔“

﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ﴾ ”جبکہ حقیقتاً نہیں ہے کوئی الٰہ سوائے ایک ہی الٰہ کے۔“

﴿وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ ”اور اگر یہ باز نہ آئے اس سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں“

﴿لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ ”تو ان میں سے جو کافر ہیں ان پر بہت دردناک عذاب آ کر رہے گا۔“

آیت ۷۴ ﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ﴾ ”تو کیا یہ لوگ اللہ کی جناب میں توبہ اور اس سے استغفار نہیں کرتے؟“

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ”اور اللہ تو غفور اور رحیم ہے۔“

آیت ۷۵ ﴿مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ﴾ ''مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک رسول تھے۔''

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ﴾ ''ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔''

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جو سورۂ آل عمران (آیت ۱۴۴) میں محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آئے ہیں: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ﴾ ''محمد (ﷺ) اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں' اور آپؐ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں''۔ تو اسی طرح فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اللہ کے ایک رسول کی ہے' جس طرح ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ﴾ ''اور ان کی والدہ صدّیقہ تھیں۔''

قبل ازیں ہم سورۃ النساء (آیت ۶۹) میں پڑھ چکے ہیں کہ نبیوں کے بعد سب سے اونچا درجہ صدیقین کا ہے۔ خواتین کو اگرچہ نبوت تو نہیں ملی ہے لیکن انبیاء کے بعد کا جو دوسرا درجہ ہے اس میں بہت چوٹی کی حیثیتیں انہیں ملی ہیں۔ ہماری امت کی صدیقہ الکبریٰ یعنی سب سے بڑی صدیقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں اور صدیق اکبر کی حیثیت اس اُمت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی صدیقہ ہیں۔ اسی طرح حضرت مریمؑ بھی صدیقہ تھیں۔

﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ﴾ ''دونوں کھانا کھاتے تھے۔''

دونوں انسان تھے' بشر تھے اور سارے بشری تقاضے ان کے ساتھ تھے۔

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝﴾ ''دیکھو' کس طرح ہم ان کے لیے اپنی آیات واضح کرتے ہیں' پھر دیکھو کہ وہ کہاں سے اُلٹا دیے جاتے ہیں۔''

آیت ۷۶ ﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ﴾ ''آپؐ کہیے کیا تم پوجتے ہو اللہ کے سوا انہیں جو تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نفع کا؟''

﴿وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ ''جبکہ اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

آیت ۷۷ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ ''کہہ دیجیے اے اہل کتاب' اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو''

یہ تم نے حضرت عیسیٰؑ کو محبت اور عقیدت کی وجہ سے جو کچھ بنا دیا ہے' وہ سراسر مبالغہ ہے۔ حضور ﷺ کی شان میں بھی مبالغہ آرائی اگر لوگ کرتے ہیں تو محبت کی وجہ سے کرتے ہیں' عشق رسول ﷺ کے نام پر کرتے ہیں' عقیدت کے غلو کی وجہ سے کرتے ہیں۔ تو غلو (مبالغہ) درحقیقت انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور مت پیروی کرو اُن لوگوں کی بدعات کی جو تم سے پہلے (خود بھی) گمراہ ہوئے''

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے' یہ تثلیث مصر میں زمانہ قدیم سے موجود تھی' اُسی کو انہوں نے اختیار کیا۔

﴿وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝﴾ ''اور انہوں نے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔''

آیات ۷۸ تا ۸۶

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓي اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝﴾

آیت ۷۸ ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ﴾ ''لعنت کی گئی اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے' داؤدؑ کی زبان سے اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے بھی۔''

بنی اسرائیل کا جو کردار رہا ہے اس پر ان کے انبیاء ان کو مسلسل لعن طعن کرتے رہے ہیں۔ Old Testament میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ New Testament (گوسپلز) میں حضرت مسیح علیہ السلام کے تنقیدی فرمودات بار بار ملتے ہیں' جن میں اکثر ان کے علماء' احبار اور صوفیاء مخاطب ہیں کہ تم سانپوں کے سنپولیے ہو۔ تمہارا

حال ان قبروں جیسا ہے جن کے اوپر تو سفیدی پھری ہوئی ہے' مگر اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم نے اپنے اوپر صرف مذہبی لبادے اوڑھے ہوئے ہیں' لیکن تمہارے اندر خیانت بھری ہوئی ہے۔ تم مچھر چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو' یعنی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر تو زوردار بحثیں ہوتی ہیں جبکہ بڑے بڑے گناہ کھلے بندوں کرتے ہو۔ یہ تو یہودی قوم اور ان کے علماء کے کردار کی جھلک ہے ان کے اپنے نبی کی زبان سے' مگر دوسری طرف یہی نقشہ بعینہٖ آج ہمیں اپنے علماءِ سُوء میں بھی نظر آتا ہے۔

﴿ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی' اور وہ حدود سے تجاوز کر جاتے تھے۔''

آیت ۷۹ ﴿کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ﴾ ''یہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے اُن منکرات سے جو وہ کرتے تھے۔''

جس معاشرے سے نہی عن المنکر ختم ہو جائے گا' وہ پورا معاشرہ سنڈاس بن جائے گا۔ یہ تو گویا انتظامِ صفائی ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے اردگرد نگاہ رکھے' ایک دوسرے کو روکتا رہے کہ یہ کام غلط ہے' یہ مت کرو! جس معاشرے سے یہ تنقید اور احتساب ختم ہو جائے گا' اس کے اندر لازماً خرابی پیدا ہو جائے گی۔

﴿لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾﴾ ''بہت ہی برا طرزِ عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔''

آیت ۸۰ ﴿تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ﴾ ''تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔''

خود کافروں کے حمایتی بنتے ہیں اور اپنے لیے ان کی حمایت تلاش کرتے ہیں۔

﴿لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ ''بہت ہی بُری کمائی ہے جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے''

یہ ان کے جو کرتوت ہیں وہ سب آگے اللہ کے ہاں جمع ہو رہے ہیں اور ان کا وبال ان پر آئے گا۔

﴿اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ ''یہ کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا ان پر''

﴿وَفِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾﴾ ''اور وہ عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۸۱ ﴿وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِیِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ﴾ ''اور اگر یہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبیؐ پر اور اس پر جو نبیؐ پر نازل کیا گیا (یعنی قرآن حکیم)''

﴿مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ﴾ ''تو پھر انہوں نے ان (کافروں) کو اپنا ولی نہ بنایا ہوتا''

﴿وَلٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔''

آیت ۸۲ ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚ﴾ ''تم لازماً پاؤ گے اہلِ ایمان کے حق میں شدید ترین دشمن یہود کو اور ان کو جو مشرک ہیں۔''

یہ بہت اہم آیت ہے۔ مکہ کے مشرکین بھی مسلمانوں کے دشمن تھے' لیکن ان کی دشمنی کم از کم کھلی دشمنی تھی' ان کا دشمن ہونا بالکل ظاہر و باہر تھا' وہ سامنے سے حملہ کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں سے بدترین دشمنی یہود کی تھی' وہ آستین کے سانپ تھے اور سازشی انداز میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں مشرکینِ مکہ سے کہیں آگے تھے۔ آج بھی یہود اور ہنود مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے آگے ہیں' کیونکہ اس قسم (بت پرستی) کا شرک تو اب صرف ہندوستان میں رہ گیا ہے' اور کہیں نہیں رہا۔ ہندوستان کے بھی اب یہ صرف نچلے طبقے میں ہے جبکہ عام طور پر اوپر کے طبقے میں نہیں ہے۔ لیکن بہرحال اب بھی مسلمانوں کے خلاف یہود اور ہنود کا گٹھ جوڑ ہے۔

﴿وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ﴾ ''اور تم لازماً پاؤ گے مودّت کے اعتبار سے قریب ترین اہلِ ایمان کے حق میں اُن لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔''

یہ تاریخی حقیقت ہے اور سیرتِ محمدﷺ سے ثابت ہے کہ جس طرح کی شدید دشمنی اُس وقت یہود نے آپﷺ سے کی ویسی نصاریٰ نے نہیں کی۔ حضرت نجاشیؒ (شاہِ حبشہ) نے اُس وقت کے مسلمان مہاجروں کو پناہ دی' مقوقس (شاہِ مصر) نے بھی حضورﷺ کی خدمت میں ہدیے بھیجے۔ ہرقل نے بھی حضورﷺ کے نامہ مُبارک کا احترام کیا۔ وہ چاہتا بھی تھا کہ اگر میری پوری قوم مان لے تو ہم اسلام قبول کر لیں۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' جس کا ذکر سورۂ آلِ عمران (آیت ۶۱) میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ وہ لوگ اگرچہ مسلمان تو نہیں ہوئے مگر ان کا رویہ انتہائی محتاط رہا۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ حضورﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی مخالفت میں وہ شدت نہ تھی جو یہودیوں کی مخالفت میں تھی۔

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾ ''یہ اس لیے کہ ان (عیسائیوں) میں عالم بھی موجود ہیں اور درویش بھی اور (اس لیے بھی کہ) وہ تکبر نہیں کرتے۔''

یعنی عیسائیوں میں اُس وقت تک علمائے حق بھی موجود تھے اور درویش راہب بھی جو واقعی اللہ والے تھے۔ بحیرہ راہب عیسائی تھا جس نے حضورﷺ کو بچپن میں پہچانا تھا۔ اسی طرح ورقہ بن نوفل نے حضورﷺ کی سب سے پہلے تصدیق کی تھی اور بتایا تھا کہ اے محمد (ﷺ) آپ پر وہی ناموس نازل ہوا ہے جو اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) پر نازل ہوا تھا۔ ورقہ بن نوفل تھے تو عرب کے رہنے والے' لیکن وہ حق کی تلاش میں شام گئے اور عیسائیت اختیار کی۔ وہ عبرانی زبان میں تورات لکھا کرتے تھے۔ یہ اُس دور کے چند عیسائی علماء اور راہبوں کی مثالیں ہیں۔ لیکن وہ قِسِّیْسِیْن اور رُهْبَان اب آپ کو عیسائیوں میں نہیں ملیں گے' وہ دور ختم ہو چکا ہے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب قرآن نازل ہو رہا تھا۔ اس کے بعد جو صورتِ حال بدلی ہے اور صلیبی جنگوں کے اندر عیسائیت نے جو وحشت و بربریت دکھائی ہے' اور عیسائی علماء اور مذہبی پیشواؤں نے جس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے اور اپنی قوم سے اس سلسلے میں جو کارنامے انجام دلوائے ہیں وہ تاریخ کے

چہرے پر بہت ہی بدنما داغ ہے۔“

آیت ۸۳ ﴿وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَی الرَّسُوۡلِ﴾ ”اور جب انہوں نے سنی وہ چیز جو کہ رسول (ﷺ) پر نازل کی گئی تھی“

﴿تَرٰۤی اَعۡیُنَہُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ ۚ﴾ ”تو تم دیکھتے ہو کہ حق کی جو پہچان انہیں حاصل ہوئی اس کے زیر اثر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔“

یہ ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ مکی دَور میں جب صحابہ ؓ ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے تو ان کے ذریعے سے وہاں کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر جب مدینہ منورہ میں اسلام کا غلبہ ہو گیا اور عرب میں امن قائم ہو گیا تو ان کا ایک وفد مدینہ آیا جو ستر (۷۰) افراد پر مشتمل تھا اور اس میں کچھ نومسلم بھی شامل تھے۔ آیت زیر نظر میں اس وفد کے ارکان کا ذکر ہے کہ جب انہوں نے قرآن سنا تو حق کو پہچان لینے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔

﴿یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۸۳﴾﴾ ”(اور) وہ کہہ رہے ہیں‘ اے ہمارے ربّ ہم ایمان لے آئے‘ پس تو ہمیں لکھ لے گواہی دینے والوں میں سے۔“

آیت ۸۴ ﴿وَمَا لَنَا لَا نُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الۡحَقِّ ۙ﴾ ”اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اُس حق پر جو ہم تک پہنچ گیا ہے“

﴿وَنَطۡمَعُ اَنۡ یُّدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۴﴾﴾ ”اور ہمیں تو بڑی خواہش ہے کہ داخل کرے ہمیں ہمارا ربّ نیکوکار لوگوں کے ساتھ۔“

آیت ۸۵ ﴿فَاَثَابَہُمُ اللّٰہُ بِمَا قَالُوۡا جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ﴾ ”تو اللہ نے ان کے اس قول کے بدلے انہیں وہ باغات عطا کیے جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں‘ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

﴿وَذٰلِکَ جَزَآءُ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۸۵﴾﴾ ”اور یہی بدلہ ہے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کا۔“

جو خوش قسمت نفوس اسلام قبول کریں‘ اور اسلام کے بعد ایمان اور پھر ایمان سے آگے بڑھ کر احسان کے درجے تک پہنچ جائیں ان کا بدلہ یہی ہے۔

آیت ۸۶ ﴿وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ﴿۸۶﴾﴾ ”رہے وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور جھٹلا دیا ہماری آیات کو تو وہی لوگ ہیں جو جہنمی ہیں۔“

آیات ۸۷ تا ۹۳

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحَرِّمُوۡا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿۸۷﴾ وَکُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡۤ اَنۡتُمۡ بِہٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا عَقَّدۡتُّمُ الۡاَیۡمَانَ ۚ فَکَفَّارَتُہٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیۡنَ مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ اَہۡلِیۡکُمۡ اَوۡ کِسۡوَتُہُمۡ اَوۡ تَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ ؕ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِکَ کَفَّارَۃُ اَیۡمَانِکُمۡ اِذَا حَلَفۡتُمۡ ؕ وَاحۡفَظُوۡۤا اَیۡمَانَکُمۡ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۸۹﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَیۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ وَیَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَہُوۡنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۹۲﴾ لَیۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَّاٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّاٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّاَحۡسَنُوۡا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۹۳﴾﴾

کھانے پینے کی چیزوں میں حلت و حرمت اور تحلیل و تحریم الہامی شریعتوں کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی بار بار ان مسائل پر بحث کی گئی ہے اور یہ موضوع سورۃ البقرۃ سے مسلسل چل رہا ہے۔ عربوں کے ہاں نسل در نسل رائج مشرکانہ اوہام کی وجہ سے بہت سی چیزوں کے بارے میں حلّت و حرمت کے غلط تصورات ذہنوں میں پختہ ہو چکے تھے۔ اس قسم کے خیالات ذہنوں‘ دلوں اور مزاجوں سے نکلنے میں وقت لگتا ہے۔ اس لیے بار بار ان مسائل کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔

آیت ۸۷ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحَرِّمُوۡا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمۡ﴾ ”اے ایمان والو! نہ حرام ٹھہرالو ان چیزوں کو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے“

﴿وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ﴾ ”اور حد سے تجاوز نہ کرو۔“

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ تقویٰ کے جوش میں اور بہت زیادہ نیکی کمانے کے جذبے میں بھی کئی حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر بیٹھتے ہیں‘ اس لیے فرمایا گیا کہ حد سے تجاوز نہ کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿۸۷﴾﴾ ”یقیناً اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

آیت ۸۸ ﴿وَکُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪﴾ ”اور کھاؤ اُن حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے جو اللہ نے

تمہیں دی ہیں''

یعنی وہ چیزیں جو قانونی طور پر حلال ہوں اور ظاہری طور پر بھی صاف ستھری ہوں۔

﴿وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾﴾ ''اور اُس اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس پر تمہارا ایمان ہے۔''

آیت ۸۹ ﴿لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرے گا تم سے تمہاری ان قسموں میں جو لغو ہوتی ہیں''

قسموں کے سلسلے میں سورۃ البقرہ (آیت ۲۲۵) میں ہدایات گزر چکی ہیں' اب یہاں اس ضمن میں آخری حکم آ رہا ہے۔یعنی ایسی قسمیں جو بغیر کسی ارادے کے کھائی جاتی ہیں' ان پر کوئی گرفت نہیں ہے۔جیسے واللہ' باللہ وغیرہ کا تکیہ کلام کے طور پر استعمال عربوں کی خاص عادت تھی اور آج بھی ہے۔ظاہر ہے اس کو سن کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ شخص باقاعدہ قسم کھا رہا ہے۔تو ایسی صورت میں کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

﴿وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ﴾ ''لیکن وہ (ضرور) مؤاخذہ کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم نے پختہ کیا ہے۔''

عَقَّدْتُّم عقد سے بابِ تفعیل ہے۔یعنی پورے اہتمام کے ساتھ ایک بات طے کی گئی اور اس پر کسی نے قسم کھائی۔اب اگر ایسی قسم ٹوٹ جائے یا اس کو توڑنا مقصود ہو تو اس کا کفّارہ ادا کرنا ہوگا۔

﴿فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ﴾ ''سو اس کا کفارّہ ہے کھانا کھلانا دس مساکین کو' اوسط درجے کا کھانا جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو''

﴿اَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ ''یا ان کو کپڑے پہنانا''

﴿اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ﴾ ''یا کسی غلام کو آزاد کرنا۔''

﴿فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ﴾ ''پھر جو کوئی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔''

یعنی اگر کسی کے پاس ان تینوں میں سے کوئی صورت بھی موجود نہ ہو' کوئی شخص خود فقیر اور مفلس ہو' اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھ لے۔

﴿ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ﴾ ''یہ کفارّہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔''

﴿وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَكُمْ ؕ﴾ ''اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔''

یعنی جب کسی صحیح معاملے میں بالارادہ قسم کھائی جائے تو اسے پورا کیا جائے' اور اگر کسی وجہ سے قسم توڑنے کی نوبت آ جائے تو اسے توڑنے کا باقاعدہ کفارہ دیا جائے۔

﴿كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾﴾ ''اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح فرما رہا ہے تاکہ تم شکر کرو۔''

اب شراب اور جوئے کے بارے میں بھی آخری حکم آ رہا ہے۔

آیت ۹۰ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾﴾ ''اے اہل ایمان' یقیناً شراب اور جوا' بت اور پانسے' یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے عمل میں سے' تو ان سے بچ کر رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

شراب اور جوئے کے بارے میں تو پہلے بھی حکم آ چکا ہے' لیکن ''اَنصاب'' اور ''اَزلام'' کا یہاں اضافہ کیا گیا ہے۔اَنصاب سے مراد بتوں کے استھان ہیں اور اَزلام جوئے ہی کی ایک قسم تھی جس میں اہل عرب تیروں کے ذریعے پانسے ڈالتے تھے' قرعہ اندازی کرتے تھے۔ان تمام کاموں کو رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ قرار دے دیا گیا۔

آیت ۹۱ ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ﴾ ''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے شراب اور جوئے کے ذریعے سے''

یہ بہت اہم بات ہے' کیونکہ شراب کے نشے میں انسان اپنا ہوش اور شعور کھو بیٹھتا ہے۔ایسی حالت میں اس کو کچھ خبر نہیں رہتی کہ وہ منہ سے کیا بکواس کر رہا ہے اور اس کے اَعضاء و جوارح سے کیا افعال سرزد ہو رہے ہیں' لہٰذا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسی حالت میں کسی بات یا کسی حرکت سے کیا کیا گُل کھلیں گے' کیسے کیسے جھگڑے اور فسادات جنم لیں گے۔بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حکومتی اور ریاستی سطح کے بڑے بڑے راز شراب کے نشے میں چُرا لیے جاتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان چیزوں سے بچانا چاہتا ہے' جبکہ شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے مابین عداوت اور بغض پیدا کرے۔اسی طرح جوئے سے بھی بغض و عداوت کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔مثلاً ایک آدمی جوئے میں ہار جاتا ہے' پھر پے در پے ہارتا چلا جاتا ہے۔ایک وقت آتا ہے کہ وہ پھٹ پڑتا ہے اور غصّے میں آگ بگولا ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔اس لیے کہ اسے نظر آ رہا ہے کہ میرا جو حریف مجھ سے جیت رہا ہے وہ کسی محنت کی وجہ سے نہیں جیت رہا۔کسی نے محنت اور کوشش سے کچھ کمایا ہو تو اس سے دوسرے کو جلن محسوس نہیں ہوتی' لیکن جوئے میں بے محنت کی کمائی ہوتی ہے جسے مخالف فریق برداشت نہیں کر سکتا' اور اس طرح انسانی تعلقات میں کئی منفی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔

﴿وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ﴾ ''اور (شیطان یہ بھی چاہتا ہے کہ) تمہیں روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے۔''

اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنے والا معاملہ بھی شراب کا تو بالکل واضح ہے' لیکن جوئے میں بھی یونہی ہوتا ہے کہ آدمی ایک

باراس میں لگ جائے تو پھر وہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔جیسا کہ تاش اور شطرنج وغیرہ بھی ایسے کھیل ہیں کہ ان میں مشغول ہو کر انسان ذکر اور نماز جیسی چیزوں سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔

﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾﴾ ''تو اب باز آتے ہو یا نہیں؟''

یہ انداز بڑا سخت ہے اور اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔شراب اور جوئے کے بارے میں ایک واضح ہدایت قبل ازیں آ چکی تھی: ﴿فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾ (البقرۃ:۲۱۹) ''ان دونوں کے اندر بہت بڑے گناہ کے پہلو ہیں' اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں' البتہ ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے''۔تو اسی وقت تمہیں سمجھ لینا چاہیے تھا اور باز آ جانا چاہیے تھا۔اُس پہلے حکم میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت' مشیّت اور شریعت کا رخ تو واضح ہو گیا تھا۔پھر اگلا قدم اٹھایا گیا اور حکم دیا گیا :''جب تم لوگ شراب کے نشے میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ......'' (النساء:۴۳)۔اس سے تو پورے طور سے واضح ہو جانا چاہیے تھا کہ دین کا اہم ترین ستون نماز ہے: ((اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ))(۱) اور یہ شراب نماز سے روک رہی ہے' تو تمہیں یہ چھوڑ دینی چاہیے تھی۔بہر حال اب آخری بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آ گئی ہے' تو اسے سن کر کیا اب بھی باز نہیں آؤ گے؟

آیت ۹۲ ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ﴾ ''اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور (ان کی نافرمانی سے) بچتے رہو۔''

﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾﴾ ''پھر اگر تم پیٹھ موڑ لو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) پر تو ذمہ داری ہے بس صاف صاف پہنچا دینے کی۔''

یہ اللہ کا حکم ہے۔اللہ کا حکم پہنچانا رسولؐ کے ذمے تھا' تو رسولؐ نے پہنچا کر اپنی ذمہ داری ادا کر دی' اب معاملہ اللہ کا اور تمہارا ہو گا۔اللہ تم سے نمٹ لے گا' تم سے حساب لے لے گا۔

اب جو اگلی آیت آ رہی ہے یہ بھی قرآن مجید کے فلسفہ اور حکمت کے ضمن میں بہت بنیادی آیت ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب شراب کے بارے میں اتنا سخت انداز آیا کہ شراب اور جوا گندے شیطانی کام ہیں' ان سے باز آتے ہو یا نہیں؟ تو بہت سے مسلمانوں کو تشویش لاحق ہو گئی کہ ہم جو اتنے عرصے تک شراب پیتے رہے تو یہ گندگی تو ہماری ہڈیوں میں بیٹھ گئی ہو گی۔آج سائنس کی زبان میں جیسے کوئی شخص کہے کہ میرے جسم کا تو کوئی ایک خلیہ (cell) بھی ایسا نہیں ہو گا جس میں شراب کے اثرات نہ پہنچے ہوں۔تو اب ہم کیسے پاک ہوں گے؟ اب کس طریقے سے یہ گندگی ہمارے جسموں سے دُھلے گی؟ ان کی یہ تشویش بجا تھی۔جیسے تحویل قبلہ کے وقت تشویش پیدا ہو گئی تھی کہ اگر اصل قبلہ بیت اللہ تھا اور ہم بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے تو وہ نمازیں تو ضائع ہو گئیں' اور نماز ہی تو ایمان ہے۔تو اس پر مؤمنین کی تسلی کے لیے فرمایا گیا تھا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ﴾ ''اللہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے''۔ایسے ہی یہاں ان کی دل جوئی کے لیے فرمایا:

آیت ۹۳ ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا﴾ ''ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کوئی گناہ نہیں ہے اس میں جو وہ (پہلے) کھا پی چکے''

کسی شے کی حرمت کے قطعی حکم آنے سے پہلے جو کچھ کھایا پیا گیا' اس کا کوئی گناہ ان پر نہیں رہے گا۔یہ کوئی ہڈیوں میں بیٹھ جانے والی شے نہیں ہے' یہ تو شرعی اور اخلاقی قانون (Moral Law) کا معاملہ ہے' طبعی قانون (Physical Law) کا نہیں ہے۔طبعی (Physical) طور پر تو کچھ چیزوں کے اثرات واقعی دائمی ہو جاتے ہیں' لیکن Moral Law کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔گناہ تو اُحد پہاڑ کے برابر بھی ہوں تو سچی توبہ سے بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔از روئے حدیث نبویؐ: ((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ))(۱) ''گناہ سے حقیقی توبہ کرنے والا بالکل ایسے ہے جیسے اس نے کبھی وہ گناہ کیا ہی نہیں تھا''۔صدقِ دل سے توبہ کی جائے تو نامۂ اعمال بالکل دھل جاتا ہے۔لہٰذا ایسی کسی تشویش کو بالکل اپنے قریب مت آنے دو۔

﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' پھر مزید تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں' پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور درجۂ احسان پر فائز ہو جائیں۔اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔''

یہ دراصل تین درجے ہیں۔پہلا درجہ' اسلام' ہے۔یعنی اللہ کو مان لیا' رسول کو مان لیا اور اس کے احکام پر چل پڑے۔اس سے اوپر کا درجہ' ایمان' ہے' یعنی دِل کا کامل یقین' جو ایمان کے دل میں اُتر جانے سے حاصل ہوتا ہے۔﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (الحجرات:۷) کے مصداق ایمان قلب میں اُتر جائے گا تو اعمال کی کیفیت بدل جائے گی' اعمال میں ایک نئی شان پیدا ہو جائے گی' زندگی کے اندر ایک نیا رنگ آ جائے گا جو کہ خالص اللہ کا رنگ ہو گا۔از روئے الفاظ قرآنی: ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ﴾ (البقرۃ:۱۳۸)۔اور اس سے بھی آگے جب ایمان ''عین الیقین'' کا درجہ حاصل کر لے تو یہی درجۂ احسان ہے۔حدیثِ نبویؐ میں اس کی کیفیت یہ بیان ہوئی ہے: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ))(۲) ''یہ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے' اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا (یہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی) تو پھر (یہ کیفیت تو پیدا ہونی چاہیے کہ) وہ تو تجھے دیکھتا ہے''۔یعنی تم اللہ کی بندگی کرو' اللہ کے لیے جہاد کرو' اس کی راہ میں بھاگ دوڑ کرو' اور اس میں تقویٰ کی کیفیت ایسی ہو جائے کہ جیسے تم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

احسان کی یہ تعریف ''حدیثِ جبرائیل'' میں موجود ہے۔اس حدیث کو 'اُمّ السُّنَّة' کہا گیا ہے' جیسے سورۃ الفاتحہ کو 'اُمّ القرآن' کا نام دیا گیا ہے۔جس طرح سورۃ الفاتحہ اساس القرآن ہے' اسی طرح حدیثِ جبرائیلؑ سنت کی اساس ہے۔اس

حدیث میں ہمیں یہ تفصیل ملتی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا' وہاں انہوں نے کچھ سوالات کیے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہلا سوال اسلام کے بارے میں کیا: یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ! اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر تمہیں اس کے لیے سفر کی استطاعت ہو''۔ یعنی اسلام کے ضمن میں اعمال کا ذکر آ گیا۔ پھر جبرائیلؑ نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتلایئے! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' یوم آخرت پر اور تقدیر کی اچھائی اور برائی پر''۔ اب یہاں یہ نکتہ غور طلب ہے کہ ایمان تو اسلام میں بھی موجود ہے' یعنی زبانی اور قانونی ایمان' لیکن دوسرے درجے میں ایمان کو اسلام سے علیحدہ کیا گیا ہے اور اعمالِ صالحہ کا تعلق ایمان کے بجائے اسلام سے بتایا گیا ہے۔ اس لیے کہ جب ایمان دل میں اُتر کر یقین کی صورت اختیار کر جائے تو پھر اعمال کا ذکر الگ سے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایمان کے اس مرحلے پر اعمال لازماً درست ہو جائیں گے۔ پھر ایمان جب دل میں مزید گہرا اور پختہ ہوتا ہے تو اعمال بھی مزید درست ہوں گے۔ یوں سمجھئے کہ جتنا جتنا درخت اوپر جا رہا ہے اسی نسبت سے جڑ نیچے گہرائی میں اتر رہی ہے۔ ایمان کی جڑ نے دل کی زمین میں قرار پکڑا تو اسلام سے ایمان بن گیا۔ جب یہ جڑ مزید گہری ہوئی تو تیسری منزل یعنی احسان تک رسائی ہو گئی اور یہاں اعمال میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ چنانچہ جب حضرت جبرائیلؑ نے احسان کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو......'' آپؐ کا جواب تین روایتوں میں تین مختلف الفاظ میں نقل ہوا ہے: (۱) اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ...... (۲) اَنْ تَخْشَی اللّٰہَ تَعَالٰی کَاَنَّکَ تَرَاہُ ...... [۱] (۳) اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰہِ کَاَنَّکَ تَرَاہُ [۲]۔ اگلے الفاظ: ((فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ)) تینوں روایتوں میں یکساں ہیں۔ یعنی ایک بندۂ مؤمن اللہ کی بندگی' اللہ کی پرستش' اللہ کے لیے بھاگ دوڑ' اللہ کے لیے عمل' اللہ کے لیے جہاد ایسی کیفیت سے سرشار ہو کر کر رہا ہو گویا وہ اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو جب اللہ سامنے ہو گا' تو پھر کیسے کچھ ہمارے جذباتِ عبدیت ہوں گے' کیسی کیسی ہماری قلبی کیفیات ہوں گی۔ اس دنیا میں بھی یہ کیفیت حاصل ہو سکتی ہے' لیکن یہ کیفیت بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو سکے تو احسان کا ایک اس سے نچلا درجہ بھی ہے۔ یعنی کم از کم یہ بات ہر وقت مستحضر رہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ تو یہ ہیں وہ تین درجے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

''تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں'' مولانا مودودی مرحوم کی ایک قابلِ قدر کتاب ہے۔ اس میں مولانا نے اسلام' ایمان' احسان اور تقویٰ چار مراتب بیان کیے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک تقویٰ علیحدہ سے کوئی مرتبہ ومقام نہیں ہے۔ تقویٰ وہ روح (spirit) اور وہ قوتِ محرکہ (driving force) ہے جو انسان کو نیکی کی طرف دھکیلتی اور اُبھارتی ہے۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں تقویٰ کی تکرار کا مفہوم یوں ہے کہ تقویٰ نے آپ کو baseline سے اوپر اٹھایا اور اب آپ کے ایمان اور عمل صالح میں اور رنگ پیدا ہو گیا ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾۔ پھر تقویٰ میں مزید اضافہ ہوا اور تقویٰ نے آپ کو مزید اوپر اٹھایا تو اب وہ یقین والا ایمان پیدا ہو گیا ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾۔ اب یہاں عمل صالح کے علیحدہ ذکر کی ضرورت ہی نہیں۔ جب دل میں ایمان اُتر گیا تو اعمال خود بخود درست ہو گئے۔ پھر تقویٰ اگر مزید رو بہ ترقی ہے ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا﴾ تو اس کے نتیجے میں ﴿وَّاَحْسَنُوْا﴾ کا درجہ آ جائے گا' یعنی انسان درجۂ احسان پر فائز ہو جائے گا۔ (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ آمین!)

ایمان اور تقویٰ سے اعمال کی درستی کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیشِ نظر رہنا چاہیے:

((اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً' اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ' وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ' اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ)) [۱]

''آگاہ رہو' یقیناً جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے' جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔''

﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''اور اللہ ایسے محسن بندوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

اللہ کے جو بندے درجۂ احسان تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس کے محبوب بن جاتے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ (آیت ۷۱) میں پہلے ایک غلط راستے کی نشاندہی کی گئی تھی: ﴿فَعَمُوْا وَصَمُّوْا...... ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا......﴾ یہ گمراہی وضلالت کے مختلف مراحل کا ذکر ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے' اللہ نے پھر ڈھیل دی تو اس پر وہ اور بھی اندھے اور بہرے ہو گئے' اللہ نے مزید ڈھیل دی تو وہ اور زیادہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ اُس راستے پر انسان قدم بہ قدم گمراہی کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ مگر ایک راستہ یہ ہے' ہدایت کا راستہ' اسلام' ایمان' احسان' اور تقویٰ کا راستہ۔ یہاں انسان کو درجہ بہ درجہ ترقی ملتی چلی جاتی ہے۔

آیات ۹۴ تا ۱۰۰

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُہٗٓ اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّخَافُہٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۴﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَہٗ مِنْکُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ ھَدْیًۢا بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ اَوْ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِہٖ ۭ عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ ۭ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ مَتَاعًا لَّکُمْ وَلِلسَّیَّارَۃِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّھْرَ الْحَرَامَ وَالْھَدْیَ وَالْقَلَاۗئِدَ ۭ ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ

﴿وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ قُلۡ لَّا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوۡ اَعۡجَبَکَ کَثۡرَۃُ الۡخَبِیۡثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾﴾

اس سورۂ مبارکہ کے شروع میں حالتِ احرام میں شکار کرنے کی ممانعت آ چکی ہے۔اب اللہ کی اس سنت کا ذکر ہے کہ اللہ اپنے ماننے والوں کو آزماتا ہے' سخت ترین امتحان لیتا ہے۔فرض کیجیے کہ حاجیوں کا ایک قافلہ جا رہا ہے' سب نے احرام باندھا ہوا ہے' اتفاق سے ان کے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں۔اب ایک ہرن اٹھکیلیاں کرتے ہوئے قریب آ رہا ہے' بھوک بھی ستا رہی ہے' ضرورت بھی ہے' چاہیں تو ذرا سا نیزہ ماریں اور شکار کر لیں یا ویسے ہی بھاگ کر پکڑ لیں' لیکن پکڑ نہیں سکتے' شکار نہیں کر سکتے' کیونکہ احرام میں ہیں اور اس حالت میں اجازت نہیں ہے۔تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس طرح آزماتا ہے۔

آیت ۹۴ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَیَبۡلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ بِشَیۡءٍ مِّنَ الصَّیۡدِ﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ تمہیں لازماً آزمائے گا کسی ایسے شکار کے ذریعے''

﴿تَنَالُہٗۤ اَیۡدِیۡکُمۡ وَرِمَاحُکُمۡ﴾ ''جس کو پہنچتے ہوں گے (آسانی سے) تمہارے ہاتھ اور نیزے''

﴿لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّخَافُہٗ بِالۡغَیۡبِ ۚ﴾ ''تاکہ اللہ دیکھ لے اُن لوگوں کو جو غیب میں ہوتے ہوئے بھی اُس سے ڈرتے رہتے ہیں۔''

شکار پہنچ میں بھی ہے' ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہے' ضرورت بھی ہے' چاہیں تو شکار کر لیں' لیکن مجبور ہیں' کیونکہ احرام باندھا ہوا ہے۔تو جس کے دل میں ایمان ہوگا وہ اپنی بھوک کو برداشت کرے گا' اللہ کے حکم کو نہیں توڑے گا۔

﴿فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۹۴﴾﴾ ''اب اس کے بعد جس نے زیادتی کی تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۹۵ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّیۡدَ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ﴾ ''اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل مت کرو۔''

﴿وَمَنۡ قَتَلَہٗ مِنۡکُمۡ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ ''تو جو کوئی تم میں سے اسے قتل (شکار) کر بیٹھے جان بوجھ کر' تو پھر اس کا کفارہ ہوگا اسی طرح کا ایک چوپایہ جیسا کہ اُس نے قتل کیا''

کفارے کے طور پر اللہ کی راہ میں ویسا ہی ایک چوپایہ صدقہ کیا جائے گا۔یعنی اگر آپ نے ہرن مارا تو بکری یا بھیڑ دی جائے گی اور اگر نیل گائے ماردی تو پھر گائے بطور کفارہ دینا ہوگی۔اس طرح جس قسم اور جس جسامت کا حیوان شکار کیا گیا ہے' اس کے برابر کا چوپایہ صدقہ کرنا ہوگا۔

﴿یَحۡکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ﴾ ''جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے''

یعنی دو متقی اور معتبر اشخاص اس کی گواہی دیں کہ یہ جانور اس شکار کیے جانے والے جانور کے برابر ہے۔

﴿ہَدۡیًۢا بٰلِغَ الۡکَعۡبَۃِ﴾ ''یہ نذر کی حیثیت سے خانہ کعبہ تک پہنچایا جائے''

یہ جانور ہدی کے طور پر خانہ کعبہ کی نذر کیا جائے گا۔

﴿اَوۡ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیۡنَ﴾ ''یا پھر اس کا کفارہ ہے کچھ مساکین کو کھانا کھلانا''

اس میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اناج یا رقم دینا ہو تو وہ صدقہ فطر کے حساب سے ہوگی۔

﴿اَوۡ عَدۡلُ ذٰلِکَ صِیَامًا﴾ ''یا اتنے ہی روزے رکھنا''

یہ دیکھنا ہوگا کہ جو جانور شکار ہوا ہے اسے کتنے آدمی کھا سکتے تھے۔اتنے آدمیوں کو کھانا کھلایا جائے یا اتنے دن کے روزے رکھے جائیں۔

﴿لِّیَذُوۡقَ وَبَالَ اَمۡرِہٖ ؕ﴾ ''تاکہ وہ اپنے کیے کی سزا چکھے۔''

﴿عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ ؕ﴾ ''اللہ معاف کر چکا ہے جو پہلے ہو چکا ہے۔''

﴿وَمَنۡ عَادَ فَیَنۡتَقِمُ اللّٰہُ مِنۡہُ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۹۵﴾﴾ ''لیکن جو کوئی پھر ایسا کرے گا تو اللہ اُس سے انتقام لے گا' اور یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست ہے' انتقام لینے والا۔''

آیت ۹۶ ﴿اُحِلَّ لَکُمۡ صَیۡدُ الۡبَحۡرِ وَطَعَامُہٗ﴾ ''(البتہ) تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے سمندر کا شکار اور اُس کا کھانا''

سمندر اور دریا کا شکار حالتِ احرام میں بھی حلال ہے۔حاجی لوگ اگر کشتیوں اور بحری جہازوں کے ذریعے سے سفر کر رہے ہوں تو وہ احرام کی حالت میں بھی مچھلی وغیرہ کا شکار کر سکتے ہیں۔

﴿مَتَاعًا لَّکُمۡ وَلِلسَّیَّارَۃِ ۚ﴾ ''تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے زادِ راہ کے طور پر۔''

سمندر کی خوراک (sea food) تو یوں سمجھ لیجیے کہ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے غذا کا ایک نیا خزانہ ہے جو سامنے آیا ہے۔یہ بہت سی خرابیوں اور بیماریوں سے بچانے والی بھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں یہ آج کل بہت مقبول ہو رہی ہے۔

﴿وَحُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ صَیۡدُ الۡبَرِّ مَا دُمۡتُمۡ حُرُمًا ؕ﴾ ''لیکن خشکی پر شکار کرنا تمہارے لیے حرام کر دیا گیا ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو۔''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹۶﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس کی طرف تمہیں جمع کر دیا جائے گا۔''

تم سب اُس کی طرف گھیراؤ کر کے لے جائے جاؤ گے۔

آیت ۹۷ ﴿جَعَلَ اللّٰہُ الۡکَعۡبَۃَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ ''اللہ نے کعبے کو' جو کہ بیت الحرام ہے' لوگوں کے

قیام کا باعث بنا دیا ہے''

﴿وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ط﴾ ''اور حرمت والا مہینہ' قربانی کے جانور اور وہ جانور بھی جن کے گلوں میں پٹے ڈال دیے گئے ہوں''

یہ سب اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں اور اسی کے معیّن کردہ ہیں۔ سورۃ کے شروع میں بھی ان کا ذکر آ چکا ہے۔ یہاں دراصل توثیق ہو رہی ہے کہ یہ سب چیزیں زمانہ جاہلیت کی روایات نہیں ہیں بلکہ خانہ کعبہ کی حرمت اور عظمت کی علامت ہیں۔

﴿ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ''یہ اس لیے کہ تم اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کی ہر شے کا علم ہے''

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾﴾ ''اور یہ کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔''

آگے چل کر ان چیزوں کے مقابلے میں اُن چار چیزوں کا ذکر آئے گا جو اہل عرب کے ہاں بغیر کسی سند کے حرام کر لی گئی تھیں۔

آیت ۹۸ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾﴾ ''جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ غفور اور رحیم بھی ہے۔''

یعنی اُس کی تو دونوں شانیں ایک ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اب دیکھو کہ تم اپنے آپ کو کس شان کے ساتھ متعلق کر رہے ہو اور خود کو کیسے سلوک کا مستحق بنا رہے ہو؟ اس کی عقوبت کا یا اس کی رحمت اور مغفرت کا؟

آیت ۹۹ ﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ط﴾ ''رسول (ﷺ) پر سوائے پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾﴾ ''اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔''

جب رسول اللہ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا تو باقی ساری ذمہ داری اب تمہاری ہے۔

آیت ۱۰۰ ﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ج﴾ ''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے' چاہے ناپاک شے کی کثرت تمہیں اچھی لگے۔''

انسان تو چاہتا ہے کہ اُس کے پاس ہر شے کی بہتات ہو' لیکن ناجائز اور حرام طریقے سے کمایا ہوا مال اگرچہ کثرت سے جمع ہو گیا ہو مگر ہے تو خبیث اور ناپاک ہی۔ بے شک اس کی چکا چوند تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہو مگر اس میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ بقول علامہ اقبالؔ: ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾﴾ ''تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اے ہوش مندو' تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۸

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ج وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ط عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ لا وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ط اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ج لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ط اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ط تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى لا وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ صلے اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾﴾

آیت ۱۰۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ج﴾ ''اے اہل ایمان! اُن چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔''

یہ ایک خاص قسم کی مذہبی ذہنیت کا تذکرہ ہے۔ بعض لوگ بلا ضرورت ہر بات کو کھودنے' کریدنے اور بال کی کھال اُتارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر کسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود خاموشی اختیار فرمائی ہے تو اس بارے میں خواہ مخواہ سوال کرنا اپنی ذمہ داری کو بڑھانے والی بات ہے۔ چنانچہ حج کے بارے میں جب سورۂ آل عمران (آیت ۹۷) میں حکم

نازل ہوا تو ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضور کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے سوال سن لیا لیکن رُخ مبارک دوسری طرف کر لیا۔ اب وہ صاحب اُدھر تشریف لے آئے اور پھر عرض کیا' حضور کیا حج ہر سال فرض ہے؟ حضور ﷺ نے پھر اعراض فرمایا۔ جب انہوں نے یہی سوال تیسری مرتبہ کیا تو پھر آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ دیکھو اگر میں ہاں کہہ دوں تو تم لوگوں پر قیامت تک کے لیے ہر سال حج فرض ہو جائے گا۔ جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے احتمال رکھا ہے اُس میں تمہاری بہتری ہے۔ جو شخص ہر سال کر سکتا ہو وہ ہر سال کرلے' لیکن فرضیت کے ساتھ ہر سال کی قید اللہ نے نہیں لگائی ہے۔ بے جا سوال کر کے تم اپنے لیے تنگی پیدا نہ کرو۔ جیسے گائے کے معاملے میں بنی اسرائیل نے کیا تھا کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اس کی عمر کیا ہو؟ اور کیسی گائے ہو؟ وغیرہ وغیرہ' جتنے سوالات کرتے گئے اتنی ہی شرائط لاگو ہوتی گئیں۔ اس نوعیت کے سارے سوال اسی ضمن میں آتے ہیں۔

﴿وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ﴾ ''اور اگر تم سوال کرو گے ایسی چیزوں کے بارے میں جبکہ ابھی قرآن کا نزول جاری ہے تو تمہارے لیے وہ ظاہر کر دی جائیں گی۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت کئی چیزوں کو پردے میں رکھا ہے' کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان کو ظاہر کرنے میں تمہارے لیے تنگی ہو جائے گی' بوجھ زیادہ ہو جائے گا' یہ تم پر گراں گزریں گی۔ لیکن اگر سوال کرو گے تو پھر ان کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ١٠١﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اس میں درگزر سے کام لیا ہے' اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔''

بعض چیزوں کے بارے میں جو اللہ نے تم پر نرمی کی ہے اور تمہیں تنگی سے بچایا ہے' وہ اس لیے ہے کہ وہ غفور اور حلیم ہے۔ یہ کسی نسیان' بھول یا غلطی کی وجہ سے نہیں ہوا (معاذ اللہ!)

آیت ۱۰۲ ﴿قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ١٠٢﴾ ''تم سے پہلے ایک قوم (اہل کتاب) نے اس قسم کے سوالات کیے تھے اور پھر وہ ان کا انکار کرنے والے بن گئے تھے۔''

اب یہاں ان چار چیزوں کا ذکر آ رہا ہے جو ان کے ہاں خواہ مخواہ بہت زیادہ مقدس ہو گئی تھیں۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے اُن چار شعائر کے مقابلے کی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر پیچھے آیت ۹۷ میں ہوا ہے: ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗئِدَ ۭ﴾ وہاں ان چار چیزوں کی توثیق کی گئی تھی کہ وہ واقعتاً اللہ کی شریعت کے اجزاء ہیں' ان کا احترام اور ان کی حرمت کو ملحوظ رکھنا اہل ایمان پر لازم ہے۔ لیکن یہاں توجہ دلائی جا رہی ہے کہ کچھ چیزیں تمہارے ہاں ایسی رائج ہیں جو دورِ جاہلیت کے مشرکانہ اوہام کی یادگاریں ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۱۰۳ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَاۗئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ﴾ ''اللہ نے نہ تو بحیرہ کو کچھ چیز بنایا ہے' نہ سائبہ' نہ وصیلہ اور نہ حام کو'

ان چیزوں کے تقدس کی اللہ کے طرف سے کوئی سند نہیں۔ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں' لیکن جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیّب ؒ نے ان الفاظ کی جو تفصیل بیان کی ہے' وہ صحیح بخاری (کتاب تفسیر القرآن) میں وارد ہوئی ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی اسے اپنے حواشی میں نقل کیا ہے۔ بحیرہ: ایسا جانور جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیا جاتا تھا اور کوئی اسے اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ سائبہ: وہ جانور جو بتوں کے نام پر' ہمارے زمانے کے سانڈ کی طرح' چھوڑ دیا جاتا تھا۔ وصیلہ: جو اونٹنی مسلسل مادہ بچوں کو جنم دیتی اور درمیان میں کوئی نر بچہ پیدا نہ ہوتا' اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حام: نر اونٹ جو ایک خاص تعداد میں جفتی کر چکا ہوتا' اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس طرح کے جانوروں کو بتوں کے نام منسوب کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا کہ اب انہیں کوئی ہاتھ نہ لگائے' کوئی ان سے استفادہ نہ کرے' کوئی ان کا گوشت کھائے نہ صدقہ دے' نہ ان سے کوئی خدمت لے' بس ان کا احترام کیا جائے۔ لہٰذا واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے کوئی احکام نہیں دیے گئے' بلکہ فرمایا:

﴿وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ١٠٣﴾ ''لیکن یہ کافر اللہ پر افترا کرتے ہیں' اور ان کی اکثریت عقل سے عاری ہے۔''

یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگاتے رہتے ہیں۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ ''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور آؤ اللہ کے رسول کی طرف''

اس حکم (کہ آؤ اللہ کے رسول کی طرف) کی ترجمانی علامہ اقبال نے کیا خوبصورت الفاظ میں کی ہے: ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبیست

﴿قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ﴾ ''وہ کہتے ہیں ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا۔''

یعنی ہمارے آباء واجداد جو اتنے عرصے سے ان چیزوں پر عمل کرتے چلے آ رہے تھے تو کیا وہ جاہل تھے؟ یہی باتیں آج بھی سننے کو ملتی ہیں۔ کسی رسم کے بارے میں آپ کسی کو بتائیں کہ اس کی دین میں کوئی سند نہیں ہے اور صحابہؓ کے ہاں اس کا کوئی وجود نہ تھا تو اس کا جواب ہوگا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو یونہی کرتے دیکھا ہے۔

﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ١٠٤﴾ ''خواہ ان کے آباء واجداد ایسے رہے ہوں کہ نہ انہیں کوئی علم حاصل ہوا ہو نہ ہی وہ ہدایت پر ہوں (پھر بھی)؟''

جیسے تم اللہ کی مخلوق ہو ویسے ہی وہ بھی مخلوق تھے۔ جیسے تم غلط کام کر سکتے ہو اور غلط آراء قائم کر سکتے ہو' ویسے ہی وہ بھی غلط کار ہو سکتے تھے۔

آیت ۱۰۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تم پر ذمہ داری ہے صرف

اپنی جانوں کی۔"

﴿لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ﴾ "جو کوئی گمراہ ہو جائے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا' جبکہ تم ہدایت پر ہو۔"

﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ١٠٥﴾ "اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے' اور وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔"

یہ آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس کا ایک غلط مطلب اور مفہوم دورِ صحابہؓ میں ہی بعض لوگوں نے نکال لیا تھا۔ وہ یہ کہ دعوت و تبلیغ کی کوئی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے' ہر ایک پر اپنی ذات کی ذمہ داری ہے' کوئی کیا کرتا ہے اس سے کسی دوسرے کو کچھ غرض نہیں ہونی چاہیے۔ قرآن جو کہہ رہا ہے کہ "تم پر ذمہ داری صرف اپنی جانوں کی ہے۔ اگر تم ہدایت پر ہو تو جو گمراہ ہوا وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا"۔ لہٰذا ہر کسی کو بس اپنا عمل درست رکھنا چاہیے' کوئی دوسرا شخص اگر غلط کام کرتا ہے تو اسے خواہ مخواہ روکنے ٹوکنے' اس کی ناراضگی مول لینے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح کی باتیں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علم میں آئیں تو آپؓ نے باقاعدہ ایک خطبہ دیا کہ لوگو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس آیت کا مطلب غلط سمجھ رہے ہو۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہاری ساری تبلیغ' کوشش' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باوجود اگر کوئی شخص گمراہ رہتا ہے تو اس کا تم پر کوئی وبال نہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ١١٩﴾ "(اے نبیﷺ) آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی جہنمیوں کے بارے میں"۔ یعنی ہم یہ نہیں پوچھیں گے کہ ہم نے آپؐ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا تھا اور پھر بھی یہ لوگ جہنم میں کیوں چلے گئے؟ لیکن جہاں تک دعوت و تبلیغ' نصیحت و موعظت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق ہے' یہ تو فرائض میں سے ہیں۔ اس آیت کی رو سے یہ فرائض ساقط نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کا درست مفہوم یہ ہے کہ تمہاری ساری کوشش کے باوجود اگر کوئی شخص نہیں مانتا تو اب تمہاری ذمہ داری پوری ہو گئی۔ فرض کیجیے کہ کسی کا بچہ آوارہ ہو گیا ہے' والد اپنی امکانی حد تک کوشش کیے جا رہا ہے مگر بچہ راہِ راست پر نہیں آ رہا' تو ظاہر بات ہے کہ اگر اُس نے بچے کی تربیت اور اصلاح میں کوئی کوتاہی نہیں چھوڑی تو اللہ کی طرف سے اس کی گمراہی کا وبال والد پر نہیں آئے گا۔ لیکن اپنا فرض ادا کرنا بہر حال لازم ہے۔

آیت ۱۰۶ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ "اے اہل ایمان' تمہارے درمیان شہادت (کا نصاب) ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے اور وہ وصیّت کر رہا ہو' تو تم میں سے دو معتبر اشخاص (بطور گواہ) موجود ہوں"

یعنی موت سے قبل وصیت کے وقت اپنے لوگوں میں سے دو گواہ (مرد) مقرر کر لو۔ واضح رہے کہ وصیت کل ترکے کے ایک تہائی حصے سے زیادہ کی نہیں ہو سکتی۔ اگر جائیداد زیادہ ہے تو اس کا ایک تہائی حصہ بھی خاصا زیادہ ہو سکتا ہے۔

﴿اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ﴾ "یا دوسرے دو آدمی تمہارے غیروں میں سے اگر تم زمین میں سفر پر (نکلے ہوئے) ہو اور (حالت سفر میں) تمہیں موت کی مصیبت پیش آ جائے۔"

یعنی حالتِ سفر میں اگر کسی کی موت کا وقت آ پہنچے اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو تو ایسی صورت میں گواہان غیر قوم' کسی دوسری بستی' کسی دوسری برادری اور دوسرے قبیلے سے بھی مقرر کیے جا سکتے ہیں' مگر عام حالات میں اپنی بستی' اپنے خاندان میں رہتے ہوئے کوئی شخص انتقال کر رہا ہے تو اسے وصیّت کے وقت اپنے لوگوں' رشتہ داروں اور قرابت داروں میں سے ہی دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنانا چاہیے۔

﴿تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ﴾ "تم ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو"

یعنی جب وصیت کے بارے میں متعلقہ لوگ پوچھیں اور اس میں کچھ شک کا احتمال ہو تو نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو مسجد میں روک لیا جائے۔

﴿فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ "پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں' اگر تمہیں شک ہو"

اگر تمہیں ان کے بارے میں کوئی شک ہو کہ کہیں یہ وصیّت کو بدل نہ دیں' کہیں ان سے غلطی نہ ہو جائے تو تم ان سے قسم اٹھوالو۔ وہ نماز کے بعد مسجد میں حلف کی بنیاد پر شہادت دیں' اور اس طرح کہیں:

﴿لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ "ہم اس کی کوئی قیمت وصول نہیں کریں گے' اگرچہ کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو"

یعنی ہم اس شہادت سے نہ تو خود کوئی ناجائز فائدہ اٹھائیں گے' نہ کسی کے حق میں کوئی ناانصافی کریں گے اور نہ ہی کسی رشتہ دار عزیز کو کوئی ناجائز فائدہ پہنچائیں گے۔

﴿وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ﴾ "اور نہ ہم چھپائیں گے اللہ کی گواہی کو"

غور کریں گواہی اتنی عظیم شے ہے کہ اسے شَهَادَةَ اللّٰهِ کہا گیا ہے' یعنی اللہ کی گواہی' اللہ کی طرف سے امانت۔

﴿اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ١٠٦﴾ "اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں شمار ہوں گے۔"

آیت ۱۰۷ ﴿فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا﴾ "پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ کمایا ہے"

حلفیہ بیان بھی غلط دیا ہے اور وصیّت میں ترمیم کی ہے' اس کے باوجود کہ نماز کے بعد مسجد کے اندر حلف اٹھا کر بات کر رہے ہیں۔ آخر انسان ہیں اور ہر معاشرے میں ہر طرح کے انسان ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

﴿فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا﴾ ''تو اب دو اور لوگ ان کی جگہ پر کھڑے ہوں''

﴿مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ﴾ ''ان لوگوں میں سے جن کی حق تلفی کی ہے ان پہلے دو لوگوں نے''
اب وہ کھڑے ہو کر کہیں گے کہ یہ لوگ ہمارا حق تلف کر رہے ہیں' انہوں نے وصیت کے اندر خیانت کی ہے۔

﴿فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا﴾ ''پس وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ برحق ہے ان دونوں کی گواہی سے''

﴿وَمَا اعْتَدَیْنَآ اِنَّـآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے' اگر ایسا ہو تو یقیناً ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔''

آیت ۱۰۸ ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجْهِهَآ﴾ ''یہ طریقہ کار قریب تر ہے کہ اس سے لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت پیش کریں''

﴿اَوْ یَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ﴾ ''یا (کم از کم) انہیں خوف رہے کہ ہماری قسمیں ان کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی۔''

کیونکہ انہیں معلوم ہوگا کہ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھا بھی لی' اور پھر اگر دوسرا فریق بھی قسم کھا گیا' تو ہمارا منصوبہ کامیاب نہیں ہوگا۔ لہٰذا وہ اس کی ہمت نہیں کریں گے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سن رکھو۔''

﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اسی طرح کا معاملہ سورۃ النور (آیات ۶ تا ۹) میں بھی مذکور ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھے اور اس کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہو تو وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ میں جو کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں۔ تو اُس ایک شخص کی گواہی چار گواہوں کے برابر ہو جائے گی۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی بتایا ہے' کہ اگر بیوی بھی چار مرتبہ قسم کھا کر کہہ دے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے' مجھ پر تہمت لگا رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر اس کا الزام درست ہو' تو شوہر کی گواہی ساقط ہو جائے گی۔ اس طرح دونوں طرف سے اللہ تعالیٰ نے معاملے کو متوازن کیا ہے۔

اب آخری دو رکوع اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کے مکالمے کا نقشہ کھینچا گیا ہے' جو قیامت کے دن ہوگا۔ اور اس کے پس منظر میں گویا ایک پوری داستان ہے' جو ایک نئی شان سے سامنے آئی ہے۔

آیات ۱۰۹ تا ۱۱۵

﴿یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ
قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰی وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟
تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ
مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ
وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا
اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ
عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ
قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ
اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ
الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ
اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾

آیت ۱۰۹ ﴿یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ﴾ ''(اُس دن کا تصور کرو) جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور پوچھے گا آپ لوگوں کو کیا جواب ملا تھا؟''

آپ لوگوں کی دعوت کے جواب میں آپ کی قوموں نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟

﴿قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾﴾ ''وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں' تو ہی بہتر جاننے والا ہے غیب کی باتوں کا۔''

وہ اللہ تعالیٰ کے جناب میں زبان کھولنے سے گریز کریں گے اور کہیں گے کہ تو تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے' ہر حقیقت تجھ پر منکشف ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ﴾ ''جب کہے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰؑ ابن مریم''

اب روزِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خاص پیشی کا منظر ہے۔ دنیا میں ان کی پرستش کی گئی' ان کو اللہ کا بیٹا بنایا گیا' ثالثُ ثلاثۃ قرار دیا گیا۔ لہٰذا اب آنجنابؑ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جو شرمندگی اٹھانا پڑے گی' اس کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے جب اللہ ان کو

مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اے عیسیٰؑ ابن مریم:

﴿اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰی وَالِدَتِكَ ۘ﴾ ”ذرا میرے ان انعامات کو یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوئے۔“

﴿اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ ”جبکہ میں نے تمہاری مدد کی روح القدس سے“

جبرائیلؑ کے ذریعے سے تمہاری تائید کی۔

﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ﴾ ”تم گفتگو کرتے تھے لوگوں کے ساتھ پنگھوڑے میں بھی اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی۔“

تم شیر خوارگی کی عمر میں بھی لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور ادھیڑ عمر کو پہنچ کر بھی۔ آگے وہی سورۂ آل عمران (آیت ۴۸) والے الفاظ دہرائے جا رہے ہیں۔

﴿وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ﴾ ”اور (یاد کرو میرے اس احسان کو) جب کہ میں نے تمہیں سکھائی کتاب اور حکمت، یعنی تورات اور انجیل۔“

درمیان کا واؤ تفسیر یہ ہے، لہٰذا ”یعنی“ کے مفہوم میں آئے گا۔

﴿وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ﴾ ”اور (یاد کرو) جب تم بناتے تھے گارے سے پرندے کی ایک شکل، میرے حکم سے“

﴿فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًا ۢ بِاِذْنِیْ﴾ ”پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ ایک اُڑنے والا پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے“

﴿وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ﴾ ”اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے۔“

﴿وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ۚ﴾ ”اور جب تم مردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے میرے حکم سے۔“

﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَاۗءِیْلَ عَنْكَ﴾ ”اور (یاد کرو میرے اس احسان کو بھی) جب میں نے بنی اسرائیل کے ہاتھ روک دیے تم سے“

ان کے ہاتھ تم تک نہیں پہنچنے دیے اور تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ یہ اُسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار نہیں ہوئے، اور عین اُس وقت جب پولیس والے آپؑ کو گرفتار کرنے کے لیے باغ میں داخل ہوئے تو چار فرشتے اترے، جو آپؑ کو لے کر آسمان پر چلے گئے۔

﴿اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۱۱۰﴾ ”جب کہ تم آئے ان کے پاس کھلے معجزات کے ساتھ تو کہا ان لوگوں نے جو ان میں سے کافر تھے کہ یہ تو صریح جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔“

آیت ۱۱۱ ﴿وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ﴾ ”اور (یاد کرو میرے احسان کو) جب میں نے اشارہ کیا حواریوں کو“

﴿اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ﴾ ”کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر۔“

ان کے دل میں ڈال دیا، الہام کر دیا، ان کی طرف وحی کر دی۔ یہ وحی خفی ہے۔ ظاہر ہے حواریوں کی طرف وحی جلی تو نہیں آ سکتی تھی جو خاصۂ نبوت ہے۔ لیکن جیسا کہ شہد کی مکھی کے لیے وحی کا لفظ آیا ہے (النحل: ۶۸) یا جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو وحی کی (فصلت: ۱۲) یہ وحی خفی کی مثالیں ہیں۔

﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۱۱۱﴾ ”تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے عیسیٰؑ آپ بھی) گواہ رہیے کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔“

آیت ۱۱۲ ﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ﴾ ”اور (ذرا یاد کرو اس واقعے کو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم“

﴿هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ﴾ ”کیا آپ کے رب کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتارے؟“

﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۱۱۲﴾ ”(جواب میں عیسیٰؑ نے) کہا اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔“

مؤمنین کو ایسی دعائیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ایسے مطالبات آپ لوگوں کو زیب نہیں دیتے۔

آیت ۱۱۳ ﴿قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا﴾ ”انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس (خوان) میں سے کھائیں اور ہمارے دل بالکل مطمئن ہو جائیں“

یہ اس طرح کی بات ہے جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی: ﴿رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ۭ﴾ (البقرہ: ۲۶۰)۔ اسی طرح کا مشاہدہ وہ بھی طلب کر رہے تھے۔

﴿وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ۱۱۳﴾ ”اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپؑ نے جو کچھ ہم سے کہا وہ سچ ہے اور ہم اس پر گواہ بن جائیں۔“

تاکہ ہمیں آپؑ کی کسی بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے اور ایسا یقین کامل ہو جائے کہ پھر ہم جب آپؑ کی جانب سے لوگوں کو تبلیغ کریں تو ہمارے اپنے دلوں میں کہیں شک و شبہ کا کوئی کانٹا چھپا ہوا نہ رہ جائے۔

آیت ۱۱۴ ﴿قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ﴾ ”اس پر عیسیٰؑ ابن مریم نے

دعا کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! اتار دے ہم پر ایک دسترخوان آسمان سے‘‘

﴿تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ﴾ ’’جو عید بن جائے ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے‘ اور ایک نشانی ہو تیری طرف سے۔‘‘

آسمان سے‘ خاص تیرے ہاں سے کھانے سے بھرے ہوئے دسترخوان کا نازل ہونا یقیناً ہمارے لیے جشن کا موقع ہوگا‘ ہمارے اگلوں پچھلوں کے لیے ایک یادگار واقعہ اور تیری طرف سے ایک خاص نشانی ہوگا۔

﴿وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝١١٤﴾ ’’اور ہمیں رزق عطا فرما اور یقیناً تو بہترین رزق دینے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۱۵ ﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ﴾ ’’اللہ نے ارشاد فرمایا (ٹھیک ہے) میں نازل کردوں گا اس کو تم پر۔‘‘

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝١١٥﴾ ’’لیکن پھر اس کے بعد تم میں سے جو کوئی کفر کی روش اختیار کرے گا تو پھر اس کو میں عذاب بھی وہ دوں گا جو تمام جہانوں میں سے کسی اور کو نہیں دوں گا۔‘‘

یعنی جب اس طرح کی کوئی خرقِ عادت چیز دکھا دی جائے گی‘ کھلا معجزہ سامنے آجائے گا تو پھر رعایت نہیں ہوگی۔ گزشتہ قوموں کے ساتھ ایسے ہی ہوا تھا۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ابھی اس چٹان میں سے ایک حاملہ اونٹنی برآمد ہو جانی چاہیے۔ وہ اونٹنی برآمد ہوگئی‘ لیکن ساتھ ہی رعایت بھی ختم ہوگئی۔ ان سے واضح طور پر کہہ دیا گیا کہ اب تمہارے لیے مہلت کے صرف چند دن ہیں‘ اگر ان دنوں میں ایمان نہیں لاؤ گے تو نیست و نابود کر دیے جاؤ گے۔ یہ بات سورۃ الشُّعراء میں بہت تفصیل سے آئے گی کہ اے نبیؐ یہ لوگ اب جو نشانیاں مانگ رہے ہیں تو ہم یہ ان کی خیر خواہی میں انہیں نہیں دکھا رہے ہیں۔ اگر ان کے کہنے پر ایسی نشانیاں ہم دکھا دیں تو پھر ان کو مزید رعایت نہیں دی جائے گی اور ان کی مہلت ابھی ختم ہو جائے گی۔ اس قسم کے معجزے دیکھ کر نہ کوئی پہلے ایمان لایا‘ نہ اب یہ لوگ لائیں گے۔ ان کے اندر جو نیت کا فساد ہے وہ کہاں انہیں ماننے دے گا؟ جیسے قوم صالحؑ نے نہیں مانا‘ حالانکہ اپنی نگاہوں کے سامنے انہوں نے ایسا کھلا معجزہ دیکھ لیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو یہودیوں نے نہیں مانا‘ اُلٹا انہیں جادو قرار دے دیا۔ تو اس قدر واضح معجزات دیکھ کر بھی لوگ ایمان نہیں لائے۔ سوائے ان جادوگروں کے جن کا فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تھا۔ نہ تو خود فرعون ایمان لایا تھا نہ فرعون کے درباری اور نہ ہی عوام الناس۔ چنانچہ معجزے کا ظہور دراصل متعلقہ قوم کے خلاف جاتا ہے۔ معجزے کے ظہور سے پہلے تو اُمید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید اس قوم کو کچھ ڈھیل دے دے‘ شاید کچھ اور لوگوں کو ایمان کی توفیق مل جائے‘ لیکن معجزے کے ظہور سے مہلت کا وہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

آیات ۱۱۶ تا ۱۲۰

﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۭ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝١١٦ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝١١٧ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١١٨ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١١٩ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٢٠﴾

اب یہ اس پیشی کا آخری منظر ہے اور اس کا انداز بہت سخت ہے۔

آیت ۱۱۶ ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’اور جب اللہ کہے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں دونوں کو معبود بنا لینا‘ اللہ کے سوا؟‘‘

﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۭ﴾ ’’وہ (جواب میں) عرض کریں گے (اے اللہ) تو پاک ہے‘ میرے لیے کیسے روا تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔‘‘

﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ﴾ ’’اگر میں نے وہ بات کہی ہوتی تو وہ تیرے علم میں ہوتی۔‘‘

﴿تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝١١٦﴾ ’’تو تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ یقیناً تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا تو بس تو ہی ہے۔‘‘

آیت ۱۱۷ ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ﴾ ’’میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر وہی کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا‘‘

﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ﴾ ’’(اور وہ یہی بات تھی) کہ بندگی کرو اللہ کی جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔‘‘

﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ﴾ ’’اور میں ان پر نگران رہا جب تک اُن میں موجود رہا۔‘‘

ان کی دیکھ بھال کرتا رہا‘ نگرانی کرتا رہا۔ یہاں لفظ ’’شہید‘‘ نگران کے معنوں میں آیا ہے۔

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ’’پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو (اس کے بعد) تو ہی نگران تھا ان پر‘‘

واضح رہے کہ یہاں بھی تَوَفَّيْتَنِيْ موت کے معنوں میں نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ آل عمران آیت ۵۵ (اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ) کی تشریح مدنظر رہے۔

﴿وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ ’’اور یقیناً تو ہر چیز پر گواہ ہے۔‘‘

تو ہر چیز پر نگران ہے‘ ہر چیز سے باخبر ہے۔

آیت ۱۱۸ ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ﴾ ’’اب اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔‘‘

تجھے ان پر پورا اختیار حاصل ہے‘ تیری مخلوق ہیں۔

﴿وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ’’اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو زبردست ہے‘ حکمت والا ہے۔‘‘

یہ بہترین انداز ہے۔ معافی کی درخواست بھی ہے‘ جس میں بہت خوبصورت انداز میں شفقت و رأفت کا اظہار ہے‘ جو نوعِ انسانی کے لیے انبیاء کی شخصیت کا خاصہ ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ مقامِ عبدیت یہی ہے۔ تو اے اللہ! تیرا ہی اختیار ہے اور تو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ اگر تو انہیں معاف فرمانا چاہے تو تجھ سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا‘ کوئی جواب طلبی نہیں کر سکتا کہ تو نے کیسے معاف کر دیا! اب آ رہا ہے کہ اس پوری پیشی کا ڈراپ سین اور آخری نقشہ کیا ہوگا۔

آیت ۱۱۹ ﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ﴾ ’’اللہ فرمائے گا یہ آج کا دن وہ ہے جس دن سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی۔‘‘

ان کا سچ اور صدق ان کے حق میں مفید ہوگا۔

﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ﴾ ’’ان کے لیے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی‘ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ ’’اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔‘‘

یہ ہے باہمی رضامندی کا آخری مقام‘ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

آیت ۱۲۰ ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ﴾ ’’اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے‘ سب کی بادشاہی۔‘‘

﴿وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ’’اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ المائدۃ کے اختتام کے ساتھ ہی مکی اور مدنی سورتوں کے گروپس (groups) میں سے پہلا گروپ ختم ہو گیا ہے‘ جس میں ایک مکی سورۃ یعنی سورۃ الفاتحہ اور چار مدنی سورتیں ہیں۔ سورۃ الفاتحہ اگرچہ حجم میں بہت چھوٹی ہے لیکن یہ اپنی معنوی عظمت کے لحاظ سے پورے قرآن کے ہم وزن ہے۔ سورۃ الحجر کی آیت: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ مفسرین کی رائے کے مطابق سورۃ الفاتحہ ہی کے بارے میں ہے۔ اس گروپ کی چار مدنی سورتیں البقرۃ‘ آل عمران‘ النساء اور المائدۃ دو دو کے جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ ان تمام سورتوں کے مضامین کا عمود ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیں۔ مکمل شریعتِ آسمانی‘ اہل کتاب سے خطاب اور ردّ و قدح‘ ان پر الزامات کا تذکرہ‘ ان کے غلط عقائد کی نفی‘ انہیں ایمان کی دعوت‘ ان کی تاریخ کے اہم واقعات کی تفصیلات‘ ان کا اُمتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کیا جانا‘ جس پر وہ دو ہزار برس سے فائز تھے اور اُمتِ محمد ﷺ کا اس منصب پر فائز کیا جانا۔ یہ موضوعات آخری درجے میں اس گروپ کی سورتوں میں مکمل ہو گئے ہیں۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم‘ ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم OO